

حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ

پیغمبر اسلام کے اولین دو جانشینوں کا متفقانہ اور وہابانہ انداز میں
تذکرہ۔ یہ وہ دو بزرگ ہیں جن سے بہتر جن سے افضل انبیاء کے علاوہ
اور کوئی نہیں۔ مصر کے اس مورخ اور محقق کے قلم سے جو جدید ادب
عربی میں اپنا بیشمال مقام رکھتا ہے

مترجمہ:
شاہ حسن عطا
ایم۔ اے۔ میٹ

مصنفہ:
ڈاکٹر طہ احسن

ناشر

نفسِ اکیس
اُردو بازار، کراچی ٹرمی

www.jmmpak.tk

جملہ حقوق
 اردو ترجمہ کتاب حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ
 قانونی دائمی بحق
 چوہدری طارق اقبال گاہندی
 مالک نفیس اکیڈمی اردو بازار
 کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب: _____ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ
 تالیف: _____ ڈاکٹر طہ حسین
 ترجمہ: _____ شاہ حسن عطا ایم اے علیگ
 ناشر: _____ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی
 طبع: _____ ۱۹۸۹ء
 ایڈیشن: _____ آئسٹ
 ضخامت: _____ ۲۵۶ صفحات
 ٹیلیفون: _____ ۲۱۳۳۰۳

احمدیہ ریزرٹ ٹیوز - ناظم آباد - کراچی

فہرست حضرت ابوبکر صدیقؓ حصہ اول

صفحہ	
۷	۱- حرب ادلین
۱۳	۲- ارتداد کی فتنہ آرائی
۱۸	۳- آفتاب رسالت کا عروبہ اور ابوبکرؓ کی آزمائش
۲۱	۴- صدیق اکبرؓ کی شخصیت
۳۱	۵- حضرت ابوبکرؓ کی بیعت
۵۳	۶- ابوبکرؓ کی قوت و عظمت کا سرچشمہ
۶۸	۷- ایک بڑی کشمکش
۷۱	۸- حضرت ابوبکرؓ کی غیر معمولی نرمی اور غیر معمولی شدت
۸۸	۹- عراق و شام کی تسخیر
۹۳	۱۰- خالد بن ولیدؓ کے کارنامے اور شام کی فتح
۹۸	۱۱- صدیق اکبرؓ کی دیانت
۱۰۴	۱۲- حضرت ابوبکرؓ کے آخری ایام
۱۰۸	۱۳- حضرت ابوبکرؓ کا آخری کارنامہ

فہرست حضرت فاروق اعظم رضی حصہ دوم

۱۹۲	والیوں اور حکام کے ساتھ خصوصی طرزِ عمل و مسلمانوں کی دو چھاؤنیاں	۱۱۵	حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام
۱۹۵	کوفہ و بصرہ	۱۲۲	حضرت عمرؓ میں سختی اور نرمی کا بے مثال امتزاج
۲۰۱	سرخ آنہ حیلوں کا سال	۱۳۱	حضرت عمرؓ کے مزاج میں تبدیلی
۲۰۸	دانشمندانہ قیادت و امامت	۱۴۰	حضرت عمرؓ کی امانت اور درویشی
۲۱۴	نماز تراویح اور حضرت عمرؓ کی شانِ قفصہ	۱۴۵	عراق میں تلخ تجربہ اور ابو بلعینہ کی شہادت
۲۲۲	حضرت عمرؓ کی دیباہ اندازی اور اعمال سے سخت گیری	۱۵۱	حضرت عمرؓ کے سیاسی اور انتظامی اجتہادات
۲۲۸	حضرت عمرؓ کا آخری حج	۱۵۷	مکمل اور مفید احتساب
۲۳۷	بے مثال زعمیم کی موت پر امت کا تاثر	۱۶۳	حضرت عمرؓ کی مشکلات
۲۴۲	حضرت عمرؓ کی شہادت	۱۶۸	نئی مشکلات اور ان کا حل
۲۴۹	حضرت عمرؓ کا سانحہ مرگ	۱۷۷	وظائف
۲۵۳	حضرت عمرؓ کی موت اور ایک شرعی مسئلہ کا حل	۱۷۹	نسلاسی حکومت کا قیام
		۱۸۴	امت کی دل سوزی

اشیخان

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندی

ڈاکٹر طلحہ حسین مصری، موجودہ دور میں عربی زبان کے مشہور ادیب، اور نامی انشا پرداز ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اہل جدید کے اہل العلم المعری ہیں، وہی ادیبانہ انداز اور فلسفیانہ فکر و نظر، انکھوں سے مجبور وہ بھی تھے، اور ڈاکٹر طلحہ حسین بھی دیدہ و بینا سے بالکل محروم، یہ مصری ڈیوٹی میں استاد ادب اور مصری حکومت میں وزیر تعلیم رہنے کے علاوہ بہت سی مصروفیات کے آثار کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

ڈاکٹر طلحہ حسین نے تاریخ اسلام پر بھی متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، وہ تاریخ کو بھی اپنی نشا پر بازی اور ادیبانہ نگارشی سے افسانہ اور باغ و بہار بنا دیتے ہیں۔ اس طرح کہ تاریخ پر دھتے ہوئے آدمی کو ادب لطیف کا لطف آتا ہے، اسی طرح کی کتابیں علی و بنوہ اور مقتل عثمان بھی ہیں۔ یہ کتابیں تاریخی روایات اور مورخانہ شرف نگاہی کا شاہکار اور مورخانہ انشا پر بازی کا بیشمال نمونہ بھی مانتی ہیں ڈاکٹر طلحہ حسین نے سیرۃ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عثمان اور حضرت علیؓ پر کتابیں لکھنے کے بعد خود یہ محسوس کیا یا شاید دوستوں نے توجہ دلائی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر بھی انہیں کچھ نہ کچھ لکھنا چاہیے، اس لئے انہوں نے اشیخان کے نام سے یہ کتاب لکھی جس کا اردو ترجمہ اس وقت پیش خدمت ہے۔ ڈاکٹر طلحہ حسین نے خود اس کتاب کے صرف ایشین میں تالیف کی یہی وجہ لکھی ہے، اور حقیقت یہی وجہ معلوم بھی ہو سکتی ہے۔

بہر حال کتاب ڈاکٹر طلحہ حسین نے لکھی ہے، اور اسی ادب عالیہ کے انداز میں لکھی ہے جو ان پر طاری ہے خوب لکھی ہے اور بہت ہی خوب انداز نگارش اختیار کیا ہے۔ اگر نفیس انکاوی کی طرز سے علی و بنوہ کا ترجمہ پیش کرنے کے بعد اشیخان کا ترجمہ پیش کیا جاتا تو حقیقتہً وہی کی نہ جاتی جس کے ہمکنار نے ڈاکٹر طلحہ حسین کو یہ کتاب لکھنے پر مجبور کیا ہے۔

ترجمہ شاہ حسن عطا صاحب نے کیا ہے۔ سلیس و فصیح اردو میں تیز و گہرا امیر ہے ناظرین کو پسند آئے گا۔

www.jmmpa.com

www.jmmpak.tk

حَرْفِ اَوَّلِیْنَ

یہ کتاب کیا ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک مختصر سی مجمل سی تقریر ہے اور میں نہیں بھتا کہ اس کتاب میں کوئی بالکل نئی بات بیان ہوئی ہے، سلف صالحین اور محدثین نے ان دونوں حضرات پر تسلسل اور فراوانی سے لکھا ہے، اسی طرح یورپین علمائے بھی اس موضوع پر کج بحث تصانیف پیش کی ہیں۔ اور ان سب نے ایسی قدر اور متاخرین اور محدثین اور مستشرقین نے بحث و تحقیق کے تمام ممکن وسائل کو کام میں لاتے ہوئے شیخینؓ پر اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ اس کے آگے شاید ممکن بھی نہیں!

اگر مجھ پر یہی خیال مسلط رہتا تو شاید میں اس تقریر کے املا سے باز رہتا اور تکرار مضامین کے الزام سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا، جس کا خطرہ بہر صورت موجود ہے لیکن اس املا کا اصل محرک شیخینؓ سے میرا قلبی تعلق ہے اور میں اس قلبی تعلق کے باوجود اس تذکرہ میں اس قدر گفاری سے کام لوں گا۔ یہ عین تعاضل انصاف بھی ہے اور سبقت ابوبکرؓ و عمرؓ میں میری شرکت کا سبب بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات عثمانؓ و علیؓ پر تو لکھ ہی چکا تھا۔ البتہ خاص شیخینؓ پر میں نے بطور علیحدہ اب تک کوئی تقریر املا نہ کی تھی۔

اور یہ حقیقت ہے کہ میں اس سلسلہ میں اپنے کو شیخینؓ کی بارگاہ میں تصور ارادہ مجسم گردانتا رہا ہوں اور جیسے میرا ضمیر ان کے حق میں میرے اس تفاعل پر مجھے اب تک ملامت کرتا

لے باکمال مصنف نامیٹا ہونے کے سبب اپنی کتابیں املا کر دیتے ہیں۔

رہا ہو! یہ سب کچھ درست، تاہم میرا مدعا محض شیخینؓ کی مداحی بھی نہیں، اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ میں ان بلند رتبہ شخصیتوں کو لائق مدح سہرائی نہیں سمجھتا۔ واقعہ یہ ہے کہ بے شمار نسلوں نے ان بزرگزیدہ اور عظیم مردانِ حق پرست کو خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ بلکہ میں تو انہیں مادراً سمجھتا ہوں۔ یوں بھی یہ مدلل مداحی اور محض کتاب المناقب "قسم کی چیز قاری کے لئے بے سود ہوگی ایک اور بات بھی میرے پیشِ نظر ہے وہ یہ کہ شیخینؓ خود بھی اس قسم کی مدح و ثنا کو کماہمت اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ شاید وہ اس سے یک گونہ گھٹن محسوس کرتے تھے۔

بہر صورت اس جائزہ کا مقصد شیخینؓ کے دور کے واقعات کی تفصیل بیان کرنا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمام تفصیلات قدامت اور محدثین کی کتابوں میں پہلے ہی سے بکھری ہوئی ہیں۔ اور میں طویل کلام سے احتراز لازم سمجھتا ہوں۔ حق تو یہ ہے کہ شیخینؓ کے دور کے یہ واقعات جس ڈھنگ سے بیان ہوئے اس نے انہیں میری نگاہوں میں یکسر مشکوک اور مشتبہ کر دیا ہے اور میں تو اس بات کا قائل ہوں کہ شیخینؓ کے مختصر فقہ کے واقعات کا عام مزاج بیان بجائے اس کے انہیں عہدِ آفریں بنا کے پیش کرے، اپنے اندر افسانویت کا رنگ لے ہوتا ہے۔ قدامت اور محدثین کے سارے کے سارے دفاتر کھنڈ کال ڈالنے اور دیکھنے کے واقعات کی اس کھوتنی میں کہانی کا عنصر کتنا ہے اور مورخانہ رُفِ نگی سے کس حد تک کام لیا گیا ہے۔ کیا اس مختصر عہد کی باتوں سے کم از کم جس انداز میں وہ بیان ہوئی ہیں بونے فسٹاوازی نہیں آتی؟

در اصل قدامت نے شیخینؓ کی مدح میں اس حد بخل سے کام لیا ہے کہ ان کی اس مدح میں کہیں کہیں تقدیس اور تزیین کے حدود شروع ہو گئے ہیں۔ شدید قدامت یا یہ معمول جلتے ہیں۔ کہ انسانی نفس کے کچھ مخصوص تقاضے بھی ہوتے ہیں اور ان پر قلبہ ایک حد تک ہی ممکن ہوتا ہے۔ ہمارے شیخینؓ کی اس تجلیل کا راز اس وقت مل جو جاتا ہے ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ لوگوں نے بعض اوقات آنحضرتؐ سے بھی غلط باتیں منسوب کرنے سے گریز نہیں کیا پھر جب آنحضرتؐ کے باب میں لوگوں کا یہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر ہو سکتا تھا تو آپ کے حلیلِ قدر و نفا کے باب میں اس طرزِ فکر کا قائم ہونا قطعاً منطقی تھا۔ ان بزرگوں کی تقدیس اور عظمت اور

جلاّت کے ضمن میں ان کی شخصیتیں افتراء اور ذریعہ بیانی کا ہدف نہیں۔ دوسری جانب شیخین سے متعلق قدمد کا انداز بیان اور ہجرت کوچہ ایسا متیقن سا نظر آتا ہے گویا وہ اس دور کے واقعات کے عینی شاہدوں میں شامل تھے ظاہر ہے کہ ان تاریخ نویسوں اور داستان سراؤں میں سے کسی کو بھی یہ موقع میسر نہیں آیا تھا۔ آگے چل کر میں ان واقعات کی تصحیح کروں گا، لیکن یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ محرک ہائے جنگ کی تفصیلات کے بارے میں خواہ کتنی ہی حچان ٹپک کی جائے ضمن بیان میں حقائق ظہور نہ ہوتے ہیں اور واقعات کے افرق پر عدم احتیاط کے بدل چھائے رہتے ہیں۔ خود وہ لوگ جو محرکوں میں اصالت شریک ہوتے ہیں اس طرح کی جزئیات کے بیان پر قدرت نہیں پاسکتے اور خود ان لوگوں کے لئے بھی ممکن نہیں ہو پاتا کہ وہ واقعات کو اس طرح وضاحت کے ساتھ بیان کریں، محرک جنگ میں شریک ہونے والے تو زیادہ سے زیادہ صرف اتنا ہی دیکھ سکتے ہیں جتنا ان کے محاذ پر واقع ہوتا ہے اور پھر ان کے میدان کارنار کے اپنے مسائل اور مشکلات انہیں اتنی فرصت ہی کہاں دیتے ہیں کہ وہ ایک جمع الحواس ناظر کی حیثیت سے واقعات کا جائزہ لے سکیں۔ ایک سپاہی کا تصور کیجئے جو میدان جنگ میں اپنی جان کی حفاظت اور اپنے دفاع کے لئے سر دھڑکی بازی لگائے ہوئے ہے اور اسے ہر آن دشمن کی نئی چالوں اور لگاتوں کا دھڑکا لگا ہوتا ہے، اب کیا یہ سپاہی واقعی اس قابل ہوتا ہے کہ لڑتا بھی جائے اور نہایت اطمینان سے گرد و پیش کا مہم خانہ اور ناقدانہ جائزہ بھی لیتا جائے اور یہ بھی دیکھتا جائے کہ جہاں وہ محو کارنار ہے وہاں سے دور، بہت بعد، حملہ کی نوعیت، دفاع کی شکل اور پیش قدمی کی صورت کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ جب ایک سپاہی میدان جنگ میں موجود ہوتے ہوئے بھی یہ سب کچھ دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے تو پھر ہمارے یہ دیدہ ورموزخ کیوں کر جنگوں کے نتائج اور محاذوں کی متعلقہ تفصیلات اور خساروں کی نوعیت وغیرہ کے متعلق صراحت کے ساتھ لکھ مارتے ہیں کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی ہزیمت خوردہ لشکر عالم فراز میں کسی دریا یا نہر کو عبور کر رہا ہو اور اس صورت میں اس کے افراد تلف ہو جائیں یا زخمی ہوں یا مثلاً ڈب کر مر جائیں تو مرنے والوں، زخمی ہونے والوں اور ڈب جانے والوں کی علیحدہ علیحدہ فہرست کا مرتب کرنا یا نبرد آزما ہونے سے پہلے اصل تعداد، دشمنوں کی تعداد کی صحیح میزان وہی تقریباً امر محال ہے۔ ظاہر ہے

ایسے مواقع پر تیس سو کو کام میں لانا ہی پڑتا ہے اور یقیناً قدیم عہد میں بھی یہ ساری تفصیلات قیاس کے بل بوتے پر مرتب ہوئی ہوں گی۔ یوں بھی اس دور میں اعداد و شمار کا کوئی علمی تصور نہ تھا اور عام لوگوں میں بھی واقعات کی چھان میں علمی انداز میں کرنے کا شعور نہیں پنپ سکا تھا۔ اس کے علاوہ بیشتر عرب مؤرخوں کو واقعات کا علم عرب راویان اخبار کے ذریعہ ہوا اور ان کی تاریخ نویسی کی بنیاد فاتحوں کے مکتوبہ بیانات پر قائم کی گئی اور یہ فاتح وہ تھے جو فتح و نصرت کے وقت میدان جنگ میں موجود تک نہ تھے۔ اسلئے واقعات کے بارے میں، جیسا کہ یہ تاریخ کی کتابوں میں نقل ہوئے ہیں، یہ تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ اندوئے روایت یہ مشتبہ اور غیر مستند ہیں۔ اصل ایک اور فرود گذاشت یہ ہوئی کہ ہمارے مورخین نے تصویر کا محض ایک ہی رخ دیکھا۔ ان بزرگوں کو چاہیے تھا کہ یہ اس دور میں اسلام کے مقابلہ میں کسکست یا فتنہ قوموں یعنی رومیوں اور ایرانیوں وغیرہ کے افراد کے بیانات بھی لیتے لیکن انھوں نے صرف ایک ہی آواز سنی۔ وہ تھی عرب آواز! بے لاک تحقیق اور تاریخ سرائی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے دونوں فریقوں کی، فاتح اور مغرب دونوں کی بات سنی جائے۔

شیخین کے دور کے واقعات اپنی جگہ پر خود ہی حیرت انگیز اور کوشمہ ریز تھے اور ان واقعات کو پڑھنے والا یقیناً طور پر ان سے مرعوب ہوتا ہے۔ اور اس پر استعجاب کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر راویان اخبار کے لئے کہاں ضروری رہ جاتا ہے کہ ان واقعات پر مزید حاشیہ آرائی سے اپنے جی کی بھر اس نکالیں اور ان کے گرد مہانتہ آرائی اور غلو کا ایک ہالہ قائم کر کے اپنے کرتسکین دیں۔ عربوں کا اسلام سے پھر کر اس کی جانب رجوع کرنا۔ شام اور جزیرہ وغیرہ کی فتح اور ان ملکوں سے رومیوں کا اخراج، عراق سے ایرانیوں کا نکل جانا، ایران کے علاقہ پر مسلمانوں کا تسلط اور غلبہ یہ اور اس نوع کے واقعات بذات خود مجیر العقول اور زبردست واقعات ہیں جو ایک قلیل سی مدت میں پیش آگئے۔ یہ عظیم واقعات آپ اپنی توصیف اور اپنے ہمتہ بالشان اور حیرت افزا ہونے پر آپ اپنی دلیل ہیں۔ اور بظاہر مزید مبالغہ آرائی کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ ان حادثات و دیگر کے اس دور باکرامت میں واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ان کے حسن و جلال پر تکلف کا غاڑہ بالکل زیب نہیں دیتا۔ میرا خیال ہے جس وقت مورخ اس دور کے بارے میں اتنا

ہی لکھ دیتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کو روٹیوں پرستخ حاصل ہوئی اور ایران تسلط اور غلبہ ملا تو وہ دراصل سب کچھ کہہ دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہہ کر شاید غیر شعوری طور پر وہ ایک ایسے عجز و انکار نامے کا ذکر کر دیتا ہے جس کی مثال محرمہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے!

اس وقت میں اس عبارت کا جو املا لکھوا رہا ہوں تو میرے سپیش نظر محض شیخین کی مدح سرائی ہی کی محم نہیں ہے۔ اور نہ ان کے مبارک اور تابناک عہد کی فتوحات کے بارے میں جزئیات نگاری میرا مقصد ہے۔ میرا مدعا اس سے کچھ مختلف ہے۔ میں دراصل اپنے قاری سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی (دولہ انگیز اور بے مثال ادبا کمال شخصیتوں کا تعارف کرانا چاہتا ہوں۔ ہستی سے ان شخصیتوں کے بارے میں ذہنوں میں غلط تصورات قائم ہو گئے ہیں اور ان تصورات کی ان حضرات کی سیرتوں سے بالکل تائید نہیں ہوتی۔ میرا اس کتاب کی تالیف سے مدعا یہ ہے کہ دور شیخین کے واقعات، اور بعد کی اسلامی زندگی پر ان کی مخصوص چھاپ، اور امت عربی پر ان حوادث کی تعبیر سے خاص طرح کے اثرات اور ساتھ ہی ان میں سے بعض واقعات سے فتنوں کے سیلاب چھوٹنے کے مستقل امکانات کو ذہن میں رکھ کر میں ان شخصیتوں کے اصل خدو خال نمایاں کر دوں۔

راویوں نے حضرت عمرؓ کا یہ معنی آفرین قول نقل کیا ہے کہ انہیں حضرت ابو بکرؓ کے فوراً بعد تاریخ کے منظر عام پر آنے نے بہت تھکا سادیا یعنی حضرت ابو بکرؓ کی جانشینی کے عظیم لوازم کو نبھانا خود ان کے لئے حد درجہ صبر آزمائے ثابت ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ کی مسند پر بیٹھنا تو خیر مشکل اور کٹھن فعل تھا ہی حضرت عمرؓ کی خالی کی ہوئی جگہ کو پُر کرنا اور ان کے قائم کئے ہوئے سخت عیار پر پورا اترنا کچھ دشوار تر ہی ثابت ہوا۔ اور خلفاً ما بعد اس آزمائش پر پورے اترنے میں ناکام ثابت ہوئے۔ شیخینؓ کی زندگیوں نے مسلمانوں کے لئے سیاست اور حکمت عملی کی ایک بالکل ہی نئی راہ کھول دی تھی اور عدل و انصاف، حریت و مساوات اور معاملات کی سربراہی اور تنظیم کا ایک نہایت درجہ عالی اور مشکل الحصول معیار قائم کر دیا تھا جس پر پورا اترنا سلاطین ما بعد کے لئے سخت دشوار ثابت ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اسی معیار پر پورا نہ اتر سکنے کی وجہ تھی کہ شیخین کے بعد ہی ان عظیم فتنوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجہ کے طور پر پہلے

حضرت عثمان کو اور ان کے بعد حضرت علیؓ کو شہادت تکہ عام نوش فرمانے پر سادہ خون بہا جو خونِ باقی تھا اور جس کا بہنا اللہ کے نزدیک حد درجہ مکروہ اور مبغوض تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان فتنوں سے امت اسلامی آپس میں بٹ سہی گئی اور ایسا بھی کہ تقسیم اور لفرقہ بازی کی صورتیں آج تک قائم ہیں!

بہر حال میرا مقصود یہ نہیں کہ میں یہاں اس علمی بحث کی مشکلات بیان کروں اور اس باب میں اپنی جگہ کا دیوں پر تبصرہ کروں۔ مجھے اس بحث کا حق ادا کرنے میں کن زحماتوں کا سامنا ہوگا، کن دشوار راہوں سے گزرنا ہوگا، اہل نظر خوب سمجھ سکتے ہیں۔ موضوع کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ ان آزمائشوں سے مفر ممکن نہیں۔



باب ۲

ارتداد کی فتنہ آرائی

سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "قَالَتِ الْأَعْرَابُ..... غَفُورٌ الرَّحِيمُ"

(ارتداد مفہوم)

"بادیہ نشین مدعی ہیں کہ وہ اپنے میں مردوں کی صفات پیدا کر چکے ہیں ان سے فرما دیجئے
ہم ختم بادیشین لوگ ذوق یقین سے محروم ہوا در تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ تم اسلامی
برادری میں داخل ہو چکے ہو۔ اور اگر تم لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام مانو گے تو ظاہری طور
پر خصام میں رہنے کے باوجود تم دراصل مشرکوں میں نہیں رہو گے اور تمہارے کاروبار میں کساد
واقع نہوگا۔ اللہ بخشنے والا اور عنایت فرما ہے۔"

تمام کے تمام واقعات اس اہل پر استدلال کرتے ہیں کہ اگرچہ اہل عرب آنحضرتؐ کے وصال
کے وقت تک اترہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے تاہم مدینہ مکہ اور طائف کے لوگوں کو مستثنیٰ
کر کے ابھی تک ایمان اپنے اصل مفہوم میں ان کی طبیعتوں کا حصہ نہیں بن سکا تھا۔ ہوا یقیناً
عام بادیہ نشین عربوں نے اسلام کے ظہور کی اپنے دماغوں میں یوں تعبیر کی تھی کہ گویا
ایک نیا سلطان اور صاحب اقتدار سردار منظر عام پر آیا اور اس نے مدینہ مکہ اور طائف
کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور بس پھر اس نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ اس کے پیش کردہ
نظام فکر کو قبول کر کے اللہ اس کے لئے ہوئے پیغام کو مان کر لوگ اللہ کی کی تائی اور وحدانیت
کی بھی شہادت دیں اور اسے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے پیغام کا حامل برحق جانیں سناؤ
ہی یہ لوگ وہ واجبات ادا کریں جو اس سلطان کی جانب سے ان پر عائد ہوتے تھے عام بادیہ

نیشنوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ بادشاہ ہر اس عرب کے خلاف صف آرا ہو جاتا ہے جو اس کے پیش کردہ ضابطہ حیات کو قبول کرنے سے انکاری ہوتا ہے۔ پھر وہ اللہ کا یہ اعلان نکالتے کہ

اِنَّمَا الْبَشَرُ لَكُوفٌ فَجَسَّءٌ فَلَا تَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ لِبَعْدِ عَامِهِمْ هَذَا

یعنی مومنو! مشرک تو پیدا ہی میں اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں گویا مشرکوں اور مسجد حرام کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی تھی۔ انھیں (ظاہر بینوں نے) یہ بھی دیکھا کہ اس نئے سرشار میں قوت اور اقتدار کے باوصف ہلاکی کشادگی قلب اور صفت بخشش و کرم بھی موجود تھی۔ یہ چیز انہیں مرعوب اور متاثر کرنے کے لئے بہت کافی تھی۔ شاید یہی اسباب تھے کہ یہ تمام کے تمام اہل عرب دفعتاً نظام جدید کے حلقہ گبوش بن گئے تھے۔ اضطرابی طور پر نبی اعظمؐ کچھ دلی اور ساریہ فکری رہے ہوتے تو شاید عام الناس کا یہ اقرار باللسان بمبدل نہ ایمان حقیقی ہو جاتا اور وہ جو بحیر حالات اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے ان کے دل و جگر بھی قلندری فریاد آتے مگر اللہ کی مرضی کچھ اور تھی اور اس نے جلد ہی گویا اپنے سفیر کبیر کو واپس بلا لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ نفسیاتی طور پر اس عظیم حادثہ کے لئے تیار نہ تھے۔ کیا سفیر کو بھی عام لوگوں کی طرح موت آ سکتی ہے؟ ذہنوں میں یہ سوال اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر اگر معاملہ کو عالمی کی نظر سے دیکھا جائے، تو ادھر تو یہ سخت خلاف توقع سانحہ ہوا اور ہر زمام امور ہاتھ میں لینے کے لئے ایک ایسی شخصیت آگے بڑھی جو لوگوں کی جانی پہچانی شخصیت تھی۔ عام آدمی نے پھر سوچا ہوگا۔ جب صاحب وحی اور ایک ایسے زبردست انسان کو جس نے اپنے ہر مخالف کو شکست دی، موت آ سکتی ہے تو اس غیر نبی کے لئے تو موت اور بھی یقینی ہوگی۔

یوں دل میں جو کچھ تھا ظاہر ہو گیا، سلسلے خدشات اور سارے توہمات، سب ہی جیسے پھوٹ پڑے اور اہل عرب نے جیسے اس بات پر تصدیق کی مہر سی لگا دی کہ ان کا اسلام نبوت کے جلال و اقتدار کے سبب تھا اور دل ان کے اب تک وہی ریٹن بتان آذری میں کہہ جاتے:

نتیجہ سامنے تھا۔ قلندری ارتداد اپنی تمام شعلہ سامانیوں کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور زکوٰۃ کے باب میں نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ مانعین زکوٰۃ کے دفن حضرت ابو بکرؓ سے ان کے صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ نماز تو ہم بے شک پڑھیں گے البتہ زکوٰۃ سے ہم معذور

ہیں! دراصل دولت اب لوگوں کے نزدیک دین سے زیادہ قیمتی شے ہو چکی تھی اور شاہی لوگ اسے اپنے لئے کسبِ شان بھی سمجھنے لگے تھے کہ زکوٰۃ کا حصول وہ ایک ایسے شخص کے پُرکَر دین جس کے پاس ان ہی کی طرح ذکوہی آتی تھی اور نہ اخبار سماوی!

ایک دوسری صورت حال جو اسی دور میں پیش آئی تھی اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اہل عرب کے ایک گروہ نے تو اس بات کا بھی انتظار نہ کیا تھا کہ چراغِ رسالت گل ہوئے اور ان بے صبروں نے اس سے پیشتر ہی کہ امت کا سُرار گرامی بزمِ جہاں کو چھوڑ جلے اور انداز کا ٹھہرا کر دیا تھا۔ اور اصل سبب اس انداز کا یہ تھا کہ ان لوگوں کو زکوٰۃ کا دینا بہت ناگوار تھا۔ یہ لوگ وہ تھے جو دولت دنیا کو دین پر ترجیح دے رہے تھے۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ انہیں قریش میں نبوت کا ہونا فی نفسہ کھل رہا تھا۔ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ قریش میں رحیب پہلے ہی سے ممتاز تھے (نبوت کے آجانے سے کیا کچھ اقتدار اور جلال و عظمت کے عناصر آگئے تھے اور شاید عیدانِ نبوت اور ان کے ہوا خواہوں نے سوچا۔ نبوت قریش ہی کا طرہٴ امتیاز کیوں ہے۔ ادا نہیں میں نبوت کا لایا ہوا یہ اقتدار کیوں قائم رہے۔ خصوصاً جبکہ اس اقتدار میں ہمہ گیری اور جہاں گیری کی صلاحیت بھی تھی۔ چنانچہ یہ سلسلہ جلد ہی شروع ہو گیا۔ سب سے پہلے بنی سعد میں خصوصیت کے ساتھ بنو حنیئہ میں یہ فتنہ اٹھا۔ اس کے بعد ہی میلہ کذاب نے یمامہ میں اپنی نبوت کا اعلان کیا۔ شیخ نبی ہوتے ہی مقبض اور مستعجب ہمارے، جو اس کے زعمِ باطل میں اسے جگا ہوتی تھیں، کہنے لگ گیا۔ مثال کے طور پر۔

لَنَا نِصْفُ الْأَرْضِ وَالْقَرَشِ نِصْفُهَا، وَلَكِنْ قَرَشٌ شَاقِقٌ مَرَّ بِظِلْمُونَ

یعنی زمین کے آدھے حصے سے ہمارا اور آدھے سے قریش کا تعلق ہے۔ مگر قریش ہیں کہ زراعتی تیلہ ہوتے ہیں! اور حرمین بھی چھوٹے میوں کا شکار ہوا اور وہاں الاسود العنسی نام کے ایک شخص نے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اس پر بھی قافیہ سپائی اور مستعجب عبارتوں کا بھرت سوار ہوا۔

نبی کریمؐ کے وصال سے پہلے ہی نبیِ اسد میں بھی یہ لعنت ورائی اور وہاں طلحہ نامی شخص نے سخن گستری شروع کر دی اور اعلان یہ کیا کہ گو با۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں!

بات یہیں تک غم نہیں ہوتی ایک محترم سہمی جن کا اسم گرامی سجاح تھا دعویٰ نبوت لے کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس عورت کا تعلق دراصل بنی تمیم سے تھا لیکن بعد میں بنی تمکب میں آئی کے بس گئی تھی۔ اس کی قافیہ سنجی بھی رنگ لاکے رہی اور اس کی ذات سے بھی بے شمار لوگ گمراہ ہوئے پھر فاطمائی بھلائیوں خاموش بیٹھے رہتے۔ انھوں نے بھی آل عدنان پر اس بات پر رشک کرنا شروع کر دیا کہ نبوت ان میں ہی کیوں رہے اور دوسرے قبائل اس شرف سے کیوں محروم رہیں۔ چنانچہ الاسود العنسی نے ظہور کیا۔ اور ہر بتعیر کو مقرر پر رشک آیا اور خود مقرر کے اندر اسد و تمیم قریش سے جلنے گئے، انہوں نے سوچا۔ آل مضر میں قریش ہی کیوں اس صفت سے متلذ ہوں چنانچہ بنی اسد میں طلحہ اور بنی تمیم میں سجاح نبوت کے علم لے لے کے کھڑے ہو گئے۔ غرض ایسا نظر آ رہا تھا کہ پوری دنیا اسلام سے منحرف ہو کے کفر کی جانب گامزن ہو جائے گی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ شعلہ جو بحیرہ کا تھا وہاں سے جزیرہ نماے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔

اس فتنہ کی شعلہ سامانی اور ایک زبردست اکثریت کا اسلام سے انحراف اور انقطاع ایک زبردست آدمکش تھی جس میں حضرت ابوبکرؓ کو مبتلا ہونا پڑا۔ اسی طرح نبی کریم کی وفات کے فوراً بعد مسلمان بھی اس آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ دنیا میں کوئی چیز انسانی شخصیت کو کسی عظیم آزمائش کے قوت پر اس کے عزم و ثبات کے اظہار سے زیادہ اجاگر کرنے والی نہیں ہوتی۔ بڑی شخصیت ظہور پذیر ہوتی ہی اس وقت ہے جب وہ مشکلات اور خطرات کو خاطر میں لائے بغیر ان سے ٹکر لیتی ہے۔

کار خلافت کے شروع ہی میں حضرت ابوبکرؓ کو جن مسائل سے نبرد آزما ہونا پڑا ان میں محض مانعین زکوٰۃ اور مدعیان نبوت اور ان کے پیروؤں کی سرکوبی ہی نہیں شامل تھی ایک اور مسئلہ بھی پیش تھا بے حد سنگین اور بے پناہ حد تک مشکل۔ وہ مسئلہ تھا شام کے نصرانیوں کے مقابلہ کے لئے عسکری تیاریوں کی تکمیل، اور ان کے تمام سیاسی ہتھکنڈوں کا مثبت اور زندان شکن جواب اور آئندہ فتنوں کے قطعی سدباب کے نقطہ نظر سے ان کی جمعیت کو منتشر کرنا۔ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نماے عرب کے حدود پر خود نفس

شکر کشی فرمائی تھی اور موتہ اور تبرک کے غزوات کی اصل علت تھی ہی یہ کہ شام کے نصرانی جزیرہ نمائے عرب کے لئے مزید خطرہ دہنئے پائیں۔ اسی مصلحت کے پیش نظر آنحضرتؐ نے محض موتہ اور تبرک ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنی وفات سے قبل ان نصرانیوں سے جو اب شام میں جمع ہو رہے تھے مگر لہنے اور ان کی قوتوں کو پامال کرنے کے لئے ایک لشکر بھی تیار کر لیا تھا۔ اس لشکر کی قیادت آنحضرتؐ نے نو عمر اسامہ بن زیدؓ کے سپرد فرمائی تھی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسامہ کے والد زیدؓ کو موتہ کے غزوہ میں شہید کر دیا گیا تھا اب چونکہ حضرت زیدؓ کو حدود شام کے عربوں نے شہید کیا تھا اس لئے ان کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ میں قدرتی اور نفسیاتی طور پر زبردست جوش انتقام موجود تھا۔ یقیناً آنحضرتؐ کی شرف نگہی نے آپ کے سامنے معاملہ کا یہ پہلو بے نقاب کر دیا تھا۔ اسی لئے آپ نے ایک ایسے لشکر کی رہنمائی اور فرمان دہی جس میں آپ کے جدیدہ اصحاب منجملہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تک شامل تھے، نوجوان اسامہؓ کے ہاتھ میں دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

آنحضرتؐ کی بیماری اس لشکر کی روانگی کی تاخیر کا سبب بنی اور جب آنحضرتؐ کو احساس ہو گیا کہ یہ بیماری موت کا پیش خمینہ ہے تو آپ نے وصیت فرمائی کہ جو لشکر اسامہ بن زیدؓ کی فرمان دہی میں جانے والا تھا وہ بدستوران ہی کی رہنمائی اور امارت میں روانہ ہو۔

حضرت ابو بکرؓ نے خلافت کی زمام سنبھالتے ہی دیکھا کہ پوری دنیا نے عرب ازمروں کو مبتلائے کفر و نفاق ہو چکی ہے اور آپ کے وہ ساتھی جن کے تدبیر اور سلیقہ پر آپ اعتماد کر سکتے تھے سب کے سب لشکر اسامہؓ میں بھرتی ہو چکے ہیں (اور اگر وہ مرکز سے اس نازک موقع پر چلے گئے تو آپ تنہا اور ان کی رفاقت اعانت سے محروم رہ جائیں گے)۔

حضرت ابو بکرؓ نے دفعۃً اپنے کو آگ کے دیباؤوں کے کنارے کھڑے پایا۔ یہ ایک ایسی آگ تھی جس سے تمام جزیرہ نمائے عرب شعلہ در سوچکا تھا۔ اب وہی صورتیں تھیں یا تو حضرت ابو بکرؓ اس لشکر کو باہر بھیج کر خود مسائل سے نبرد آزما ہوتے اور یا اس لشکر کی روانگی میں تاخیر کرتے پہلے داخلی فتوں کی آگ کو بجھاتے اور بعد میں آنحضرتؐ کی وصیت پر عمل کرتے۔

سخن آرائش کا مقام تھا۔ حضرت ابو بکرؓ زبردست اور سنگین بحران سے دوچار تھے۔ آئندہ ایجاب میں ہم دیکھیں گے کہ حضرت ابو بکرؓ اس آزمائش میں کس طرح لپڑے پڑے تھے اور مشکلات پر آپ نے کیسے قابو پایا۔

باب

آفتابِ رسالت کا عزوب
اور
ابوبکرؓ کی نئی آزمائش

لیکن خود اس آزمائش سے بھی پہلے حضرت ابوبکرؓ کو ایک اور سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور یہ اس وقت جب ابھی آپ نے معاملات کی باگ ڈور خود نہیں سنبھالی تھی۔ یہ آزمائش رسالتِ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی شکل میں سامنے آئی۔ اس آزمائش کا ہدف کچھ حضرت ابوبکرؓ ہی کی ذات نہ تھی بلکہ ہر سکتا تھا کہ اس میں مبتلا ہو سکے مسلمان اپنے دین ہی سے منحرف ہو جاتے مسلمان اب تک یہ سوچتے تھے کہ آنحضرتؐ اس وقت تک ضرور اس دنیا میں تشریف فرما رہیں گے جب تک مندرجہ ذیل آیت کے مطابق جس کا متن ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ یہ دینِ تمام دوسرے ادیان پر غالب آجائے عواہر غلبہ حق مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار اطلاع معلوم ہو۔)

یہی مسلمان سورہ براءۃ میں پڑھتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (یعنی اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کا لایا ہوا دین تمام دوسرے ادیان پر غالب آجائے اور اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی گہم شہت کرتے رہنا ہی سہی

سے اہم امر ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریمؐ نے جہاں تک کہ جزیرہ نمائے عرب کا تعلق تھا بے شک دینِ حق (اسلام) کو تمام دوسرے مروجہ ادیان و مذاہب پر غالب کر دیا تھا لیکن اسے ابھی دنیا کے بقیہ حصے میں دوسرے دینوں پر غلبہ پانا باقی تھا۔ پھر من نے الاسود العنسی کے ساتھ ہو کر اور بنو حنیفہ نے خود آنحضرتؐ کی زندگی میں میلہ کے ساتھ ہو کر اسلام سے رشتہ توڑ لیا تھا۔ تو پھر (اس دور کے عام مسلمانوں کے نظریہ کے مطابق) توڑ آنحضرتؐ کے وسیلے سے عرب ہی میں اللہ کا دین تمام دوسرے دینوں پر غالب آیا تھا اور نئے دوسرے ممالک میں! اور اس کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے سے پہلے ہی آنحضرتؐ دنیا سے جلائی اور اللہ کا جوار اختیار فرماتے ہیں۔ اسی صورت میں یہ بات کچھ زیادہ اچھنبے کی نہیں معلوم ہوتی کہ خود بعض نہایت درجہ سچے مومنوں کو آنحضرتؐ کی موت کے بارے میں شک پیدا ہو جائے۔ آخر حضرت عمرؓ نے شک کا اظہار کیا تھا۔ اسی طرح ان اور کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات بھی آسانی سے سمجھ آ جاتی ہے کہ ان لوگوں نے جو گویا محض زبان سے عبودیت کے مدعی تھے کیوں کفر اور انکار کی راہ اختیار کر لی تھی جیسا کہ مانعین زکوٰۃ نے کیا تھا اور کیوں اہل مدینہ کے حالات انتہائی پریشان کن ہو گئے تھے؟

اب اگر اس بات کو ذہن میں رکھ لیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کے لئے مجرب ترین شخصیت تھے اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ بھی بہ جان و دل فدائے پیغمبر تھے۔ تو شاید اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ اس آزمائش کا اثر صدیق اکبرؓ کے دل پر کیا کچھ پڑا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں ابوبکرؓ اس آگ میں بے خطر کود پڑے اور فدا چھلکے بغیر اس آزمائش سے گزر گئے۔ یہ بھی آپ لوگوں کے علم میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے سچے اور نیک نفس مومنوں کو کیسے تسکین دی اور انہیں سخت ذہنی بحران سے کیسے نکال لیا۔ تاریخ کا یہ بڑا ہی خوبصورت اور دل انگیز منظر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے محض ذیل کے قرآنی کلمات ادا کر کے ایک پوری قوم سے شک اور تذبذب اور ہراس و یاس کو یکسر ختم کر دیا۔

رَوَا مُحَمَّدُ الرَّسُولُ قَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهَا الرُّسُلُ، اَفَا نَمَاتَ اَوْ قَتِلَ اَنْفَلَبْتُمْ
عَلَى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى اَعْقَابِهِ فَلَنْ يَصُرَ اللهُ شَيْئًا وَاَوْسَجِرَ اللهُ اَشَارِكِينَ

یعنی محض علی اللہ علیہ وسلم بنیادی اور اساسی طور پر اللہ کے ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے بھی آپ ہی کے تقدس
میشن پر رسول آپ کے ہیں۔ اب اگر آپ کو ساتھ مرگ پیش آگیا ہے یا آپ قتل ہو چکے ہیں تو (کیا یہ سب ہوگا) کہ تم
لوگ دفعتاً بدل جاؤ اور پیچھے دکھانے لگ جاؤ۔ تم پر یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ منہ موڑ کر اور پشت دکھا کر تم خدا کا کچھ
بھی تو نہ بگاڑ سکو گے۔ عنقریب اللہ شکر گزاروں کو صلہ دے گا۔

(إِنَّكَ صَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ رَمِيَّتُونَ) (الزمر: ۷۰)۔ آپ کو (مراؤں ہی) اکرم اور ان لوگوں کو

سب کو مرنا پڑے گا۔

اس عظیم حادثہ کے وقت حضرت ابوبکر نے نہ تو گریہ زاری جائز سمجھی اور نہ نبی کریم کی موت کے
واقع ہونے میں آپ نے کسی قسم کے شک کا اظہار کیا۔ اس کے برخلاف اس مرد گامی نے مومنین سابق
کو اللہ کا یہ قول یاد دلا کے کہ نبی اعظم کو بھی موت سے مصفر نہ ہوگا انہیں شک اور گریہ زاری کی منزل پائیں
سے باہر نکالا اور ان میں جرأت اور حقائق کو قبول کرنے کی قوت پیدا کر دی۔

اب دیکھنا یہ ہے، اور اس کے جانے بغیر جاہ بھی نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس عزم
و ثبات اور صبر و استقامت اور مشکلات پر آخر کار قابو پانے کی صلاحیت کا اصل سرچشمہ
اور منبع کیا تھا؟

باب

صدیق اکبرؓ کی شخصیت

اس تمام ثبات اور عزم کا سرچشمہ حضرت ابوبکرؓ کی وہی عظیم صفت تھی جو آپ کے لقب یعنی صدیقِ دانتہائی راست باز اور امین اور وہ جس کے قول اور عمل میں کامل انطباق اور ہم آہنگی پائی جائے، اس میں مضمر ہے۔ دراصل حضرت ابوبکرؓ محض ایک قریشی بھی تھے۔ یوں کہ آپ کا تعلق قبیلہ قبیلہ قریش سے تھا اور دوسرے درجہ میں آپ ایک عرب بھی تھے۔ اس کے بعد آپ کی شخصیت ایک انسان کی بھی تھی، ایک عام قریش کی طرح آپ کو بھی بعض باتوں سے خوشی حاصل ہوتی تھی، بعض سے دکھ۔ وہ چیزیں آپ کو بھی متاثر کرتی تھیں جن سے عرب متاثر ہوتے تھے۔ پھر ایک عام انسان کی مانند آپ کے یہاں بھی رنج و راحت، لذت و الم، توانائی اور کمزوری اور خوشی و غم کے مواقع آتے رہتے تھے۔ ان سب چیزوں سے قطع نظر حضرت ابوبکرؓ ایک اور صفت کے لئے بھی مشہور تھے وہ صفت تھی طبیعت کی نرمی اور گداز اور دوسروں کو مبتلائے رنج دیکھ کے بیتاب اور متاثر ہو جانے کی صفت۔

پھر سوال اٹھتا ہے حضرت ابوبکرؓ جیسے نرم خو اور رقیق القلب انسان کے لئے آخر یہ کیسے ممکن ہو سکا کہ آپ ان عظیم اور دشوار مشکلات پر جو آپ کو پیش آئیں بلا تکلف قابو حاصل کر لے گئے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ یہ وہی ابوبکرؓ نہیں جن کے بارے میں ان کی بیٹی حضرت عائشہؓ نے اس خدشہ کا اظہار کیا تھا کہ اگر مرض الموت میں آنحضرتؐ نے اپنے بجائے ان سے امامت کے فرائض انجام دینے کے لئے کہا تو بہت ممکن ہے شدتِ تاثر سے آپ کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکے اور لوگ یہ تک نہ سُن سکیں کہ کب آپ نے اللہ اکبر کہا اور

سبح اللہ من حمدہ کہا، حضرت عائشہؓ نے تو بلکہ آنحضرتؐ سے صاف صاف عرض کیا تھا کہ رسول اللہ! اگر آپ نے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تو ممکن ہے شدت الم سے ان کی آواز ہی گلو گیر ہو جائے اور رفتاری ان کی آواز تک نہ سن سکیں۔ ایک اور سوال اٹھتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریمؐ کی نگاہوں میں اس درجہ محترم اور محبوب کیسے بن گئے، اور آپ کو آنحضرتؐ کا وہ تقرب کیوں کر حاصل ہو گیا جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہو سکا۔ آنحضرتؐ خود اس بات کا بار بار اعلان فرماتے تھے حضرت عمرؓ بن العاصؓ نے جب رسالتِ آپؐ سے ایک بار یہ سوال کیا تھا کہ آپ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ محبوب شخصیت کس کی ہے۔ تو اس وقت آپؐ کا جواب تھا کہ ابوبکرؓ، "ہمیں راویوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ایک دن آنحضرتؐ نے منبرِ نبویؐ پر خطاب فرماتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کا بھی ضمنی تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:-

اگر میرے لئے یہ ممکن ہوتا کہ میں اس امت میں کسی شخص کو اپنا خلیل بنا سکتا یعنی آپؐ میں وہ محبت دے سکتا جو محبت کی سب سے آخری منزل ہے اور جسے صرف باری تعالیٰ کے لئے مخصوص کیا جا سکتا ہے، تو میں یقیناً اس کے لئے ابوبکرؓ کا انتخاب کرتا۔ تاہم جب تک ہم دونوں درماد رسالتِ آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ اس دنیا میں ہیں، ہماری برادری اور رفاقت جاری رہے گی۔ آنحضرتؐ جب تک مکہ میں تشریف فرما رہے حضرت ابوبکرؓ کے گھر صبح و شام تشریف لے جاتے رہے اور پھر مکہ سے مدینہ جاتے وقت حینی، بھرت کی انتہائی نازک اور ٹھن گھری میں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ ہی کو مسفری کا عظیم شرف بخشا۔ اسی طرح آنحضرتؐ اپنے تمام معاملات میں مشورہ کے لئے حضرت ابوبکرؓ ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ ان سب باتوں کا وہی ایک جواب ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، یعنی یہ کہ حضرت ابوبکرؓ میں صدیقی صفات موجود تھے۔ مردوں میں آپؐ سب سے پہلے شخص ہیں جسے اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کا لافانی اور زندہ جاوید شرف حاصل ہوا۔ اور پھر آپؐ کا یہ اسلام اپنے کامل ترین معنی میں بے ریا، پاک اور صاف بھی تھا اور اس اسلام کا مزاج عمیق ترین صدق دلی اور اخلاص کوئی اور صداقت باطنی سے بنا تھا۔ آپؐ کا ذوق یقین پختہ ترین ذوق یقین تھا، ہر شبہ شک و ریب سے پاک، آنحضرتؐ کی ہر بات آپؐ کے لئے ابدی صداقتوں کی حامل تھی آپؐ نے ہر موقع پر آنحضرتؐ کے لئے ایثار نفس کیا۔

دین و دانش کی ہر آزمائش میں آپ پورے اترے حسن اور نشاط کے ساتھ، اور بڑی بڑی نفسیاتی اور سیاسی آزمائشوں سے صامت کو نکالا اور اس کی فکری اور عملی قیادت کی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دن آنحضرتؐ نے اس امر کا اعلان کیا کہ رات میں آپ کو مسجد حرام دکھنے سے مسجد الاقصیٰ تک لے جایا گیا تو ایک طرف اہل قریش نے آپ کی بات کو بیخ جاننے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف خود مسلمان بھی مذہب سے جو رہے تھے کہ اس اعلان کو سچائی پر محمول کریں یا نہ کریں۔ مگر اس موقع پر ایک شخص ایسا بھی موجود تھا جس نے اس خبر کو بغیر کسی تردد، تذبذب اور لیت و لعل کے قبول کر لیا تھا۔ یہ عظیم المرتبت شخص ابو بکرؓ تھا۔

اسی صورت سے حدیث کے معتبر راویوں نے ہم کو یہ بھی بتایا کہ حضرت ابو بکرؓ ہی تنہا وہ شخص تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے بظاہر اہل مکہ سے وہ رعایت بخش صلح کرنے پر جو صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم ہے، اطمینان کا اظہار کیا تھا اور جس وقت کہ تمام لوگ اس صلح کی شرارت سے مضطرب اور بدحواس تھے، بلکہ بیک گو نہ تھکے کا شکار ہو گئے تھے، ایک آپ کی ذات تھی جس نے اسے رضایت بخش اور قابل قبول پایا تھا۔ حد تک تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے حلیل القدر صحابی کو جو آنحضرتؐ سے اس درجہ قریب تھے اور جنہیں آنحضرتؐ اوردوں پر ترجیح دیتے تھے، اس صلح سے سخت تکدر محسوس کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر آنحضرتؐ سے سوال کیا تھا کہ جب مسلمان حق پر ہیں اور مشرکین مکہ حق پر نہیں ہیں تو پھر دین کے معاملہ میں اس مراعات بخشی کے اظہار کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اور مسلمانوں نے اپنے ظالم حریفوں سے اپنے مفاد کو پس پشت ڈالتے ہوئے صلح کرنا کیوں مناسب سمجھا؟ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کے اس استفسار پر جو دراصل عام مسلمانوں کے جذبات کا ترجمان تھا فرمایا تھا، قدرے ناراضگی کے ساتھ، کہ آپ میں عبودیت کی صفت ہے اور آپ کا اور اللہ کا رشتہ عبد اور معبود یعنی پرستار اور آقا کا ہے اور اللہ کبھی بھی اس امر کی اجازت نہ دے گا کہ اس کا پرستار اعظم اس کی راہ میں ضائع اور برباد ہو جائے۔

اس گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے بھی اس مسئلہ میں اپنا اطمینان کرنا چاہا اور عجیب اتفاق کہ حضرت ابو بکرؓ کو نبی کے جواب سے تو اوردہوا یعنی آپ نے بعینہ وہی الفاظ

فرسے جن کا اصل مفہوم ابھی واضح کیا جا چکا ہے۔ اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ حضرت ابو بکرؓ نے کبھی بھی کوئی ایسی بات زبان سے ادا کی ہو یا کوئی ایسا فعل آپ سے سرزد ہوا ہو جس سے نبی برحقؐ کو اذیت اور آزار پہنچے۔ آپ کی یہ روش اسلام میں آنے کے بعد سے موت تک یعنی اپنے آخری لمحات تک جاری رہی۔ آپ کا مسلمانوں کے لئے ایثار اور ان کی نصرت میں بے دریغ اپنی دولت لگانے کا عمل اس کے علاوہ ہے۔

ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ پیشہ کی رو سے ناجر تھے۔ اسلام لانے وقت آپ کی دولت پالیس ہزار درہم تھی لیکن جس وقت آپ نے ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ کی محبت میں مدینہ کی راہ لی تھی تو آپ کی یہ تمام دولت سمٹ کے پانچ ہزار درہم رہ گئی تھی! ہوا یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنی تمام کی تمام دولت نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کی اعانت کی راہ میں قربان کر دی تھی۔ آپ ہی تھے جس نے سیکڑوں رنجر اور بدستہم رسیدہ مسلمانوں کو جو مشرکین کے غلام کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے تھے اپنی دولت بے دریغ لٹا کے آزاد کرایا تھا۔

پھر یہی نہیں کہ آپ سلم اول تھے آپ اسلام کی ہر آزمائش میں بھی سب سے بہتر طور پر پورے اترتے تھے، ثبات قدم میں آپ کا کوئی مثل اور نظیر نہ تھا۔ یقیناً کامل کی دولت سے آپ سے بڑھ کر کوئی مالامال نہیں ہوا تھا۔

ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام لانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو ایک بالکل ہی نئی زندگی ملی اور آپ کی ذات اور ضمیر میں ایک مکمل انقلاب آ گیا۔ اب سابق ابو بکرؓ صدیق اکبرؓ بن چکے تھے جن کے خمیر میں ایثار و وفا، سکون قلبی و ذہنی، اور عزم و ثبات شامل تھے۔ اب آپ عقل سے زیادہ عشق تھے جہاں جو تماشائے لب بام ہونے کا کوئی امکان ہی نہ رہ گیا تھا اب یہی بے مثل صفات تھیں جن سے متاثر ہو کر آنحضرتؐ نے ہجرت کے تاریخی کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ساتھ لیا تھا۔ اور یقیناً یہی عزم و ایثار، جرأت و شجاعت، حلم و مروت، سلیم الفکری اور کشادہ نظریٰ رسولؐ کی ذات سے دل بستگی اور کفر و شرک کی قوتوں سے کمال بیزاری کی صفات تھیں جن کے صدیق آپ کو ثانی اثین فی انصار کا لقب ملا نہ توڑ میں صرت و شخص تھے۔ آنحضرتؐ اور حضرت ابو بکرؓ اس لئے ظاہر ہے حضرت ابو بکرؓ ثانی اثین، دو میں کے دوسرے ہوئے (مترجم) یہ ذیل کی آیت کے

حوالے ثابت ہے۔

(الْأَتَصْرُوهَ فَقَدْ نَعَرَهُ اللهُ إِذَا أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيًا إِشْنِينَ إِذْ هَمَّا فِي الْغَابِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَخْذِفْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا)

یعنی، مگر تم نے اس کی مدد نہ بھی کی تو کیا ہوا۔ اللہ نے اس کی اس کھن موقع پر دو سنگری کی جیب (رسول) کو کفار اور منکرین اسلام نے سکر سے نکلنے پر مجبور کیا اور جب یہ نوبت پہنچ چکی تھی کہ نبی کو ایک غاریں پناہ یعنی پڑی تھی جس میں اس نے (رسول) اپنے دوسرے ساتھی کو یہ کہہ کر: "مبارک بندھا لی تھی کہ ڈر نہ آئے" اپنے دوسرے ساتھی سے کہتا ہے۔

بعض کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کو ثالثِ ثلاثہ یعنی تین کے گروہ کا تیسرا فرد اول دو، خدائے تعالیٰ اور رسالتاوت ہوئے) بھی کہا جاسکتا ہے اس لئے کہ (إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا) سے یہ تو واضح رہا ہے کہ خدایا بھی وہاں تھا جہاں انسانی تاریخ کے یہ دو جلیل القدر قائد سعادت گزین ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ کی تادیب اور تربیت اور آپ کی شخصیت کے ارتقا میں خود قرآن نے دلچسپی لی تھی تو ان ہی نے آپ کو ہمیشہ بنیادی اور اساسی چیزوں کی طرف متوجہ ہونے اور غیر اہم باتوں سے محترز رہنے کی تعلیم دی تھی۔ قرآن ہی نے آپ میں یہ جذبہ بیدار کر دیا تھا کہ اگر چند مصائب کا سامنا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور ضمناً دوسرے انسانوں سے نیکی بھی ہو جاتی ہے تو خواہ مصائب کتنے ہی الم انگیز اور طبعیت پر ناگوار۔ اور دشمنی زوکتوں کے لئے صبر آزما ہوں، انہیں جھیلنا چاہیے۔ واقعہ انک ایسی تہمت حضرت عائشہؓ کے قضیہ میں یہ بات بالکل واضح ہو گئی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے نفس کو قطعاً اللہ اور رسول کی خوشنودی کے تابع بنا دیا تھا اس سلسلہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک صاحب نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کی تھی اور وہ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ کے قرابت داروں میں بھی تھے۔ اور آپ وقتاً فوقتاً ان سے حسن سلوک فرمایا کرتے تھے۔ تہمت کے بعد محشیت باپ کے حضرت ابوبکرؓ شدید رنج و ناثرہ میں مبتلا ہوئے اور یہ چاہا کہ احسان اور منت کا ہاتھ کھینچ لیں اور اس تہمت تراش کو یوں تھوڑی سی تکلیف پہنچائیں۔ لیکن سودہؓ نور میں انک کے واقعہ کے ذکر کے ساتھ یہ آیت بھی آتی۔

الرُّؤْيَا تَلُوهُمُ الْفَضْلُ مِنْكُمْ وَالسَّعْيَاتُ أَنْ يَوْمُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. وَيَعْقُوا وَيَمْنَعُوا الْآخِيُونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ
لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ شَرِيفٌ

یعنی تم میں سے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے رزق میں کشادگی عطا فرما رکھی ہے انہیں چلیے کہ وہ اپنے
قربت داروں، غریبوں اور ناداروں اور ان کی خاطر رک و ملن کرنے والوں سے حسن سلوک کرنا نہ چھوڑیں۔ ان لوگوں کو بڑا براہ
زیر دیتا ہے کہ دوسروں کو صحت کر دیں۔ کیا تم لوگ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ جو بخشش کرنے والا اور حد درجہ مہربان
ہے تم کو مغفرت سے نوازے (۱۶)

حدیث کے راویوں نے لکھا ہے کہ اس آیت کو سن کر جس کے اصل منیٰ طلب ابو بکرؓ ہی تھے انھیں
ابو بکرؓ نے فرمایا تھا کہ ہاں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ مجھے مغفرت کی دولت بیدار ملے اور اس کے بعد
ہی آپ نے اس شخص تک کے حق میں جس نے آپ کو غالباً سب سے بڑا ذہنی آزار پہنچایا تھا
اپنی روش بدل دی اور حسن سلوک کا دوبارہ اجراء فرمایا۔

جہاں تک کہ آپ کی رفاقت رسولؐ کا سوال ہے آپ نے کمال صدق و راستی،
نیکی اور شرافت اور خلوص کا ثبوت دیا۔ اب یہ بات باسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرتؐ
کی نگاہوں میں کیوں حضرت ابو بکرؓ کی اتنی منزلت تھی اور آنحضرتؐ نے حضرت عائشہؓ،
اور حضرت حفصہؓ کے یہ کہنے کے باوجود کہ ابو بکرؓ بہت نرم دل ہیں اور ممکن ہے یہ رقت قلبی
اور شدت محبت نبویؐ آنحضرتؐ کے بجائے امامت کے فرائض انجام دیتے وقت اور ہی
رنگ لائے دینی ممکن ہے اس احساس سے کہ آنحضرتؐ بسبب ضعف اب اس قابل نہیں کہ
بنفس نفیس مسلمانوں کو نماز پڑھائیں آپ پر رقت طاری ہو جائے اور مقتدی آپ کی آواز تک نہ سن
سکیں (حضرت ابو بکرؓ ہی کو اس نیابت کے لئے منتخب فرمایا۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ کے
نزدیک حضرت ابو بکرؓ سے بڑھ کر اللہ، رسولؐ اور سلام کے لئے کوئی دوسرا خیر خواہ نہ تھا۔
اور اب یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک دن جب آپ کے مرض میں
کچھ افتادہ ہو رہا تھا، حضرت ابو بکرؓ کو جو نماز پڑھا رہے تھے انھوں نے آپ کی آہٹ پا کے
پہچھے ہٹنا چاہا تھا کیوں نہیں ہٹنے دیا تھا اور اشارہ سے کیوں اپنی جگہ بدستور اپنے فرائض

انجام دینے کا حکم دیا تھا اور خود آپ کے بائیں طرف تشریف فرما ہو گئے تھے۔ تو گویا اب حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کی اقتدا میں اور مسلمان حضرت ابو بکرؓ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے۔

ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کی بات خوب سمجھتے تھے۔ شاید اس لئے بھی کہ ز تو آنحضرتؐ کا کوئی اس حد تک مزاج نہ تھا اور نہ کسی کو آپ کے یہاں وہ تقرب حاصل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ میں یہ صلاحیت تھی کہ آپ آنحضرتؐ کی باتوں کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے ایک دن اپنی تقریر میں ایک جملہ کہا جس کا مطلب یہ تھا اللہ نے اپنے ایک مبعود کو اس امر میں مختار بنایا کہ اگر وہ چاہے تو دنیاوی لذتیں اختیار کرے اور اگر وہ چاہے تو آخرت کی نعمتیں اور ابدی لافانی مسرتیں حاصل کرے اور اس بندہ مبعود نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ اس موقع پر ابو بکرؓ نے صحرا میں ہوتی آواز میں فرمایا تھا کہ اپنی جانیں اور اپنی اولاد تک آپ پر نثار کر کے رکھ دیں گے۔ عام لوگ یہ نہ سمجھ سکے تھے کہ آنحضرتؐ کے ارشاد سے اس اعلان کو کیا ربط ہو سکتا تھا! لیکن ابو بکرؓ پر یہ بات روشن ہو چکی تھی کہ یہ ارشاد گرامی دراصل اشارہ ہے اس بات کا کہ جلد ہی رسالتِ نبیؐ اس دنیا سے پردہ فرما لیں گے۔ اہل بیت کے راوی حضرت بعض احادیث بحیثیت بیان کرتے ہیں اور ان میں اپنے سیاسی اختلافات کی بنا پر کثرت سے اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ اس بات کا مدعی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ سے ان کے بھائی عبدالرحمن بن ابوبکر کو بلا بھیجا تاکہ حضرت ابو بکرؓ کے لئے ایک ایسا فرمان لکھو ادا جائے جس سے بعد میں لوگوں کے لئے رجا نشینی کے موضوع پر اختلاف کی کوئی گنجائش نہ رہ جائے، لیکن اسی گروہ کے قول کے مطابق، بعد میں آپ نے فرمایا نبیؐ نے دو۔ ابو بکرؓ کے باب میں لوگ کوئی اختلاف نہیں کریں گے۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ آنحضرتؐ نے نفس فرمان لکھو ادا چاہا تھا۔ ابو بکرؓ یا عبدالرحمنؓ کے نام نہیں لئے تھے اور جو لوگ اس وقت آنحضرتؐ کی خدمت میں مشرف یا باہر تھے ان میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا۔ بعض کا خیال تھا فرمان لکھو ادا ہے اور بعض اس رائے کے خلاف تھے۔ اسی گروہ نے اس موقع کا حضرت عمرؓ کا معقولہ نقل کیا ہے۔ جو ان کے مطابق کچھ اس قسم کا تھا۔ یہ رسول اللہؐ مسلم پر مرض غلبہ پا چکا ہے اس لئے اس قسم کی کوئی کوشش آپ کے لئے مزید نفاہت کا باعث ہوگی، اور پھر دوسرے قسم کی رہنمائی کے لئے یہاں سے

پاس قرآن تو موجود ہی ہے۔

میں نے کہیں دوسری جگہ اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ میں ان روایات کو مطلقاً مشتبہ سمجھتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ روایات بعد کے سیاسی فرقوں کے وجود میں آنے کے بعد گھڑی گئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کے بارے میں یہ ارادہ فرمایا ہوتا کہ آپ حضرت ابوبکرؓ یا کسی اور کے لئے کسی قسم کی وصیت فرمائیں تو کوئی شخص آپ کو اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ جو بھی ہو، جو امر واقعہ ہے، اور ایک یقینی اور مستند سی حقیقت، وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے نہ ابوبکرؓ کے لئے اور نہ کسی دوسرے کے لئے، وصال کے موقع پر کسی قسم کی وصیت نہیں فرمائی تھی۔ اگر کوئی وصیت موجود ہوتی جسے یقیناً تمام مسلمان جان جاتے تو سقیفہ بنو ساعدہ میں کسی قسم کے اجتماع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور انصار بھی آنحضرتؐ کی وصیت کو ذرا مان لیتے اور کسی قسم کی مخالفت نہ کرتے۔ اور اگر حضرت علیؓ کے حق میں کوئی وصیت موجود ہوتی تو سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ خود حضرت علیؓ کی بیعت میں داخل ہوتے، لیکن وصیت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر تمام مہاجرین و انصار، بجز معدن عبادہ کے متفق ہو چکے تھے سب سے پہلے حضرت علیؓ کم الدرجہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت قبول کی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے، ان دونوں حضرات کے بعد حضرت عثمانؓ نے۔ اور اگر حضرت علیؓ کو اس کا علم اور یقین ہوتا کہ آپ کے حق میں رسالتؐ کی وصیت ہے تو آپ موت کو ترجیح دیتے لیکن اس وصیت کو عملی شکل دینے کے لئے پوری پوری کوشش فرماتے۔

حقیقت یہ ہے، اور میرے نزدیک ہی نظریہ قابل تریجیح ہے، کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعہ کے بعد، جب سے مسلمان آپس میں ٹٹ گئے، مہ راویوں نے خود اپنے ساتھ اور اسامت کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ ان میں سے اکثر نے روایت کے بیان کرنے میں سچائی سے باطل

کھا۔ اس امر پر زبرد کی کم سنی۔ اللہ دین کے حالات کے انتہائی نازک اور سنگین پوجانے کے سبب آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ایک بہت بڑی جماعت صحابہؓ اس بات کے خلاف تھی کہ لوٹ کر اسلام شام کی طرف روانہ ہو لیکن حضرت ابوبکرؓ نے تمام مسلمانوں اور شیعوں کو مدکر لے کر ہمہ شخص اس بنا پر ریشہ رکان کیا کہ اس سلسلے میں نبی اکرمؐ کے ہمنام اہل کلمہ موجود تھے، اس سے فاصلہ رکھنے کی تائید مقصود ہے اور یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرتؐ کی کسی مشد کے خلاف کسی حال میں کسی حدت میں نہ جاسکتے تھے۔ (مترجم)

کام نہیں لیا۔ ان لوگوں نے کچھ اس قسم کے تصورات اپنے ذہن میں قائم کئے کہ مزاجی اور نفسیاتی اعتبار سے گویا اکبرؓ کی وفیات کے فورا ہی بعد کے مسلمان، انہیں کے زلنے کے لوگوں کی طرح کے رہے ہوں گے۔ قدیم تاریخ اور متکلمین کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آگے چل کر مسلمانوں میں حضرت ابوبکرؓ کی بعیت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوا، بے شک دوسرے امور میں بھی مسلمانوں میں شدید اختلافات رونما ہوئے۔ لیکن اس مسئلہ کا جہاں تک تعلق ہے، یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ سے متعلق مسئلہ کا یہاں مناظرہ اور بحث میں بہت کھل کھیل گیا۔ چنانچہ معتقدین حضرت ابوبکرؓ اس کے قائل ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ افضل المسلمین ہیں اور نبیؐ کی خلافت کا حق یوں بھی سب سے زیادہ آپ ہی کو پہنچتا تھا۔ اس ضمن میں بعض ایسی دلیل پیش کی جاتی ہیں جن سے بڑے نصیح آتی ہے۔ اسی طرح متکلمین میں وہ لوگ جو حضرت علیؓ کے باب میں مکلف اور غلو سے کام لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر معتقدین ابوبکرؓ کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ مردوں میں پہلے شخص ہیں جسے اسلام کی توفیق عطا ہوئی۔ ان کے مخالف اس سے انکار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سلام میں پہلے مسلمان ہیں۔

ابوبکرؓ کی گروہ متکلمین اعلان کرتا ہے کہ حضرت علیؓ اسلام لاتے وقت محض بچہ تھے اس لئے مکلف نہ تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کبر سن کے زیادہ میں اسلام سے مشرف ہوئے اور عمر آدمی اور بچہ کے اسلام کا فرق ظاہر ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کے سن کے بارے میں بھی اختلاف رونما ہوتا ہے۔ ابوبکرؓ کی گروہ متکلمین دھم دھم کہتا ہے کہ نبیؐ کی نبوت کے موقع پر حضرت علیؓ کی عمر محض نو سال تھی اور بعض لوگ تو عنلا اور خصوصاً کافر ہونے کے یہ تک کہتے ہیں کہ اس وقت (نبوت کی ابتدا کے وقت) آپ محض چھ سال کے تھے۔

ظاہر ہے یہ زیادتی ہے۔ ہجرت کے موقع پر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں اس مصدق کے پیش نظر رک جانے کی ہدایت کی تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جمع شدہ لوگوں کی امانتوں کو لوٹادیں۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ آپ کے بستر پر اپنی چادر اوڑھ کر سوجائیں تاکہ جو لوگ آپ کے قتل کرنے کی نیت سے آپ کے گھر کا محاصرہ

کئے ہوئے تھے اہمیں یہ خیال رہے کہ آپ مستقل جو خواب ہیں۔ لیکن جب صبح ہوئی تو ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ سونے والی شخصیت حضرت علیؓ کی تھی۔

ہجرت کے بعد ہی بدر کا معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں حضرت علیؓ کی آزمائش ہوئی جس میں وہ پورے طور پر پورے اترے سانس سے یہ بات ہویدہ ہے کہ نبوت کے وقت آپؐ لو کہیں کی حدود سے نکل کے جوانی کے دورِ اول میں داخل ہو چکے تھے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ہجرت کے موقع پر جب آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں لوگوں کی امانتیں واپس کرنے کے مقصد سے رک جانے کا حکم دیا تھا اس وقت حضرت علیؓ کی عمر بیس سال سے زائد رہی ہوگی۔ یہ بہر حال طے ہے کہ ادھیڑ عمر والوں میں حضرت ابو بکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔ اب اس بات کے پیش نظر، کہ حضرت ابو بکرؓ زیادہ سے زیادہ یہ کہ آنحضرتؐ کے ہم قبیلہ تھے اور ان کا آپؐ کے کسی قسم کی قرابت کا رشتہ اس وقت تک دو قائم ہوا تھا اس لحاظ سے بہت بڑی فضیلت کے حامل قرار پاتے ہیں کہ اس کے باوجود آپؐ نے اسلام لانے میں سب پر سبقت حاصل کی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔

حضرت علیؓ، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، آنحضرتؐ کے پرورش یافتہ اور پروردہ تھے اور آنحضرتؐ کے ساتھ ہی رہتے بھی تھے اس لئے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا ابو طالب سے ان کا بازگفل کرنے کی غرض سے، آپؐ کو اپنی کفالت میں قبول فرمایا تھا۔ اس لئے یہ بھی تسلیم کرنے میں غدر نہ ہونا چاہیے کہ اپنے لو کہیں کے آخری اور شباب کے بالکل ابتدائی دور میں حضرت علیؓ نے اسلام قبول کرنے میں دوسروں پر سبقت حاصل کی۔

دونوں زعماء اور آدمکھ نے (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ) نے اسلام کی جانب سبقت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں، ایک نے حضرت ابو بکرؓ نے خالص قرب اور تقرب الی اللہ اور آنحضرتؐ کی زندگی کے گہرے مشاہدے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا اور دوسرے نے یعنی حضرت علیؓ نے اس وقت جبکہ آنحضرتؐ نے اپنے اقربا کے سامنے بھی دعوت پیش کی تھی، سب سے پہلے اس دعوت پر لبیک کہا تھا۔ لیکن مختلف فرقوں کی عداوتیں اور خصوصاً یہیں ختم نہیں ہو جاتیں۔ اس جہم کے پیش نظر آنحضرتؐ سے بے شمار، اور بیچ و بیچ احادیث بھی روایت

کی جاتی ہیں جن کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو حضرت علیؓ پر یا اس کے برخلاف حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ پر ترجیح دی جا سکے مثلاً شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے وصی تھے، اس نظر پر کے مخالف گروہ کا خیال ہے کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ ہی کے حق میں وصیت فرمائی چاہی تھی پھر اس اطمینان کے بعد کہ مسلمان ان کے باب میں اختلاف کا شکار نہ ہوں گے۔ آپ نے اس خیال کو ترک کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی احادیث روایت ہوتی ہیں اور اس سلسلہ میں طبقات ابن سعد دیکھی جا سکتی ہے، جن کا اباباب یہ ہے کہ مثلاً حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ سے اپنے خواب بیان فرمائے۔

”میں نے خواب دیکھا ہے کہ جیسے میں غلامتوں کو کھلتا اور روندتا ہوا چلا جا رہا ہوں، یا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سینہ پر دو سیاہ داغ ہیں۔ یا مثلاً میرے کُور ایک کینی چاڑ ہے!“

پھر آنحضرتؐ سے ان خوابوں کی تعبیریں دیا جانا منسوب ہے۔ غلامتوں کے انبار کو روند کے چلنے کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کے حاکم بنائے جاؤ گے، وہ سینے کے دو داغ اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تمہارا دور دو سال کے لئے ہوگا یعنی چار اس بات کی بشارت ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جو بے حد عالم ہوگا۔ ظاہر ہے یہ احادیث مختلف زدہ ہیں۔ ایسے ہی کچھ اور بھی خواب ہیں جو آنحضرتؐ سے منسوب ہیں اور جن کی تعبیریں حضرت ابو بکرؓ سے منسوب ہیں۔ ان خوابوں کے متعلق ابن سعد نے اپنی طبقات میں روایت بیان کی ہے۔ گویا نبی کریمؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تھا:

”ابو بکرؓ میں نے خواب دیکھا ہے جیسے میں اد تم کسی بالائی منزل پر چڑھ رہے ہیں اور میں تم سے اڑھائی ذینے آگے بڑھ گیا ہوں“

حضرت ابو بکرؓ کا تعبیری جواب یہ ہوتا ہے۔

”صدا چھا خواب ہے یہ، رسول اللہ۔ اللہ آپ کو قائم اور مسرور اور مطمئن رکھے، لیکن آنحضرتؐ نے اپنا خواب دوبارہ مزید بیان کیا۔ خواب کو تعبیری بار سننے پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا: رسول اللہ۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ آپ کو اپنی رحمت اور بخشائش کے جہان

میں وہاں بلا بیٹھے گا اور میں آپ کے بعد از حاتی برس زندہ رہوں گا۔

کیا خوب۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ تو معلوم تھا کہ ان کا انتقال کب ہوگا اور وہ بھی آنحضرتؐ کے دصال کے کتنے دنوں بعد! لیکن اپنے مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو نماز دکر تے وقت نہیں یہ خوف تھا کہ مبادا استخلاف کے دوران ہی ان کی روح پرواز کر جائے۔ اسی طرح جب آپ کو موت قریب آتی دکھائی دی تو آپ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے وہ مال دولت واپس منگوا بھیجا تو آپ نے انہیں دیا تھا تاکہ آپ اس مال کو باضابطہ اپنی میراث میں شامل کر دیں۔ اس بات کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی موت کے صحیح تعیین پر سرگرم ہو کر قادر نہ تھے اس لئے یہ روایات مستند نہیں معلوم ہوتیں۔ (مترجم)

مجھے یقین ہے یہ سب کی سب روایات جسے بعد میں تراش لیا گیا ہے، اتنی ہی ضعیف ہیں جتنی مثلاً یہ روایت کہ آنحضرتؐ نے پہلے چاہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے وصیت فرما جائیں لیکن بعد میں لوگوں کے آئندہ رد عمل و درباب ابوبکرؓ سے مطمئن ہونے کے اس ارادہ سے اعراض فرمایا۔

جو بات قطعی طور پر ثابت ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں امر خلافت یا اس کی وراثت کے بارے میں کوئی نص قطعی موجود نہیں ہے۔ دراصل آنحضرتؐ کی کسی وراثت اور جانشینی سے متعلق وصیت پر پورا دل کا اجماع نہیں ہوا۔ اور اگر آپ کوئی وصیت فرما جاتے تو آپ کی وصیت سے مہاجرین اور انصار میں کوئی ایک شخص بھی اعراض نہ کرتا۔

ابوبکرؓ کی فضیلت اور افضلیت اس درجہ واضح تھا چیز ہے کہ اس کے لئے قطعاً اس تمام آورد اور روایت سازی کی ضرورت نہ تھی۔ اس میں حضرت علیؓ کا مقام اس سے کہیں بلند تھا کہ ان کے لئے یہ سب پارہیلیے جاتے۔ وہ حضرت علیؓ (آنحضرتؐ کے چچا کے بیٹے، آپ کے داماد اور جن ابوسعیدؓ، ابوساہلؓ، پیغمبر کے والد ہیں) سلاک کی خاطر حضرت علیؓ نے جو مصائب برداشت کئے ہیں اور جن جن آزمائشوں سے گزرے ہیں ان کے بارے میں کسی مسلمان کو شک نہیں۔ اسی طرح آنحضرتؐ کو آپ سے جو محبت تھی اس کا آپ نے بار بار اعلان بھی فرمایا۔ تو مقام علیؓ کے تعین کے لئے مزید اختراع احادیث کی مہم کی کیا ضرورت پیش آئی؟ مثلاً وہی حضرت عباسؓ والی حدیث کو ایسے جس میں یہ ہے کہ گویا حضرت عباسؓ نے آنحضرتؐ کے چہرہ اقدس پر موت کے آثار دیکھ لئے تھے اور بنی عبدالمطلب میں جب کسی

کے ساتھ یہ حادثہ پیش آنے کہ ہوتا تو حضرت عباسؓ پہچان جاتے تھے کہ یہ بس اب سعد خاندان کی تفسیل یہ ہے کہ حضرت علیؓ جب ایک دن آنحضرتؐ کو دیکھ کے بیت نبویؐ سے باہر آئے تو لوگوں کے پوچھنے پر آپ نے آنحضرتؐ کی حالت کو قابلِ اطمینان بتایا۔ اسی موقع پر حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کا لائقہ تمام اور کہا کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ تین دن اور گزرنے پر تم جبر و جود کا شکار ہو جاؤ گے اور میرا خیال یہ ہے کہ آنحضرتؐ اس موجودہ تکلیف سے جانبر نہ ہو سکیں گے۔ مجھے اپنے خاندان (یعنی عبدالمطلب) کے لوگوں کے بارے میں یہ احساس ہو جاتا ہے کہ وہ کس وقت اور کس مرض میں قریب المرگ ہو جایا کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم حضورؐ کے پاس جا کے یہ معاملہ واضح کر لو کہ آپ کے بعد امانت اور ریاست کس کے تصرف میں ہوگی۔ تاکہ ہم لوگ کم از کم یہ جان جائیں کہ ریاست ہم سے متعلق ہوگی یا کسی دوسرے خاندان کے فرو سے۔ روایت کے متعلق حضرت علیؓ نے فرمایا۔ واللہ اگر ہم لے پوچھنے پر آنحضرتؐ نے ہمیں امارت سے محروم رکھا تو پھر لوگ ہمیں قیامت تک میر نہیں بننے دیں گے۔

میں تو ایسا سوال ہرگز نہ کرنا نہیں کروں گا۔

زیادہ تعجب الخیز یہ ہے کہ خود طبری نے دو طریقوں سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ظاہر روایت بیان کرتے وقت اس میں کے آورد۔ اور تصنیف کی پروا نہیں کی۔

اس روایت کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیلیوں میں یہ بات واضح ہو سکے کہ حضرت علیؓ کو خود بھی اس کا علم نہ تھا کہ وہ نبی اکرمؐ کے وصی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ اس کے متوقع تھے کہ ایک دن ایک دن خلافت ان کے سپرد ہو جائے گی۔ پھر حضرت علیؓ نے اس روایت کی آدھ سے یہ عرف تھا کہ اگر ان کے پوچھنے پر آنحضرتؐ نے یہ فرما دیا کہ خلافت بنی ہاشم کے خاندان میں نہیں رہے گی تو شاید پھر امت کبھی بھی بنی ہاشم کے لئے خلافت کا مستحق اور حقدار بننا پسند نہ کرے۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ ذاتی طور پر اس سے بہت بلند تھے کہ اس قسم کی بات کرتے اور خصوصاً رسول اللہؐ سے شدید محبت کرنے کی بنا پر تو وہ یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ اس روایت میں اگر کوئی حصہ درست اور قرین قیاس ہو سکتا ہے تو یہ کہ حضرت علیؓ کو اس بات کا احساس تھا کہ آنحضرتؐ اپنی بیماری میں مبتلا ہیں اور اس عالم میں بھی امت کے بارے میں فکر مند اور مشغول تدبیر ہیں۔ لہذا انھوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ آنحضرتؐ پر مزید لکریاں

ڈالیں پھر یہ امر صحیح آپ کے لئے یعنی حضرت علیؓ کے لئے دامن گیر ہوا ہوگا کہ آنحضرتؐ کی نگاہوں میں اس درجہ محترم اور موقر ہو چکنے کے بعد آپ کے سامنے ایک جاہ طلب اور اقتدار خواہ بن کے جائیں۔

حضرت علیؓ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ نے آپ سے کتنی محبت کی تھی، آپ سے کتنا سلوک کیا تھا اور آپ کی خدماتِ اسلام کی کتنی قدر کی تھی۔ حضرت علیؓ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ اگر آنحضرتؐ نے

یہ طے کر لیا ہوگا کہ کسی کے لئے وصیت اور ہدایت فرما جائیں تو کوئی قوت آپ کو ایسا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی اور اگر آپ کی نیت اس بات کی نہ ہوگی تو کوئی آپ کو اس امر پر آمادہ بھی نہ کر

سکے گا۔ اور چونکہ نبی اکرمؐ ہمیشہ حکامِ مساوی کے مطابق لُفٹ فرما رہتے تھے اس لئے اگر وصیت کے بارے میں کوئی ایسی اٹھاکا ہوئے تو بغیر کسی کے پوچھے یا جاہے ہوئے آپ ضرور یا لُفٹ دیا یا اس باب میں کوئی امر صحیح فرما

فرما جاتے۔ راویوں نے ایک اور قصہ بھی گھر دیا ہے۔ میں اسے بھی بے بنیاد جانتا ہوں۔ قصہ کہ خلاصہ یہ ہے کہ جب ابوسفیانؓ کو اس بات کا احساس ملا کہ وصیت کا معاملہ حضرت ابو بکرؓ کے لئے طبعی ہوگا جا رہا ہے اور اب

ان کے صاحبِ امر ہونے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہ گئی تو ابوسفیانؓ پر دو درجہ اہلیت کی اعصیت یعنی قبیلہ پرستی غالب آئی۔ اس لئے کہ یہ بات بالکل واضح تھی کہ حضرت ابو بکرؓ نہ بنیں عبد مناف میں تھے نہ بنی نعلی

میں، بلکہ حضرت بنی تمیم میں سے تھے چنانچہ ابوسفیانؓ کہنے اور ترہنے لگے اور کہا کہ اگر میں نے جاہلوں میں ابو بکرؓ کے خلاف طہ مساروں کی ایک پوری فوج اکٹھی کر دوں گا، یا ہر مثلہ عبد مناف کی اولاد کو مہر گئی؟ اس

ردایت کی دوسے ابوسفیانؓ نے بعد میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو بھی انہیں جذبات سے متاثر کرنا چاہا اور انہیں اس موقع پر خلافت کے خلاف اکسا دیا۔ اس قصہ میں بھی ہے کہ ابوسفیانؓ نے گویا

عرب قاعدے کے مطابق، اپنی بات کو زیادہ موثر بنانے کے لئے چند مشہور مشعر بھی پڑھے تھے جن کا مطلب اور مفہوم یہ ہے :

ظلم تم کے موقع پر پس دردی کام آنے والے تھے اور سردست دونوں کے دونوں مجروح اور مضطرب حالت میں ہیں۔

قصہ یہیں نہیں ختم ہوتا۔ اس کی دوسے ابوسفیانؓ حضرت علیؓ سے بیعت کرنی چاہتے ہیں مگر حضرت علیؓ یہ کہہ کر اس بیعت کو قبول نہیں کرتے کہ تم نے ہمیشہ اسلام کا بسا چاہا اور کبھی اس کی مدد نہ

کی۔ اس کے بعد حضرت علیؓ نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

ابوسفیان نے اگرت بات کہی ہوتی یا حضرت علیؓ کو یہ دعوت دی ہوتی تو جس صورت سے ہمارے راویوں کو اس کا علم ہو گیا۔ شیخینؒ کو بھی علم ہو گیا ہوتا اور وہ یقیناً ابوسفیان کو اس دعوت والے فرقہ پر تہمت لگتی کرتے یہ سب کچھ ایک کہانی سے زیادہ حقیقت ہیں رکھتا۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ راویوں نے یہ روایت بنی عباس کو خوش کرنے اور بنی امیہ کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی تھی۔ اس قسم کی روایتوں کی تعداد بہت کم ہے۔ بعض راویوں نے اس قصہ میں کچھ ایسے اضافے فرمائے ہیں کہ اس کا غیر مستند ہونا یقینی سا ہو جاتا ہے۔ اضافہ یہ ہے کہ پہلے تو ابوسفیان نے حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت میں بہت غلو اختیار کیا لیکن جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کے بیٹے کو ولایت بخش دی ہے تو ابوسفیان صلہ رحمی کا خیال کر کے چپ ہو بیٹھے۔ خلافت کے بارے میں متعصب راوی بہت کھل کھیلے ہیں اور محض سیاسی جماعتوں کے مفاد کے لئے اس باب میں بہت جھوٹے بیج کہا گیا ہے اور پھر مژدعل نے یہ روایتیں نیز کسی تحقیق اور پیمانہ میں بیان کر دی ہیں۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسائل گڈ مڈ ہو گئے اور ان کے سمجھنے اور ان کی تلیل کرنے میں مختلف لوگوں نے مختلف راہیں اختیار کر لیں۔

جو چیز میرے نزدیک لائق اعتبار ہے بلکہ تقریباً یقینی سی وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ، حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ منتخب کئے جاتے وقت رسالت مآبؐ کی تجویز و تکلیف میں منہ یک تھے اور راویوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انصار نے جب آنحضرتؐ کی وفات کی خبر سنی اور ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ کی تقریر بھی جس کے ضمن میں آپؐ نے قرآن کی بعض آیات تلاوت فرمائیں۔ مثلاً محض محمدؐ کو چننے والوں کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ محمدؐ تو وفات پا چکے ہیں لیکن جراثیم کو پوجنا ہے اسے جاننا چاہیے کہ اللہ قائم اور زندہ ہے جسے کبھی بھی موت نہیں آسکتی جس سے آنحضرتؐ کی وفات کے بارے میں شک میں مبتلا ہونے والوں پر بات واضح ہو گئی، میں نے ابھی کہا کہ انصار نے جب یہ سب کچھ سنا تو وہ بنی ساعدہ میں جو مدینہ کے وسیع مکان کا بیرونی حصہ تھا۔ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں انصار نے آپس میں مشورہ کیا اس مشورہ میں یہ ٹھہری کہ چونکہ انصار مدینہ کے اصل رہنے والے ہیں اور ہاجرین، مدینہ میں باہر سے آئے ہیں اور ان میں اب کوئی صاحبِ نبی بھی موجود نہیں، تو اب انصار ہی کو یہ حق پہنچتا ہے، نہ کہ ہاجرین کو کہ وہ نبیؐ کے بعد اقتدار اعلیٰ استعمال لیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے قبیلہ خزرج سے مدینہ عبادہ کا نام پیش کیا تاکہ

ان کی بیعت قبول کرتی جانے۔ یہ بات حضرت عمرؓ کو معلوم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو فورا ہی آنحضرتؐ کے مکان مقدس پر بلا بھیجا حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے آدمی سے کہا ابھیجا کہ وہ صرف وہیں لیکن حضرت عمرؓ نے دوبارہ اپنے آدمی کو بھیجا اور اب کے یہ پیغام بھیجا کہ ایک ایسا معاملہ آٹھ کھڑا ہوا ہے کہ ان کا (ابوبکرؓ کا) آنا ناگزیر ہے۔ آخر حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور انصار کے ارادوں سے واقعہ ہوجانے کے بعد حضرت عمرؓ کے ساتھ خود انصار کے پاس تشریف لے گئے۔ راستے میں ان دونوں بزرگوں کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ مل گئے اور وہ بھی آپ دونوں کے ساتھ ہولے لے اور جس وقت یہ تینوں (سلام) کے فرزند ان گرامی (انصار کے پاس پہنچے تو لوگ تقریباً طے کر چکے تھے کہ سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت ہو جائیں۔ ان حضرات نے انصار سے اس امر میں پہلے تو گفتگو کی، پھر باضابطہ بحث کی اور آخر میں ابوبکرؓ نے انصار کو قائل کر دیا کہ قریش سے تعلق رکھنے والے مہاجرین آنحضرتؐ کے ہم قبیلہ اور قرابت دار ہیں اور وہ نبی کے اقتدار اور آپ کی سطوت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت قبول کی۔ یعنی آپ کو آنحضرتؐ کے بعد امت کا سرکار مان لیا اور جس وقت انصار ہی کے ایک شخص نے اپنی برادری کو یاد دلایا کہ آخر انھوں نے کوئی دنیاوی شوکت و جلال کی خاطر قرآنحضرتؐ کو گروہ منافیت پیش کیا نہ تھا اور یہ کہ انھوں نے درحقیقت اللہ عزوجل کی خوشنودی کے لئے آنحضرتؐ کی نصرت و اعانت کا ابدی اور لافانی شرف حاصل کیا تھا تو انصار نے یک لغت اور بطور دستہ جمعی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

یوں اردان عجیب و غریب حالات میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا آغاز ہو گیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اس وقت آنحضرتؐ کی تجسیم مکلفین کے سلسلہ میں گئے ہوئے تھے۔ بہر حال یہ سب کچھ اسی ایک دن میں ہو گیا، جس دن آنحضرتؐ کا وصال ہوا تھا۔

اس سلسلہ میں رادیوں نے ایک طرف حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ و حضرت ابو عبیدہؓ کے درمیان اور دوسری طرف انصار میں اوس اندر خورج کے مابین جس جس قسم کے سوال و جواب کا ذکر کیا ہے اور جو عباراتیں اس باب میں تصنیف کی ہیں مجھے وہ سب غیر اطمینان بخش معلوم ہوتی

ہیں اور سب ناقابل اعتبار! ہمارے ان راویوں کا انداز روایت کچھ ایک ایسے شخص کا انداز روایت معلوم ہوتا ہے جس نے جو یا اس موقع قوم کو جو جمع ہوتے دیکھا تھا۔ ان کے مجمع میں شریک ہوا تھا یا ساری باتیں اور تقریریں سنی تھیں۔ اور محض نسنے پر ہی اکتفا نہ کیا تھا۔ ان سب گفتگوؤں کے لیے یہ احتیاط بھی برتی تھی کہ وہ حرف بہ حرف ضبط تحریر میں آجائیں۔ اور ہو سکے تو مقررین کے انداز ہلے بیان اور ان کے حرکات و سکنات تک مصور کر دیئے جائیں۔ بس اتنی ہی کسر رہ گئی تھی کہ آوازوں کے نشیب و فراز نہیں ریکارڈ ہو سکے، لیکن عجیب بات کہ یہ قیل و قال اور حرف و حکایت سب بعد میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ خلفار راشدین کے ذور مبارک کے اختتام اور ابنی امیہ کے دور کے آغاز پر۔ پھر بڑے عجیب و سخن ملازی اور گفتگو و تقریر کی باتیں ہمارے قصہ گو یوں اور مورخوں تک کوئی کتابی شکل میں بھی نہیں پہنچیں، بلکہ یہ چیزیں سینہ بہ سینہ آئیں۔ پھر ظاہر ہے اس میں قوتِ حافظہ نے بھی اپنا معروف پارٹ ادا کیا ہوگا۔ بعض چیزیں یقیناً ترتیب و ضمنی کے لحاظ سے بدلی بھی گئی ہوں گی۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ سیاسی مصلحتوں نے اس میں مزید گلکاریاں کی ہیں گی۔ مثلاً راویوں نے یہ خیال کیا کہ اوس کے قبیلہ نے پہلے آپس میں مشورہ کیا۔ اس موقع پر کسی نے کہا "دیکھو اگر یہ خزر جی قبیلہ خزر ج کے لوگ، تمہارے حاکم بن بیٹھے اور آخر یہ سعد بن عبادہ لاکھ انصار کے طبقہ سے سہی اصولاً تو خزر جی ہیں، تو پھر تم لوگوں پر انہیں قیامت تک برتری حاصل رہے گی۔ اس کے بعد اوس والوں نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ حضرت ابو بکرؓ کی امامت و زعامت قبول کر لیں تاکہ کم از کم ان کے ہم چشم اور پانے رقیب خزر جی تو ان پر تسلط نہ ہو سکیں! جہاں تک ہم انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اس کے دور کے عام مسلمانوں کی یہ قوت ادا ان کے مفوض کرداروں کو سمجھ سکے ہیں۔ ہم یہ کہنے پر مجبور نہیں، اور واقعات ہمارے ساتھ دیتے ہیں کہ اسلام میں عربوں نے ان کریموں کو دینا ہی بدل دی تھی دل و نظر کی، اب نہ لوگوں میں دوشک و حسد کا جذبہ تھا نہ بغض و عداوت کے شرارے۔ اسلام آیا تو سارے کے سارے جاہلی کہنے یکسر نیست و نابود ہو گئے تو پھر آخر یہ کیسے قرن قیاس ہو سکتا ہے کہ سردار کے اٹھتے ہی (دراں) رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ عین اسی دن جس دن امت کے سر سے اس کا سایہ عاطفت ہٹتا ہے و فقہ سارے کہنے ہاری

عدالتیں اور سارے بغض عمود کرائے تھے۔ جیسا کہ یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ان ایوانوں میں ہمت سے وہ غلام بھی تھے جنہیں جبراً و قہراً اسلام کے معاشرہ میں داخل ہونا پڑا تھا اور جن کے دلوں میں ابھی اسلام کے خلاف نفرت اور عناد کے جذبات موجود تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے شہر فسخ کر لئے گئے تھے جن سے اقتدار چھین گیا تھا اور جنہیں بنو امیہ کے دور میں اپنے ہمپڑوں سے بھی محروم ہونا پڑا تھا۔ پھر جب نمود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت سہتانا افتراء سے باز نہیں رہا گیا تو آپ کے اصحابؓ کیسے محفوظ رہ سکتے۔ میری سمجھ میں سفینہ بنو ساعدہ کے قضیہ میں حقیقت صرف اتنی ہے، موزوں کی بجائی ہوئی بات سے بہت زیادہ جلد سمجھ میں آجانے والی۔

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد انصاریؓ کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ جب آنحضرتؐ کے فدا بعد مہاجر اہل قریش آپ کے جانشین اور خلیفہ ہوں گے تو ہمت ممکن ہے یہ بات ایک روایت سی بن جاوے اور امارت اور امامت انہیں کے لئے محفوظ رہ جائے، تو ہو گا یہ کہ جب تک اللہ سے ڈرنے والے اور صالح قسم کے لوگ جنہوں نے آنحضرتؐ کی صحبتیں اٹھائی ہیں خلافت کا بار سنبھالنے رہیں گے ہمارا حق پامال نہ ہو گا لیکن جب یہ برگزیدہ اصحاب امارت کی مجلس سے اٹھ جائیں گے تو ممکن ہے ان کے جانشین (جنہیں قریش ہی میں سے منتخب کیا جائے گا) ہم پر ظلم و جور کریں۔ انہیں خدشات کے پیش نظر انصاریؓ کے گروہ نے آئندہ کے لئے کچھ احتیاطیں برتنی چاہیں لیکن جیسے انہیں بھی اس امر کا احساس ہو گیا تھا، حضرت ابو بکرؓ کے ان کے آنے سے پہلے ہی۔ کہ انصار ان کی امارت اور حکومت کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اب ان بزرگوں نے یہ سوچا کہ مہاجرین سے یہ کہیں کہ امارت کو دونوں گروہوں میں، مہاجرین اور انصار میں راجاز روئے قبیلہ یا نسب یا رادایا نہیں بلکہ اسلام سے متعلق دو مختلف نوع کی خدمات کی بنیاد پر ایک دوسرے سے ممتاز اور مشخص تھے۔ مترجم برابر برابر بانٹ لیا جائے ایک امیر انصار کی جانب سے ہو ایک مہاجرین کی جانب سے، تاکہ اگر ان میں سے کوئی اسلامی نقطہ نگاہ سے اعتدال کا دامن چھوڑے تو دوسرا اسے ٹوک دے اور یوں حکومت میں توازن قائم رہے۔

حضرت عمرؓ نے انصاریہ کی اس پیش کش کے جواب میں کہا تھا کہ یہ غیر ممکن ہے کہ ایک رستی سے دو اونٹ باندھ دے جائیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ جواب صحیح اور مناسب تھا۔ اور اگر کہیں انصار کی بات مان لی جاتی تو امور حکومت قطعاً درہم برہم ہو جاتے۔ پھر دونوں امیروں اور حاکموں میں اختلاف اٹھے کے پیدا ہونے کے بعد تو مسلمانوں کی زندگیاں پر آشوب ہو جاتیں اور ممکن تھا کہ عداوتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا اور فرت جگمگ جہاں تک پہنچ جاتی۔

جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں جلیل القدر زعماء اور وزراء پیغمبرؐ انصار کو صحیح اہمے پر لانے میں یکساں کامیاب ہو گئے۔ اور سقیفہ سے جہاں امت نے ایک تاریخی اور محرکہ آزاد اور عاقلانہ فیصلہ کیا، اس وقت تک نہیں واپس ہونے کی جیب تک کہ خود انصار نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں قبول کی۔ سوچنے کی بات ہے اگر انصاریہ اقتدار اور حکومت کے فی نفسہ خواہاں ہوتے اور شریک حکم ہونے کے ایسے ہی خواہشمند، تو حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے رفقاء یعنی حضرت عمرؓ (حضرت ابو عبیدہؓ) چند گھنٹوں میں ان لوگوں کو کیسے قابل اور مطیع کر لیتے!

راوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے جنہیں انصاریہ نے خلافت کے لئے اکسایا تھا، حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ نہ تو عام مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے، نہ جمعہ کے اجتماع میں آتے تھے اور نہ عام مسلمانوں کے ساتھ فریضہ حج ادا کرتے تھے! لیکن ان روایتوں کے برخلاف وہ سرری روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے بھی تمام لوگوں کی طرح حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔ اس تمام مباحثہ میں بات صرف اتنی ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے بیعت میں کچھ دیر ضرور لگائی تھی۔ اس کے اسباب ہیں ایک تو سعد بیمار تھے اور دوسرے کبھی کبھی انہیں وہ انصار کا اولیٰ اول خلافت کے عہدہ جلیلہ کے لئے انہیں آمادہ کرنا یاد آتا تھا اور اس یاد سے وہ ایک تلخی اور پے مروی کا احساس کرتے تھے، اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کی گفتگوؤں کے بعد انصاریہ نے پھر سعد کی طرف بالکل رجوع نہ کی تھی۔ سعد یہ سوچتے تھے تو انہیں دکھ ہوا تھا جو بالکل فطری اور طبعی بات تھی۔

جو راوی اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت قبول کی تھی انہوں نے اس باب میں مزید گل کھلائے ہیں ————— ان کا ارشاد ہے کہ سعد کہ جنوں نے قتل کر ڈالا تھا۔ ان محقق راویوں نے جنوں سے یعنی سعد بن عبادہ کے قاتل جنوں سے کچھ اشعار بزرگانِ عربی بھی منسوب فرمائے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے -

”ہم (جنوں) نے خورج کے سردار سعد بن عبادہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہم نے ابھی ترکش کے دو تیرے ہی نہیں خالی کئے تھے کہ سعد کا سینہ چھلنی ہو گیا۔“

میں نہیں سمجھتا اس روایت پر مزید جرح و بحث کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔

www.jmmpa

باب

حضرت ابوبکرؓ کی بیعت

دو مسئلے اور باقیوں جلتے ہیں جن میں راویوں نے زبردست غلط بحث کیا ہے اور انہیں سے مسلمانوں میں بہت سی غیر متعین اور سخت ناخوشگوار قسم کی تفرقہ بندی بھی پیدا کر دی ہے۔ ہم یہاں اس مسئلہ کو اس کی اصل شکل میں پیش کئے دیتے ہیں۔

پہلا مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھوں پر حضرت علیؓ کے بیعت کرنے کا مسئلہ ہے۔ اس باب میں راویوں میں زبردست اختلافات پائے جلتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اسی وقت قبول کر لی تھی جب دوسرے مسلمانوں نے ایسا کیا تھا۔ پھر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بیعت کے وقت حضرت علیؓ اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے تھے اور جس وقت کسی نے ان کے آپ کو اطلاع دی کہ حضرت ابوبکرؓ بیعت لینے کے لئے مسجد نبویؐ میں بیٹھ چکے ہیں اور لوگ ان سے بیعت ہو رہے ہیں تو باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ اس وقت برہنہ جسم تھے آپ مسجد کی جانب اسی حالت میں تیزی سے بڑھے اور جب آپ بیعت ابوبکرؓ سے بالکل فارغ ہو چکے تو کہیں آپ کو دفعۃً خیال ہوا کہ کمال عجلت میں آپ اپنی ردائے چادری اور انار رہیاں تمہیں سے مراد بھی بدن پر ڈال کر نہیں آئے تھے چنانچہ یہ چیزیں آپ نے بعد میں گھر سے منگوا لیں۔ اس روایت کا عدم اعتدال بالکل ہی ظاہر ہے۔

بعض راوی یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت قبول کرنے میں تاخیر

برتی تھی۔ اور آپ کے ساتھ حضرت زبیر بن العوامؓ نے بھی تاخیر برتی تھی اور کچھ مدت گزرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کو بلا بھیجا اور بلا کے کہا کہ اگر تم لوگ برضا و رغبت امیر کی اطاعت قبول نہ کرو گے تو تم کو ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یہ روایت کس درجہ ناقابل قبول ہے۔ اہل نظر سے پرشیدہ نہیں حضرت ابو بکرؓ کے لئے یہ بات ناقابل تصور تھی کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد ہی اور حضرت فاطمہ زہراؓ سلام اللہ علیہا کی زندگی میں حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ کی سخت گیری کا ہدف بنا دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کے اعتراض کرنے والوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت برضا و رغبت نہیں قبول کی تھی۔ اکثر راوی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت بہت بعد میں قبول کی تھی۔ ان کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی ہاشم نے اس موقع پر حضرت ابو بکرؓ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور عام مسلمانوں کے مسلک کی مخالفت کی تھی اور یہ مخالفت چھ ماہ تک قائم رہی تھی۔ پھر جب چھ ماہ کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا انتقال ہو گیا تو ان حضرات نے بیعت قبول کر لی۔ اس روایت کا استبعاد بھی بالکل سہیلا اور مانع ہے۔ آخر ایسا کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؓ اور بنی ہاشم مسلمانوں کی عام جماعت سے الگ ہو کر اپنی ایک الگ ساہ تفرقہ اختیار کر لے اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی موت کے انتظار میں بیٹھے رہتے اور اصرار حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے انتقال کے بعد ہی بیعت کی طرف (حضرت ابو بکرؓ کی) دوڑ پڑتے کیونکہ اس وقت انہیں یہ نظر آتا ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مرتے ہی عام لوگ ان سے اپنی توجہ ہٹائیں گے۔

حضرت علیؓ جس درجہ فضیلت مآب تھے، مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور آنحضرتؐ کے زمانہ میں جس طرح آپ نے سختیاں جمیلی تھیں، اس کے پیش نظر یہ روایت قطعاً ناقابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ دراصل اوہوں نے دو سائل بالکل ہی آپس میں گڈ گڈ کر دیئے ہیں۔ پہلا مسئلہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھوں میں حضرت علیؓ کی بیعت کا ہے اور دوسرا حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی آنحضرتؐ کے حرم کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ سے بعینہ ناراضگی کا ہے۔ حضرت اصغرؓ وغیرہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے والد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فدک اور خیر میں

واقعہ جاؤ اور سے اپنا اعتراض طلب کیا۔ جسے حضرت ابو بکرؓ نے اس لئے دینے سے معذرت کا اظہار کیا کہ آپ نے خود رسالت مآبؐ سے یہ سن رکھا تھا کہ انبیاء علیہم السلام کا عام لوگوں کی طرح کوئی وارث نہیں ہوتا اور وہ جو کچھ چھوڑتے ہیں اس کی حیثیت صدقہ کی ہوتی ہے۔ روایت کی رو سے حضرت فاطمہؓ نے یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ سے گفتگو تک کرنا چھوڑ دی! اس روایت نے مزید گل کھلائے ہیں۔ اس کی رو سے گویا یہ حضرت ابو بکرؓ کے اس برتاؤ کے بدلے میں ہو! جو مدینہ طیبہ پر آپ نے حضرت فاطمہؓ سے کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو حضرت فاطمہؓ کے مرنے تک کی اطلاع تک نہ دی اور انہیں راتوں رات دفن کر دیا۔ (اور مرنے کی بات یہ کہ) بعد میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ میں صفائی بھی ہو گئی! حضرت فاطمہؓ کے مرتے ہی!! سمجھ میں نہیں آتا اس بات کا اور بیعت کا تعلق بھی کیا ہے۔ ظاہر ہے حضرت علیؓ نے میں عام مسلمانوں کی طرح حضرت ابو بکرؓ کی بیعت قبول کی تھی جس میں ذیہ غیر مسمیٰ عجلت کی تھی اور نہ کسی شخص خاطر کا ثبوت دیا تھا۔ اور اگر حضرت علیؓ کو حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت کی یوں ہی مخالفت کرنی تھی تو آپ بڑی آسانی سے اس مخالفت کا اظہار سقیفہ بنی ساعدہ میں کر سکتے تھے اور جس دلیل سے حضرت ابو بکرؓ نے انصارؓ کو قائل کیا تھا اسی دلیل سے آپ (حضرت علیؓ) بھی حضرت ابو بکرؓ کو قائل کر سکتے تھے۔

حضرت ابو بکرؓ نے انصارؓ کے گروہ کے سامنے یہ کہا تھا کہ قریش کے ہاجرا انحضرتؐ کے بعد امت کی امیری اور آپ کے منصب و اقتدار کے انصار سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے گروہ آپ کے بدلے خاندان اور اہل قرابت ہیں۔

پھر اس میں جو کسی شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں انحضرتؐ سے زیادہ قریب تھے۔

لیکن جیسا کہ میں نے اس سے پہلے عرض کیا حضرت علیؓ نے راویوں کے زعم ہائے باطل اور خیال ہائے بے بنیاد کے باوجود ایسا نہیں کیا یعنی (حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت کی مخالفت نہیں کی) آپ کو ایسا کرنے کی معذرت بھی نہ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح انحضرتؐ سے حضرت علیؓ کے رشتے سے خوب واقف تھے۔ جہاں تک امت کا تعلق ہے اس کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ کے تجربات، آپ کی بڑائی، مسلمانوں اور انحضرتؐ کی خاطر آپ کا

حسن سلوک و سعادتاری، آنحضرتؐ کا ہجرت کے موقع پر (جو اسلام کی تاریخ میں سب سے اہم اور سب سے نازک موقع تھا) حضرت ابو بکرؓ کو اپنی رفاقت سے مشرف کرنا، اور مرض الموت کے موقع پر حضرت ابو بکرؓ کو اس بات کا حکم دینا کہ وہ آپؐ کی بجائے مسلمانوں کو نماز پڑھائیں، یہ ساری چیزیں مسلمانوں کے سامنے تھیں چنانچہ مسلمان یہ کہتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو ہماری دینی امامت کے لئے پوری اہمیت میں منتخب کیا تو کیوں نہ ہم اپنے دنیاوی امور بھی انہیں کو نہ سونپ دیں۔ یعنی ان کو دنیاوی امور میں بھی امام اور عظیم بنائیں۔ سب سے اہم اور مہر کہ کی بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی مخالفت ایک متنفس نے بھی نہیں کی۔ نہ بنی ہاشم میں سے کسی نے مخالفت کی اور نہ ہی کسی دوسرے قبیلہ سے کسی نے مخالفت کی اور اس باب میں اس کے علاوہ جو کچھ بھی کہا جاتا رہا ہے وہ دراصل نتیجہ ہے بعد کی افترا پروازوں اور سخن سازوں کا، یعنی اس وقت کی سخن سازوں کا جب کہ وہوں اور فرقوں میں بٹ چکے تھے کسی شخص کے لئے یہ تاریخ اور علمی طور پر ممکن نہیں کہ اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر سکے کہ حضرت علیؓ کو شیخین کا خلافت کے معاملہ میں آپؐ پر ترجیح پانا آپؐ کو ناگوار ہوا تھا۔ کم از کم خود حضرت علیؓ نے ہمیں اس قسم کی کوئی اطلاع نہیں دی۔ پھر اس سلسلہ کی روایات پر ہم کیسے اطمینان کر سکتے ہیں۔ یہ سب قطعاً غیر مستند ہیں اور پھر حضرت علیؓ کا مقام اس سے بلند ہے کہ وہ زبان سے شیخینؓ کی بیعت کا اقرار کریں اور دل میں کچھ اور چھپائے رہیں۔ در صورتیکہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت علیؓ نے خلافت شیخین کے دور میں ہمیشہ بغیر خزاہی کا شہرت دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے اکثر موقعوں پر مدد تک چاہی اور جب کبھی انصار و مہاجرین کے خاص خاص زعماء سے مشورہ لیا گیا۔ آپؐ سے بھی یعنی حضرت علیؓ سے بھی خصوصی طور پر مشورہ لیا گیا۔ کہیں دوسری جگہ میں نے ذکر کیا ہے کہ جس وقت حضرت عثمانؓ کے خلاف ایک جماعت اٹھی اور اس سلسلہ میں خوب مخالفتوں کا بازار گرم ہوا تو حضرت علیؓ نے بے حد حیرت و آہی اور غیر اندیشی کا ثبوت دیا۔ یقیناً حضرت علیؓ پر ظاہر و باطن کی ہمہ گیر نگاہ کا الزام لگانا بڑی جسارت کا کام ہے حضرت علیؓ ان کے اور انتہائی لڑکھاؤ مسلمانوں یا تھے جن کے باطن اور ظاہر یکساں تھے۔ جن میں للہیت بھی تھی۔ اور جنہوں نے مسلمانوں کے

لئے سعد درجہ صداقت اور نیکی اور نصیر اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے تمام عمر حتی الامکان مسلمانوں اور اسلام کو آفات اور گزند سے بچائے رکھا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اعتیاداً اور صلحتاً یا لغویاً اللہ تعالیٰ کے طور پر یعنی اللہ کے بارے میں مختلف خلفاء کی (مراد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ) کی بیعت کی وہ آپ پر اتہام لگاتے ہیں۔ اور آپ کی رسالت مآب اور اللہ تعالیٰ سے محبت، اور ساتھ ہی خود رسالت مآب کی آپ سے محبت، جس کا مظاہرہ خمیر کے موقع پر عطاءئے حچیم کی شکل میں ہوا تھا، اس کے پیش نظر ہرگز مناسبت نہیں کہ ایسا اتہام آپ کی ذات الابرار پر لگایا جائے۔

اس باب کے شروع میں میں نے جن دو مسئلوں کا ذکر کیا تھا۔ ان میں سے ایک قریہ مسئلہ تھا۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا مسئلہ حضرت عمرؓ سے منسوب ایک قول سے اپنے لئے ساماناً وجود ہمایا کہ تلہ ہے۔ حضرت عمرؓ سے ذیل کا یہ قول منسوب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اچانک ظہور میں آگئی اور وہ باطل ہی ناگہانی واقعہ ثابت ہوئی اور اللہ نے اسے ہر قسم کی برائی سے محفوظ رکھا اب کچھ لوگ حضرت عمرؓ کے اس قول کو، جس کی صحت کے بارے میں میں یقینین طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بنیاد بنا کے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو مشتبہ اور مشکوک قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ ایک اور جملہ سبب بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہینہ، مکہ، طائف اور قبائل عرب میں پھیلے ہوئے تمام مہاجر اور انصار مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی بیعت اور خلافت پر بھی اکٹھے ہوئے تھے نہ صرف یہ بلکہ امر خلافت اور اس پر حضرت ابوبکرؓ کی شخصیت کا تکتان نام لوگوں کے لئے انتہائی خوشگوار بات تھی۔ ان لوگوں نے ہر معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ سے غیر حذر ہی کی، مشورہ دیا، اور اپنے جن باتوں سے روکا ان سے باز بھی رہے۔ ظاہر ہے امت کا یہ تعاون نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ فلتنہ ارتداد کا اس عوم و شبانے کے ساتھ باطل مقابلہ نہ کر پاتے۔ مہاجرین اور انصار کے لشکر ہرگز مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ نہ کر سکتے اور مابین زکوٰۃ کو اس بات پر قہراً مجبور کر سکنے کی قوت کا باطل مظاہرہ نہ کر سکتے کہ جو کچھ حضرت کے دوسری زکوٰۃ کی شکل میں دیتے تھے اب بھی دیتے رہیں۔ اسی طرح پوری امت کے غیر سگالی کے جناباں اور تمام مہاجرین اور انصار کے تقابلاً مطلق کے بغیر آپ مہاجرین اور انصار کے گروہ کو عراق پر جباو کے لئے جو ان بلوں مجموعی طور پر فارس، شام و روم سے متعلق تھا اور جس پر فوج کشی مراد فقیہین عظیمہ اور قوی سلطنتوں سے ٹکرانے کی، نہ

بھیج دیتے۔ فوراً اہل متذکرہ بلائیں اور مختصر سے جملہ سے اگر دعویٰ وہ کہا گیا حضرت عمرؓ کی مراد یہی ہے، ہلکی کر تبدیلے کا حضرت ابو بکرؓ کی بیعت ان معنی میں کامل نہ ہوئی تھی کہ ابھی تک سوادِ عظیم کی ریشہ کنیز تصدیق اس پر مثبت نہ ہوئی تھی اور عام مسلمانوں سے اس باب میں استصواب یا مشورہ نہیں کیا جا سکا تھا۔ اور وہ انصار کے اجماع کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں دفعۃً اور اچانک تکمیل مراحل سے گذر گئی تھی۔ اس موقع پر انصار نے پہلے یہ ارادہ کیا تھا کہ سعد بن عبادہ کو اپنا امیر بنا لیں گے لیکن ابو بکرؓ، عمرؓ، ابوبکرؓ کے مواعظ کے بعد صورتِ حال بدل گئی، سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے انصار کو آمادہ کیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو سعیدؓ میں سے کسی کو اپنا امیر چن لیں۔ لیکن ان دونوں بزرگانِ امتِ محترمہ کرسل نے یہ پسند نہیں کیا کہ انہیں ابو بکرؓ پر ترجیح دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے فوراً حضرت ابو بکرؓ کے حق میں دستبردار ہوتے ہوئے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی اور اس کے بعد انصار کے گرد نہ بھی بے عینہ ہی کیا۔ لیکن اگر انصار نے اسے ناپسند کیا ہوتا اور سعد بن عبادہؓ کی امارت پر صبر رہتے تو حالات کا رخ دوسرا ہو جاتا۔ پھر ہوتا یہ کہ لوگ اس وقت تک تو کچھ نہ کرتے جب تک رسالتِ مآب کی تدفینِ عمل میں نہ آجاتی، لیکن اس کے بعد ہی جہاں جنؓ اور انصارؓ میں اہل الرئسے حضرات یقیناً کہیں جمع ہوتے اور خلیفہ رسولؐ کا دوبارہ انتخاب کرتے۔

یوں حضرت ابو بکرؓ کی بیعت اچانک واقع ہوئی اور بقول حضرت عمرؓ اللہ نے اسے ہر قسم کی برائی سے بچا لے رکھا۔ چنانچہ جہاں تک اس بیعت کا تعلق تھا تو مسلمانوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا نہ اس پر کسی نے شک کیا اور نہ اسے اڑا جھل کی زبان میں کسی متنفس نے پہنچایا۔ لوگوں نے اس بیعت کو برضا و رغبت قبول کیا۔ اس موقع پر ان کے اندر ادنیٰ سا بھی کسی قسم کا غلج یا سہجان نہ تھا۔ یہی نہیں بعد میں ان مسلمانوں نے حضرت ابو بکرؓ سے خیر خواہی اور غیر اندیشی کا بھی ثبوت دیا (اور حضرت عمرؓ کی مقبولیت، امامت، رعاست اور امت پر ان کے محیر العقول اثر و نفوذ اور اقتدار اور حکم کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہو سکتا ہے) کہ آپ نے اپنے مرض الموت میں اپنی جانشینی کے لئے جب حضرت عمرؓ کی سفارش فرمائی تو اس وصیت اور سفارش کو فوراً قبول کر لیا گیا۔ اس وصیت کے نفاذ کی تفصیلات

ہیں موزوں نے بنائی ہیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جسے صبح قیامت تک انسانی زندگی کے ہر لمحہ متغیر حالات میں انسان کی بنیاد پر ہٹانی گئی ہے اختلاف کے انتخاب اور چنناؤ کے کسی خاص نظام کو امت پر نہیں نافذ کیا۔ آنحضرتؐ کے طریق میں بھی ہمیں یہی روش کا فرما نظر آتی ہے۔ قائد کے انتخاب کے سلسلہ میں آنحضرتؐ کے عہد کے مسلمان نظام بیعت کے عادی ہو گئے تھے۔

ہجرت سے پہلے انصار کے سربراہوں کا آنحضرتؐ سے آپ کو گوشہ عافیت پیش کرنا اور اعانت و نصرت سے شرف یا ب ہونے کا قول دینا، پھر اسی قسم کی یقین دہانی کی دیز میں تکرار، ایک عام مسلمان کا اقرار اسلام، کسی خاص شخص کا اپنے پورے گروہ یا قبیلہ کی جانب سے نیت کے طور پر اسلام کا قبول کرنا، قریش کا فتح مکہ کے موقع پر بیعت کرنا، پھر مختلف گروہوں کی جانب سے نمائندہ اشخاص کا یہ فخر حاصل کرنا، ان سب واقعات کا عام مسلمانوں پر یہ اثر تھا کہ انھوں نے طے کیا کہ آنحضرتؐ کی خلافت بھی بیعت ہی کے ذریعہ سے قائم کی جائے اور آپ کے منصب اقتدار کو تسلیم کرنے کی جو مشکل آپ کی زندگی میں تھی وہی آپ کے بعد بھی جاری رہے۔

آنحضرتؐ اور دوسرے اشخاص میں جو فرق تھا اگر اسے دیکھا جائے تو آنحضرتؐ سے کی ہوئی بیعت اور خلفاء سے کی ہوئی بیعت میں بھی فرق تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ آنحضرتؐ صاحب وحی الہام تھے۔ اور بیعت لینے وقت آپ شخص اپنی ذات والا تبار ہی کی جانب نہیں بیٹے تھے بلکہ دراصل خدا کے عز و جل کی جانب سے بھی بیعت حدیبیہ کے موقع پر سورہ فتح کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:-

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ، يَكِدُ اللَّهُ فُوقَ آيَاتِهِمْ
فَمَنْ نَكَدَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ، وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْكُمْ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيَهُ
أَجْرًا عَظِيمًا، یعنی، جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑنے کا نقصان اسی کرے اور جو اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عہد کیا ہے پورا کرے تو خدا سے مغرباً اجر عظیم دے گا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ سے بیعت ہونے کے بعد اسے توڑنا ممکن نہ تھا اور کئی ایسا کر بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ عمل دراصل مرادف قرار پاتا خود اللہ سے نقض عہد کرنے کا۔ آنحضرتؐ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والے کو جو اس علاقہ میں عمل سے گویا آپ

کے اقتدار کو تسلیم کر لیا تھا، آنحضرتؐ سے رد و قدر کرنے یا آپؐ کی فرمائی ہوئی کسی بات کو، خصوصاً جب وہ اللہ کی جانب سے نازل ہوئی ہوئی، رد کرنے کی قطعاً مجال نہ تھی۔ تمام دیگر امور میں خواہ وہ قرآنی آیات کے جمال کی تفصیل ہوں یا دینی اور دنیاوی کاموں سے متعلق ہوں، آپؐ کا حرفِ صرف آخر اور قانونِ مطلق تھا۔

البتہ جس وقت آنحضرتؐ اپنے رفقاء اور وزرائے کسی ایسے معاملہ میں مشورہ طلب فرماتے تھے جس کے بارے میں کوئی سماوی حکم نہیں نازل ہو چکا ہوتا تھا تو لوگ آپؐ کو مشورہ دینے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگ کبھی کبھی آپؐ سے اختلاف رائے بھی کرتے تھے اور نیک نیتی سے آپؐ کو بعض فیصلوں سے باز رکھتے تھے۔ مثلاً حباب بن منذر کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ بدر کے موقع پر حباب نے آنحضرتؐ سے پوچھا تھا کہ یہ جو آپؐ نے اس جگہ وہ پہلی جگہ جو آنحضرتؐ نے صفائی کے لئے منتخب فرمائی تھی (مجاہدین کو اتارا ہے تو یہ اللہ کے حکم سے ہے یا اس میں صلاح و مشورہ کی بھی گنجائش ہے)، اثبات میں حباب سنے کے بعد حباب نے آپؐ کی رائے سے اختلاف کیا اور آنحضرتؐ نے حباب کے مشورہ کو قبول فرمایا۔ کیونکہ وہ جگہ جو حباب نے تجویز کی تھی معرکہ کے نقطہ نگاہ سے بہتر پائی گئی۔ اب جہاں تک عام لوگوں کی بیعتِ خلفاء کا تعلق ہے۔ یہ ان کے اسد و خلفاء کے درمیان ایک آپس کا عہد اور معاملہ ہوتا تھا۔ جسے فریقین میں سے کوئی بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔ اسی لیے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات کے ذریعہ عہد شکنی سے روکا ہے مثلاً سورہ بقرہ کی آیت میں صاف طور پر یہ احکامات موجود ہیں۔

وَاذْكُرْ بَيْتَ الْاِيْمَانِ الَّذِي اٰتٰ اَعَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوْا الْاِيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ الْاِيْمَانَ عَلَيْكُمْ لَفِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٌ لِّمَنْ يَفْعَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَقَضَتْ غُرُوْبًا مِنْ بَعْدِ مَوٰثِقِهِمْ اَوْ كَالَّذِيْنَ اٰتٰ اَعَاهَدْتُمْ اِيْمَانَكُمْ وَخَلَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ اَمْنٌ مِّنْ اُمَّةٍ هِيَ اُمَّةٌ بِنِيْلٍ مِّنْ اُمَّةٍ اِنَّمَا يَبْتُلُوْكُمْ اللهُ فِيْهِ وَيُبَيِّنُ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) یعنی

اور جب خدا سے عہد (واثق) کرو تو اس کو پورا کرو اور جب پکی قسمیں کھاؤ تو ان کو مست توڑو کہ تم خدا کو اپنا حنا من مقرر کر چکے ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو جانتا ہے

اور اس عمرت کی طرح نہ ہوتا جس نے محنت سے تو صوت کا تا، پھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور یہ بھی نہ ہو کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے۔ بے شک اللہ تم کو آزما تا ہے اور حشر کے دن تمہارے سارے معاملات تم پر واضح کر دے گا۔“

اسی طرح سورہ الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾

اور عہد پورے کر دو عہد شکنی مت کرو، عہد کے بارے میں پُرسش ہوگی۔

سورہ بقرہ کی ذیل کی آیت سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وفا عہد یعنی وعدہ کو پورا کرنے اور صلہ کی خصلت اور صفت کی مکمل کاربہر دیا گیا ہے اور یہ چند مخصوص درجہ کی نیکیوں میں سے ایک ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِ الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُؤْتُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾

یعنی

نیکی یہاں نہیں کہ تم مشرق و مغرب کو قبلہ سمجھ کر ان کی طرف منہ کرو، بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ عداوت اور دشمنی پر اور خدا کی کتاب پادریغیوں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عجز یا رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور محتاجوں والوں کو دیں اور غلامی کی قید سے، گروہوں کے چھڑانے میں توجہ کریں اور ناز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں او (سحر) کا راز رکھنے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو ایمان میں سچے ہیں اور یہی ہیں جو خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

خلافت خلیفہ اور اس کی رعیت کے درمیان ایک عہد و پیمانہ ہے اور جو چیز اسے قائم رکھنے والی ہے وہ خلیفہ کی یہ آمادگی اور اس کا یہ عزم ہیں کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولِ معظم کے

طریق کو اپنے تمام کاموں میں مشعل بنائے رکھے گا۔ اس کے دوسرے اہم فرائض یہ ہوں گے کہ وہ حتیٰ اوسع مسلمانوں کی تیرا لٹیٹی کرے گا اور اس میں کسی قسم کا ضعف نہ دکھائے گا۔ دوسری جانب مسلمان بھی اس امر کے مکلف سمجھتے ہیں کہ بغیر کسی جون و چرا کے اس قسم کے صاحب امر اور خلیفہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اس کے تمام امتنائی قوانین کو مان لیں۔ اب خلافت کے اس تصور کی روش سے اگر خلیفہ اپنے عہد کو عملاً توڑ دیتا ہے۔ اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے منحرف ہو جاتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کی فلاح و صلاح کا خیال بھی ایک نہیں سستا تو رعیت پر ایسے خلیفہ کی اطاعت ہرگز واجب نہیں رہ جاتی اور رعیت کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ خلیفہ کے اپنے عہد و پیمان اور اپنی امارت کے حلف پر قائم رہنے کا مطالبہ کرے۔ اگر وہ قائم رہتا ہے تو دنیا و دوزخ پھر مسلمانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے امیر سے بیزاری اختیار کریں اور کسی دوسرے کی خلافت کی خواہش کریں۔ اسی طرح اگر خلیفہ اپنے عہد پر قائم ہے، اور ادر رعیت کے کچھ افراد اطاعت امیر دکر کے عہد شکنی کے مرتکب ہوتے ہیں تو خلیفہ کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ باغیوں کی سرکوبی کرے اور غیر مطیع لوگوں کو از سر نو مطیع کرے۔ اگر یہ لوگ اپنے کئے سے باز آجاتے ہیں تو خیر و نہ خلیفہ کو اسلام سے یہ حق مل جاتا ہے کہ ان اشخاص سے جنگ کرے۔ یہاں تک کہ یہ لوگ احکام الہی کو درجن کا ایک خلیفہ راشد نافذ کرنے والا ہوتا ہے تسلیم کر لیں اور خلیفہ کے از سر نو مطیع بن جائیں۔

خلافت راشدہ کے پیش نظر بیعت لے لینے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا :

اگر میں کسی اچھے منصوبہ کو لے کر بڑھنا ہوں تو تم میرے ساتھ تعاون کرنا، میری اعانت کرنا، لیکن جوں ہی مجھ سے اسلام کی مصلحت کے خلاف کوئی فعل سر نہو ہوسنے لگے مجھے فوراً ٹوک دینا!

اس کے بعد صدیق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا :-

معم صرف اس وقت تک میرے احکامات ماننا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے پیش نظر اقدامات کرتا رہوں، اور اگر میں اللہ اور اس کے رسول

کی منشا کے خلاف عمل کروں تو تم پر میری حکومت تسلیم کرنا اور میرے اقتدار کو ماننا ضروری نہیں یعنی تمہیں شک مجھے معزول تک کر سکتے ہو گا

اسی طرح برسرِ اقتدار خلیفہ راشد اپنے بعد کسی دوسرے شخص کی خلافت کے لئے سفارش اور وصیت کر لے اور اس موقع پر مسلمانوں کے چیدہ چیدہ نمائندوں اور قائدوں سے مخاطب ہوتا ہے تو اس صورت میں یہی بیعت مکمل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مرض الموت میں حضرت عمرؓ کا نام خلافت کے لئے تجویز کیا، لیکن جب تک آپ نے رسول اللہ کے معزز فقہاء کی ایک جماعت سے اس باب میں مشورہ نہیں لیا آپ مطمئن نہیں ہوئے اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ کو یہ حکم دیا کہ آپ کا فرمان لے کے امت سے جا کے یہ پوچھیں کہ کیا وہ اس شخص کی بیعت پر جس کا نام فرمان میں درج ہے متفق ہوتے ہیں، اور جب لوگوں نے اثبات میں جواب دے دیا تو آپ کو اطمینان ہوا اور آپ نے پھر حضرت عمرؓ کو بلا کے نصح فرمانا شروع کئے۔

لیکن اس کے باوجود مسلمان اس بات کے پابند نہ تھے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت تسلیم کر لیتے۔ نئے یا نامزد خلیفہ کے لئے لازم تھا کہ تجدیدِ عہد کرے تا اور از سر نو مسلمانوں کو یہ یقین دلاتا کہ وہ صرف اپنے عہد پر قائم رہے گا اور اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ۔ بلکہ ان کی اصلاحی اور خیر کے لئے پوری پوری سعی بھی کرے گا۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی لازم قرار پایا تھا کہ وہ خلیفہ (راستہ) کی اطاعت کریں اور اس کے معزز کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں۔

جس وقت حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو آپ نے اصحابِ پیغمبرؐ میں چھ افراد کی ایک کاؤنسل بنائی جسے امر کا اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے ہی میں سے ایک شخص کو خلیفہ چن لیں گے، لیکن اس کا یہ مطلب ہو گا نہ ہوتا تھا کہ وہ شخص جو ان چھ میں سے چنا جائے گا وہ اس بات سے معاف ہو گا کہ براہِ راست از سر نو اپنے اور امت کے درمیانِ خلافت راشدہ کے اصولوں کے مطابق (معاہدہ نہ کرے۔ حضرت ابوبکرؓ کے حضرت عمرؓ کے استحقاقات کا مطلب صرف یہ تھا کہ آپ نے ان کی ہمت سے شخص سفارش کی تھی، ان کا نام پیش کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی تشریح زدہ مجلس شوریٰ نے جب اپنا فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دیا تو یہی عثمان رضی اللہ عنہ کے نام نامی کی شخص سفارش تھی۔

ادیر بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب تک ان دونوں بزرگوں نے براہ راست مسلمانوں سے بیعت نہیں لے لی تھی (خلافت راشدہ کے اصولوں پر) اس وقت تک بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔

ثابت ہوا کہ بیعت خلافت کا بنیادی رکن ہے۔ یہی دوسری تھی کہ اسلام کے عہدِ اول میں مسلمان اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ اکاسرہ (رجح کسریٰ، لقب شامینشاہ ایران) کے طریقے پھیل گئے ہوئے مسلمان خلافت میں میراث کے قائل ہو جائیں۔ یعنی اسے باپ سے بیٹے میں منتقل ہونے کے قابل بننے سمجھ بیٹھیں۔ میرے لئے ناگزیر سا ہو گیا تھا کہ جملہ معتزفہ کو قدرے طویل ہو جانے دوں۔ دراصل مقصود، یہ بیان کرنا تھا کہ یہ جو حضرت عمرؓ سے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں روایت ہے (کہ وہ اچانک انجام پاگئی) یہ خلافت پر کوئی طعن نہیں ہے، نہ اسے طعن کا ذریعہ و وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ شروعی میں سقیفہ بنی ساعدہ میں جو عمل انجام پایا تھا اس کے پابند تمام مسلمان نہیں ہو سکتے تھے اور خود حضرت ابو بکرؓ بھی یہ کہیں نہیں پسند کر سکتے تھے کہ جب تک اس پر (ان کی خلافت پر) عام مسلمان برضا و رغبت مجتمع نہ ہو جائیں انہیں اس کا پابند بنایا جائے۔

www.jimipak.com

باب

ابوبکرؓ کی قوت و عظمت کا سرچشمہ

آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں حضرت ابوبکرؓ کی حیثیت ایک عام مسلمان فرد کی تھی جس کے پیچھے کوئی خاص گروہ نہ تھا۔ عام صحابہؓ کی مانند حضرت ابوبکرؓ بھی رسول اللہؐ کے مہذب و مہذبہ اور اطاعت گزار تھے۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے، حضرت ابوبکرؓ کی دو خصوصیتیں خاص طور پر نمایاں ہوئیں۔ پہلی، آپؐ کی نبی کریمؐ سے محبت اور دوسری اپنی جان اور اپنے مال سے رسالت مآبؐ کی خاطر ماری، دلداری اور پاسداری۔ اسی طرح امتِ مسلمہ کے تمام افراد کے لئے بھی صفتِ علمِ زدائی اور جان نوازی!

ابوبکرؓ سے آنحضرتؐ بھی سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اتنی محبت وہ کسی دوسرے شخص سے نہ فرماتے تھے۔ یہی حال امت کا بھی تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ آنحضرتؐ حضرت ابوبکرؓ کو ہر موقع پر دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں تو انہوں نے بھی یہی روش اختیار کر لی اور حضرت ابوبکرؓ سے بے پناہ محبت کرنے لگے۔ لیکن خلیفۃ الرسولؐ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے دفعۃً محسوس کیا کہ انھوں نے ایک عظیم ذمہ داری قبول کر لی ہے ایسی ذمہ داری جس سے وہ بغیر اللہ کی مدد و نصرت اور دستگیری کے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے۔ اسی طرح ابوبکرؓ کو اخیار امت کے تعاون کی بھی زبردست حاجت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس کا احساس تھا کہ آنحضرتؐ کے فوراً بعد منظرِ عام پر آنے کے لوازمات یہ ہوں گے کہ جمہور امت ان سے یہ مطالبہ کریں گے کہ وہ اسی راہ پر چلیں جو رسالت مآبؐ کی راہ تھی۔ شاید یہی سبب تھا کہ زمام امور سنبھالتے ہی وہ پہلی بات جو حضرت ابوبکرؓ نے کہی

وہ یہ تھی کہ وہ ایک عام فرماست مسلمہ ہیں اور لازمی طور پر سب سے بہتر فرد نہیں ہیں۔ اسی لئے آپ نے مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ امور سلطنت میں آپ کی مدد کریں لیکن جہاں دیکھیں کہ آپ سے اعتراض ہو رہی ہے، وہاں آپ کو ٹوک دیں۔ اور روک دیں حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر مسلمانوں کے سامنے اس بات کا عہد بھی کیا تھا کہ وہ ہر کام میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں گے۔ آپ نے مسلمانوں کو یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ اگر انہیں آپ ایسا کرتے نظر نہ آئیں تو وہ بے شک آپ کی اطاعت سے نکل جائیں! اسی موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو حکومت کی جانب سے یہ بھی قول دیا کہ آپ کمزوروں کے حقوق کو کسی حال میں پال نہ ہونے دیں گے اور امت کے مقدر لوگوں کو خواہ وہ کتنے ہی بااثر اور صاحب حیثیت کیوں نہ ہوں ظلم نہ کرنے دیں گے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہا کہ وہ اصولاً آنحضرتؐ کے دور کی ہر بات کی تقلید کریں گے اور ہر دست اجتہاد اور جدت سے گریز کریں گے یعنی نئے تجربے کی طرف زیادہ توجہ نہ کریں گے۔ بلکہ آنحضرتؐ ہی کے بنائے ہوئے خاکے میں رنگ بھرس گے۔ یہ بیانات دیتے ہوئے یہ اعلانات کرتے وقت، اور اپنے دوران حکومت، حضرت ابوبکرؓ نے ان باتوں کی مکمل محسوسیت محسوس کی تھی، اور اس باب میں آپ کے ذہن میں ہر چیز بالکل روشن اور واضح تھی۔ آپ ہر ممکن طور سے آنحضرتؐ کی تقلید فرماتے تھے اور اسی طرح جن جن چیزوں سے آنحضرتؐ نے اجتناب برتا تھا۔ ان سے آپ نے بھی تمام مصلحتوں کو ٹھکراتے ہوئے اجتناب کیا۔ چنانچہ عہد صدیقی کا پہلا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے طے کر لیا کہ حالات کچھ ہی ہو جائیں۔ مصالح کا تقاضا کچھ بھی ہو۔ آنحضرتؐ کے مشروع کئے ہوئے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ بیعت کے مکمل ہو جانے کے بعد، حضرت ابوبکرؓ کی جانب سے اعلان کیا گیا کہ وہ باطل آنحضرتؐ کی ہدایات کے مطابق، ہر بہرہ مطابق، اس امر بن زید کی سرکردگی میں جانے والے لشکر کو روانہ فرمادیں گے۔ چنانچہ لشکر اس امر بن زید کے ہر فرد کو لشکر گاہ میں آنے کا حکم دیا گیا۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حالات حد درجہ سنگین ہو چکے تھے۔ اس عظیم سانحہ (وفات نبی اعظمؐ) سے صرف مہاجرین اور انصار ہی ہر اس سال اور بدحواس نہ ہوتے تھے بلکہ پورا عرب بدحواسی کا شکار تھا لیکن مہاجرین و انصار کی بدحواسی عام بادیہ نشین عربوں کی بدحواسی سے تو بے مختلف

تھی مہاجرین اور انصار تو اس واقعہ کے جلد ہی بعد منسل گئے۔ بلکہ قلیل ترین مدت میں وہ اپنے ہوش و حواس واپس لانے میں کامیاب ہو گئے اور اس ہوش و خرد کی واگداری کے سلسلہ میں حضرت ابو بکرؓ کی تلقین اور قرآن سے آپ کے استشہاد نے بہت کام کیا۔ لیکن عام مسلمانوں کی بدحواسی حد درجہ نظر ناک اور ناسمج کے لحاظ سے دور رس ثابت ہوئی۔ مہاجرین اور انصار کے گروہ کے برخلاف بادینشین عرب ابھی تک بل سے اسلام کی تعلیمات کے شنیداری نہ ہونے تھے۔ زبانیں اللبتہ ان کی، توحید و رسالت کی معترف تھیں۔ کہیں پہلے اس صورت حال کی طرف اشارہ کرنے والی ایک آیت کا (سورۃ الحجرات کی آیت کا) حوالہ دیا گیا ہے۔

سورہ برآءہ میں بھی ارشاد ہوتا ہے۔

لَا تَدْرِبُوا الَّذِينَ لَمْ يُحَدِّثُوا إِلَىٰ أَعْيُنِنَا قَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مَا يَدْعُونَ بِكُفْرٍ وَلَا نِفَاقًا وَأَلْبَسُوا عَلَىٰ الْإِسْلَامِ مَا أُنزِلَ اللَّهُ مِنَّا وَلَا يَتَرَكِبُونَ فِيهِ ذُكُورًا ۚ لِلَّهِ أَشَدُّ عِلْمًا بِغَيْبَاتِ قُلُوبِهِمْ وَلَهُ يُعَلِّمُ الَّذِينَ يَشَاءُ وَيَسْتَجِيبُ عَلَيْهِمْ ۗ

”دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ احکام الہی کو، جو رسول پر نازل ہوئے ہیں، سجا لائیں۔ خدا میں تمام دانش اور تمام دانائی ہے اور بعض بادینشین اللہ کی راہ میں صرف کی ہوئی رقوم کو ایک قسم کا تاوان سمجھتے ہیں اور انھیں اس بات کا انتظار ہے کہ مسلمانوں پر مصائب اور بلائیں نازل ہوں۔ یہ صیبتیں خود ان بلائیں پر نازل ہوں گی اور اللہ ہر چیز میں شاداں اور جانتا ہے“

جیسا کہ آپ اگلے صفحات میں دیکھیں گے آنحضرتؐ کو اس صورت حال سے بذریعہ وحی مطلع کر ہی دیا گیا تھا اور آنحضرتؐ نے ان بادینشینوں سے کوئی تعرض نہ کیا اور ان کی جاہیں اور ان کے مال محفوظ رہنے دیئے۔ شاید اس لئے کہ یہ لوگ زیادہ دلگہبی انگار اور ذہنی ارتداد کے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ دین کا کان بجاتے تھے اور کواہی ادا کرتے تھے۔ پھر آنحضرتؐ کی طرح ان کے خلاف کوئی اقدام فرماتے۔ ازناذکی فتنہ سامانیوں آنحضرتؐ ہی کے عہد سے شروع ہو گئی تھیں یمن میں اسودا لعنسی یا عمر میں مسیلمہ، بنی اسد میں طلیمہ نے نبوت کے جھوٹے دعوے کئے اور آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب مدعیان نبوت کے پاس اپنے آدمی اور اسلوات

بیسے اداس میں شکر کی ذرا بھی گنجائش نہیں کہ اسے حضرت رفیقِ اعلا سے نہ جانتے تو یقیناً ان جھوٹے دعویدارانِ نبوت کے خلاف تلوار اٹھالیتے! جب ابو بکرؓ نے اقتدار سنبھالا تو آپ کے سامنے محض ان جھوٹے مدعیانِ نبوت ہی کا سلسلہ نہ تھا۔ آپ نے تو یہ دیکھا کہ پورے عرب نے منافقت اختیار کر لی ہے اور جیسے جیسے عام لوگوں کو آنحضرتؐ کے وصال کے متعلق علم ہوتا جاتا تھا وہ جاہلیت کی طرف عود کرتے جاتے تھے۔ لیکن اس بات کے باوجود ان لوگوں نے جاہلی روایات کے پیش نظر باقاعدہ مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا۔ بحث و تمحیص اور معاملہ فہمی شروع کر دی۔ چنانچہ ان لوگوں کے وفود نے حضرت ابو بکرؓ کے پاس آ کے مطالبہ کیا کہ وہ صرف زکوٰۃ کی ادائیگی سے معافی چاہتے ہیں باقی نماز، روزہ اور حج کے معاملہ میں وہ اسلام کی روش پر ہیں گے اور ہر حال میں لا اذکاراً الا اللہ محمدٌ رسول اللہ کہتے رہیں گے۔

ابھی میں نے کہا کہ ان لوگوں نے جہلاً اور غافل لوگوں کے انداز میں مسئلہ پر نظر ڈالی تھی یہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حضرت ابو بکرؓ ان کا مطالبہ قبول کر لیں گے۔ مطالبہ یہ تھا کہ اگر انہیں زکوٰۃ کی ادائیگی سے معاف کر دیا جائے تو وہ اسلام کے بقیہ ارکان کو تسلیم کر لیں گے۔ شاید یہ لوگ قبول گئے تھے کہ زکوٰۃ اسلام کا ایک رکن ہے اور اسے دینے سے انکار کرنے والے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں رہ جاتا۔ یہی سبب تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں کی پیشکش کو کبھی ٹھکرا دیا اور ان سے جنگ کرنے کا اعلان فرما دیا۔ اور یہ کہا کہ اگر یہ لوگ آنحضرتؐ کے عہد میں زکوٰۃ کی شکل میں ایک دانٹے کی اوجھی جیسی حقیر شے بھی ادا کرتے تھے تو وہ بھی بدستور ان سے وصول کی جاتے گی۔

عزیزوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور کفر و نفاق کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے حق میں اللہ کا یہ قول کہ ”ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود سے (جن کی تشریح بذریعہ وحی ہوئی تھی) واقفیت ہو اور وہ اللہ کی راہ کے مصارف کو تاوان سمجھتے ہیں اور مسلمان کے لئے مصائب کے انتظار میں بیٹھے ہیں“ سچ کر دکھایا تھا۔

ادھر ان لوگوں نے یہ اعلان کیا، ادھر ابو بکرؓ نے اعلان جنگ کر دیا اور علیؓ اسی وقت یہ بھی طے کر لیا کہ رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق لشکرِ آسمانہؓ کے حدود میں روانہ کر دیں۔

اب حضرت ابوبکرؓ اور مسلمانوں کے لئے ان کے سامنے آنے والے خطرات اور مشکلات میں سب سے بڑی مشکل پیش آئی۔ مصیبت یہ تھی کہ ایک طرف حضرت ابوبکرؓ نے طے کر رکھا تھا کہ چونکہ رسالت ناکب اس کا حکم دے گئے تھے، لشکرِ اسامہؓ ہر صورت بھیجا جائے گا۔ دوسری طرف تمام عرب کفر و انکار کی لپیٹ میں آچکا تھا اور چونکہ لشکرِ اسامہ کے ساتھ تمام جری اور جرار اور اہل مقل جاچکے تھے۔ اس لئے خود مدینہ کو اطراف کے باویرہ نشینوں کے حلوں سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

امت کے زعمائے اس عظیم خطرہ کو محسوس کیا۔ چنانچہ بعض لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ بھی کہا کہ ناگزیر حالات کے پیش نظر وہ لشکرِ اسامہؓ کی روانگی کو موخر کر دیں۔ یہ لوگ اسے بعد میں روانہ کرنے کے خلاف یوں بھی تھے کہ خود مدینہ کو اطراف کے لوگوں سے خطرہ تھا مگر کیا ابوبکرؓ نے یہ مشورہ تسلیم کیا؟ ہرگز نہیں آپ نے شد و مد سے اپنے نظریہ کو قائم رکھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک حالات کا تقاضا کچھ بھی ہو جاتا، واقعات کا مطالبہ کچھ بھی ہوتا آنحضرتؐ کے احکامات سے سرتابی نہیں کی جاسکتی تھی۔

صحابہ کا اصرار جاری رہا لیکن حضرت ابوبکرؓ کے عزم و ثبات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ آپ نے کہا: بخدا اگر مجھے یہ خوف بھی ہوتا کہ مجھے جنگلی دزدے اچک لے جائیں گے تو بھی اسامہؓ اور ان کے لشکر کے بھجنے سے میں گریز نہ کرتا۔

اس کے بعد انصار نے حضرت ابوبکرؓ سے ایک اور بات کا بھی مطالبہ کیا کہ کسی ایسے شخص کو فائدہ شکر بنایا جائے جو کم از کم اسامہؓ سے سن میں تو زیادہ ہو۔ اس سلسلہ میں ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا وکیل بنا کے حضرت ابوبکرؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے انصاریوں کے جذبات اور خیالات کی ترجمانی کی اور ان کے خیالات کو بار بار دہرایا۔ اس پر خلیفہ الرسولؐ نے کہا کہ ابن خطاب تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے آنحضرتؐ نے شکر کی فرمان دہی بخشی تھی میں اسے معزول کروں!

اس جواب کے بعد حضرت عمرؓ حضرات انصاریوں کے پاس لوٹ آئے۔ انصاریوں نے اور قائل ہو گئے تب اسامہؓ کے لئے اپنے لشکر کے ساتھ باہر نکلنے کا وقت آ گیا تھا۔ امیر لشکر

کے ساتھ ساتھ خود صدیق اکبرؐ بھی پایادہ روانہ ہو گئے۔ حضرت اسماءؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ کم از کم اگر وہ انھیں مشالعت کا یہ فخر بخش رہے ہیں تو انھیں پیادہ تو ہو جانے دیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس بات کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد حضرت اسماءؓ کو اس امر کی ہدایت کی کہ آنحضرتؐ کے احکامات کا بھول توئی لفظ نہ ہو۔ اسی طرح آپ نے انھیں اہل شکر کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ وہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنے سے باز رہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو نہ چھیریں جو ہر چیز کو ترک کر کے معبود کی عبادت میں لگے ہیں۔ ایک بات اور، عام زندگی کو معطل اور برباد نہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت اسماءؓ سے اجازت لے کے حضرت عمرؓ کو جنہیں اس لشکر کے ساتھ جانا تھا، مدینہ میں روک لیا تاکہ امور مملکت میں ان سے مدد لیتے رہیں۔ اسماءؓ نے اجازت دیدی اور حضرت ابوبکرؓ مدینہ لوٹ آئے اور بارہ نشیمنوں کی متوقع غارتگری کے پیش نظر معاملات پر کڑی نگاہ رکھنی شروع کر دی۔ آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ مسجد نبویؐ میں مجتمع رہیں اور کسی بھی خطہ کے مقابلہ کے لئے تیار رہیں۔ آپ نے مسلمانوں کو کسی لمحہ بھی کسی بڑے خطہ سے تیز آزاہوسنے کے لئے پھر کس رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اس اقدام کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے ان تمام ناگوں پر جن سے ہو کے صحرا کے راستے جاتے تھے اور جن سے داخل ہو کر اطراف کے دیہاتی یغلا کر سکتے تھے بڑے درجہ کے اصحاب رسولؐ کو متعین کر دیا۔ انہیں میں حضرت علیؓ بھی تھے اور اس سے بھی یہ بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ نہ حضرت علیؓ نے بیعت ابوبکرؓ سے انکار کیا تھا اور نہ امت کی جماعت سے الگ اپنی کوئی راہ بنائی تھی۔ ان تمام لوگوں کا کام یہ تھا کہ وہ ناظروں کی طرح شہر کی حفاظت کریں اور جہاں باوہ نشین کوئی یورش کرنا چاہیں حلیفہ الرسولؐ کو اطلاع دیدی جائے۔ اہل عطفان اور ان کے پیرو جان چکے تھے کہ مدینہ سے اسماءؓ کا چہدہ لشکرِ رعدانہ ہر جاہے اور یشکر اسلام شام کی جانب گامزن ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کی نیت خراب ہوئی شروع ہوئی مدینہ پر یغلا ہونی چاہیے۔ ان لوگوں نے سوچا۔ لیکن یہ غارت گری پر آمادہ لوگ اس کام کو اس طرح انجام دینا چاہتے تھے کہ انھیں کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ ایک ات یہ لوگ مسلمانوں پر شب خون کے ارادے سے آ رہے۔ ابوبکرؓ ناظروں نے ان کی آمد محسوس کر لی

اور ایک شخص نے ذریعہ حضرت ابوبکرؓ سے کہلا بھیجا۔ اس کے بعد خلیفہ الرسول اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ دشمن سے مقابلہ کے لئے مغرباً نکلا آیا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو شکست ہوئی اب اہل مدینہ نے یہ جاننا کہ ان غارتگروں پر مزید یورش کریں لیکن ان لوگوں نے پہلے ہی اپنی پشت پر ایک حفاظت اور ایک رک کھڑی کر دی تھی مسلمان جب اس روک کے قریب (جو غالباً مختلف ذرائع سے بنائی گئی تھی) پہنچے تو انہوں نے اپنے انڈوں کے بدک جانے کے خوف سے جنگ نہ کی چنانچہ انہوں نے اپنے انڈوں کو پاؤں سے مارنا شروع کر دیا اور مدینہ میں آ کے دم لیا۔

اس کے بعد حضورؐ سے ہی دونوں میں حضرت ابوبکرؓ مسلمان سپاہوں کے ساتھ غارتگر دشمن سے نمٹنے کے لئے پھر نکلے اور اب کے ان کو باضابطہ شکست دے دی۔ اب دشمن موت اور قید کے خوف سے زمین عرب پر منتشر ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان شور و پستول اور غارت گروں کی زمینوں میں جا کے ان پر مسلمانوں کے گھوڑے اور اونٹ پھیلا دیئے تاکہ انہیں دوبارہ پھلے عزائم کے اظہار کی جرأت نہ ہو۔

اس فتح کا مسلمانوں پر زبردست نفسیاتی اثر پڑا۔ ان میں قوت کا احساس از سر نو پیدا ہو گیا اور وہ مدینہ پر مزید غارتگری کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ اب انہیں اُسامہ کے لشکر کا انتظار تھا لیئے اُسامہ کا لشکر بھی اطرافِ شام میں تھلکہ چپا کے، غنائم کے ساتھ مدینہ واپس آ چکا تھا۔

یہ لشکر دو ماہ چند دن کے بعد لوٹا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے اسے کچھ دن آرام کرنے اور ستانے کی اجازت دیدی۔ لیکن اس عالمِ استراحت میں بھی اس لشکر کے سپردیہ کام تھا کہ جب تک مسلمان مجتمع نہ ہو جائیں وہ مدینہ کا دفاع کرتا رہے۔ اس فتح کے اثر سے مرتد قبائل نے اپنے اپنے یہاں کے مسلمانوں کو ترغیب کرنا شروع کر دیا۔ اس سے ابوبکرؓ میں جذبہ انتقام اور مسلمانوں کے غمِ ناسخ کا عرض لینے کا داعیہ بیدار ہوا۔ اب آپ نے یہ طے کر لیا تھا کہ ان شور و پستول کا قلع قمع کر دیں گے اور انہیں ایسا سبق پڑھائیں گے کہ انہیں مدینہ کی طرف کھٹے اٹھانے کی دوبارہ جسارت تک نہ ہوگی۔ اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے یہ قسمیں کھائی تھی کہ مسلمانوں کے خون کا بدلہ لے کے رہیں گے اور اس معاملہ کو کسی حال نہ چھوڑیں گے۔ اب ان تمام عرب کے مردوں سے جنگ کی تیاری شروع ہو گئی۔ مدینہ سے جو بیس میل کے فاصلہ

پر زودا تقصیر کے مقام پر، جہاں مدینہ پر یورش کرنے والے دبیز نادوں کو شکست دی گئی تھی نخل کر، حضرت ابوبکرؓ نے مختلف لشکر ترتیب دیئے اور پھر ولایتیں اور امارتیں (فوجی) تقسیم کیں اور منذر جو ذیل گیارہ قائدین لشکر میں سے ہر ایک کے سپرد، ایک ایک گروہ مرتدوں کی سرکوبی کی ہم ہو گئی۔

۱۔ خالد بن ولیدؓ کو حکم ہوا کہ پہلے وہ طلیحہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑیں اور اس سے فارغ ہونے کے بعد سنی تمیم کے مالک بن زبیرہ کی طرف متوجہ ہوں۔
 ۲۔ عکرمہ بن ابی جہلؓ کو حکم ہوا کہ وہ مسیلہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہو جائیں۔
 ۳۔ جہا جہین ابی امیہؓ کو حکم ہوا کہ وہ الاسود العنسی کے، جو اب قتل ہو چکا تھا، ان پر فوجی سے جنگ کریں جو اب تک باقی رہ گئے تھے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد قبیلہ کندہ کے مرتدین سے لڑیں۔

۴۔ خالد بن سعید بن العاصؓ کو شام کے حدود پر روانہ کیا گیا۔
 ۵۔ عمرو بن العاصؓ کو قضاعہ سے جنگ کرنے کا حکم ملا۔
 ۶۔ حذیفہ بن محضؓ کو حکم ہوا کہ وہ اہل ذبیب سے جنگ کریں یہ ذبیب عثمان کا قدیم پائے تخت تھا۔

۷۔ فضیل بن ہرثمہؓ کو جہرہ سے جنگ کا حکم ہوا۔
 ۸۔ شرجیل بن حسنہؓ کو عکرمہ بن ابی جہلؓ کے مددگار کی حیثیت سے بھیجا گیا کہ مسیلہ سے جنگ کرنے میں ان کی مدد و اعانت ہو۔ انھیں یہ حکم تھا کہ جب وہ اس کام سے فارغ ہو جائیں تو قضاعہ کی ہمہ میں عمرو بن العاصؓ کی مدد کریں۔

۹۔ طلحہ بن حاجنؓ کو سلیم اور ان کے حلیف اہل ہوازن سے لڑنے کا حکم ہوا۔
 ۱۰۔ سوید بن مقرنؓ کو حکم ہوا کہ تہامہ میں کے قبائل میں مرتدوں سے جنگ کریں۔
 ۱۱۔ اسلمہ بن الحضرمیؓ کو حکم دیا گیا کہ وہ بحرین میں جنگ کریں۔

ان سب قائدین فوج کی نامزدگی، ان کے لئے مختلف قبائل میں کارگزاروں کے لئے احکامات کا صدور، قبائل کی حیثیتیں، یہ سب باتیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ عرب تمام

کا تمام ازم و گھڑ میں مبتلا ہو چکا تھا اور مرضِ چند لوگ اپنے دین پر قائم رہ سکے تھے۔ ان مسلمانوں میں وہ لوگ بھی تھے جنہیں آنحضرتؐ کے دور میں اسلام کی تعلیمات پھیلانے، نظام کو سمجھانے اور معاشی بہرہ حالی اور عدم توازن کو ختم کرنے کے لئے جس کا ذریعہ انجینیا اور امرائے سے زکوٰۃ وصول کر کے فقرا میں تقسیم کرنا تھا روانہ کیا گیا تھا۔

راویوں کے کہنے کے مطابق حضرت ابو بکرؓ نے اپنے قائدین لشکر کے نام ایک فرمان بھیجا تھا جسے اس کے متن پر اعتماد نہیں۔ لیکن یہ سب سے کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ حکم ضرور دیا تھا کہ ہر قائد لشکر اپنے اپنے لئے متعین قبیلہ کی جانب جنگ کے لئے چل پڑے لیکن جاتے ہی جنگ نہیں کرنے لگے۔ بلکہ پہلے اہل قبیلہ کو دعوت دے کہ وہ اس عظیم نظام فکر کو جسے اسلام کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس سے وہ نکل گئے تھے دوبارہ قبول کریں۔ بصورتِ قبول، قائد کا یہ کام تھا کہ حکومت کی جانب سے اہل قبیلہ کو تمام مراعات بخش دے اور ساتھ ہی ان سے غیر ادا شدہ زکوٰۃ اور دوسرے غاصل بھی لے لے۔ لیکن انکار کی صورت میں قائد پر فرض تھا کہ وہ اپنے اسی رعایت کئے بغیر پورے قبیلہ سے جنگ کیے اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رکھے جب تک قبیلہ اپنے کو اسلام کے سپرد نہ کر دے۔ اس کے بعد، بیشک حکومت کے اس نمائندہ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ قبیلہ کو اس کے جائز حقوق ادا کرے۔

حضرت ابو بکرؓ نے قائدین فوج کو حکم دیا تھا کہ قبیلہ میں پہنچنے کے بعد ان کا پہلا فریضہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ قریب ترین نازک انتظاریں کریں مثلاً اگر صبح طلوع آفتاب کے بعد پہنچے ہیں تو ظہر کا انتظار کریں، پھر اذان کہلوائیں۔ اب اگر اذان پر مقابل لوگ بیٹھ گئے ہیں یعنی اس پیکار کے جواب میں کہ (سبحی علی الصلوٰۃ) وہ نماز کے لئے آ جائیں تو ان سے ابھی نہیں لڑنا چاہیے بلکہ ان سے سلام کے بارے میں سوالات کرنے پائیں۔ ذکر آیا ان کے ذہن میں اس نظام کو کا تصور واضح بھی ہے یا نہیں) اب اگر وہ اسلام کو ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے ذریعہ اسے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا تو ان لوگوں سے مسلمانوں کا سبوتاژ کیا جانا ضروری ہے لیکن اگر یہ لوگ انکار و عجز پر قائم ہیں

تو ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جانی چاہیے تھی جب تک وہ دین کی طرف رجوع نہ کریں۔ بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے فرمان کی گیدہ نقلیں کروائیں اور ایک ایک نقل فرمان کے ساتھ ہر لشکر کے ساتھ اپنا نمائندہ خصوصی کر دیا اور ان نمائندوں کو حکم تھا کہ وہ ان فرامین کو قبائل کے روبرو پڑھیں اگر قبائل فرمان کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو انھیں جان کی امان بخشی کی جائے ورنہ انھیں اسلام کی طرف دوبارہ لانے کے لئے جنگ کی جائے۔

مورخوں نے اس فرمان کا متن ضبط تحریر کیا ہے لیکن ہم کو اس متن کے انہیں الفاظ پر مشتمل ہونے پر اعتماد نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوگا تو اس فرمان کا متن اس فرمان کے متن کے مطابق رہا ہوگا جو حضرت ابو بکرؓ نے قائدین لشکر کے لئے صادر فرمایا تھا۔

قائدین اپنے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہاں مجھے اس کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ ان قائدین کی لشکر آرائیوں اور ان کی فتح و نصرت کی داستان بیان کروں یا اس قسم کی آزمائشوں کی تفصیلات میں الجھ جاؤں جو مثلاً عکرمہ بن ابی جہل کہ پیش آئی تھیں۔ اصل مقصود یہ ہے کہ یہاں خالد بن ولید کے موقف کے بارے میں ضرور قدرے تفصیل میں جاؤں۔ یہ اس لئے کہ اس موقف خاص کا مسلمانوں پر خاص اثر پڑا اور اس سے شیخینؓ کے طرز فکر کے قدرے ایک دوسرے سے مختلف ہونے پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

سرحد میں مدینہ کی طرف پھر ملٹ رہا ہوں۔ اور ارتداد کے مسئلہ پر تھوڑی سی روشنی ڈالوں گا۔ راویوں نے بھی اس باب میں کافی رائے زنی کی ہے۔

اس سے پہلے میں بیان کر چکا ہوں کہ مسلمان زعمائے حضرت ابو بکرؓ کو رائے دی تھی کہ اُسامہ کے لشکر کو سرحد بھیننا ملتوی کر دیں۔ میں نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس بات کو نہیں مانا تھا اور بہر حال یہ چاہا تھا کہ آنحضرتؐ منویات اہل اراوسے پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

راویان اخبار اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ گویا بعض زعمائے حضرت ابو بکرؓ کو مرتد لوگوں سے جنگ کرنے سے بھی باز رکھنے کی سعی کی تھی۔ ان روایات کی نوسے حضرت عمرؓ نے حضرت

ابوبکرؓ سے پوچھا تھا کہ جب یہ لوگ اللہ کی وحدانیت اور اس کے معبود ہونے کے قائل ہیں اور حضرتؓ نے صرف اس وقت تک لوگوں سے جنگ کو جائز قرار دیا تھا جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں اور یہ کہنے کے بعد کہنے والوں کا خون بہانا ناجائز ہو جاتا ہے، تو پھر خلیفۃ الرسول کیسے اور کس بنیاد پر ان جنگوں کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جواب رد دیتے ہوئے کہا تھا۔ میں تو اس وقت بھی جنگ سے باز نہ آؤں گا جب تک یہ مرتد لوگ ایک عقلمند (ادب کی آجی) تک، جسے یہ آنحضرتؐ کے عہد میں دیتے آئے ہیں، ویسے سے گریز کریں گے اس لئے کہ ایسا کر کے یہ لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ درالحالیکہ یہ غیر اسلامی بات ہے کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ کی سمجھ میں بھی اس جنگ کی مصلحت آگئی تھی۔

لیکن میں اس واقعہ کو اس شکل میں تسلیم کر لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس درد کے زعما امت عقبیٰ دین کے روز اس حد تک سمجھتے تھے کہ ان کے لئے ہرگز ضروری نہ تھا کہ وہ زکوٰۃ جیسے مسئلہ کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ سے بحث مباحثہ کریں۔ جہاں تک حضرت عمرؓ کا تعلق ہے وہ اسلام کے مسائل کے درک میں کسی سے کم نہ تھے کم از کم حضرت عمرؓ کی اسلام کے لئے سخت گیری نہیں یہی بتاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ جو فقہاء اور متکلمین نے بعد میں روایتیں گھڑی ہیں۔ یہ یکسر پادہر ہیں۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کبھی بھی اس قسم کے اختلافات نظر و فکر نہ ہوئے تھے۔

جنفی سی بات قابل قبول نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ زعما امت نے عرب کے کفر و نفاق کے زعفرین آہلنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو اسامہ بن زید کے لشکر کی روانگی میں تاخیر کا مزدور مشورہ دیا تھا۔ اس مشورہ میں بھی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کی ساری قوت فتنہ ارتداد کے سدباب میں صرف نہ ہو۔ بلکہ آنحضرتؐ کی تقلید میں اس قوت کے ذریعہ عربوں کے اسلام کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کا عداوہ کیا جائے۔

تو گویا ان روایات کے راوی ان بزرگانِ امت مرحومہ سے متعلق، ایسی روایات تالیف کر کے ان سے کچھ سلوک نہیں کرتے۔ ان روایات کی رو سے تو ان بزرگوں کی جہنموں نے

بڑی کٹھن آزمائشوں کے بعد میں آنحضرتؐ کا مکہ میں ساتھ دیا تھا، کچھ اس قسم کی تصویر بنتی ہے کہ گویا یہ لوگ عربوں سے سخت خائف تھے اور انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں آس پاس کے عرب انہیں سہڑپ نہ کر جائیں۔ آخر یہ وہی لوگ تو تھے جنہوں نے اپنے سردار کا عزم راسخ دیکھا تھا اور اسے، ابوطالب کو یہ جواب دیئے تھا تھا کہ اگر یہ قریش جو مجھے میرے مشن سے باز رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، میرے ہاتھوں میں شمشیر قمر بھی تھا دیں گے یا اس سلسلہ میں مجھے بھی ہلاک کر دیں گے تو بھی جب تک اسلام غالب نہ ہو جائے گا میں اپنا کام برابر لے کر جاؤں گا۔ یہ وہی بلاکشان اسلام تھے جنہوں نے نبی اعظمؐ کے ساتھ بدر ادا احد اور احزاب کے سخت اور زہر و گداز معرکے سر کئے تھے۔ اور یہ سب اس دور میں جب مسلمان کسی گنتی کسی شمار میں نہ تھے اور ہر طرف کفر سے گھرے ہوئے تھے، پھر کیا اس وقت ان جبری اور دلاور رفقاء نے محمدؐ کے عزم کی تلوار کند ہوئی تھی، یا ان کی بہت ذرا پست ہوئی تھی یا ان کے ثبات و استقلال میں کوئی کمی آئی تھی؟ ہرگز نہیں۔

کیا دفعہ عزم و ثبات کے یہ درس بھلا دیئے گئے کہ آنحضرتؐ کی وفات کے فوراً ہی بعد یہ میگساران ہادہ محبت عربوں سے جنگ کے خیال سے لرزہ برآمد ہونے لگ جاتے۔

آپ نے حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کا موقف دیکھا ہی تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس صلح کی شرائط کو قبول کرنے سے آنحضرتؐ کو باز رکھنا چاہا تھا۔ آپ نے اس وقت سردار چاہا اور صدیق اکبرؓ سے یہ تک کہا تھا کہ آخر ہم دینی معاملات میں ذرا اس بھی رعایت کیوں کریں تو اب عقل اور منطقی طور پر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت عمرؓ دفعہ اپنے تمام بچھلے طرز ہائے عمل کو ان واحد میں بھول کیوں جاتے ہیں اور ابو بکرؓ کے ساتھ عربوں سے پیکار آزما ہونے سے ڈرنے کیوں لگتے ہیں تمام اصحاب نبیؐ اس بات سے واقف تھے کہ قرآن میں متعدد بار زکوٰۃ کا ذکر صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ جہاں کہیں صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ زکوٰۃ کا ضرور ہے۔ آنحضرتؐ کا یہ قول بھی سب کے سامنے تھا کہ اسلام کی اساس کے طور پر پانچ چیزیں کام کرنی ہیں۔

۱۔ اللہ کی وحدانیت اور عبودیت کی گواہی۔

۲۔ رسالت مآب کی رسالتِ عظمیٰ کی شہادت۔

۲۔ نماز کی ادائیگی

۳۔ زکوٰۃ کی ادائیگی، اور

۵۔ رمضان کے روزے

پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا، کہ تھوڑے ہی دنوں بعد، یہ لوگ عربوں کے لا الہ الا اللہ کہنے پر اتنا فخر کرے جائیں اور انہیں اس امر کی اجازت دیدیں کہ وہ ایک لہم رکن اسلام کی فرضیت کے بارے میں خلیفۃ الرسولؐ سے بحث کرنے لگیں۔ یا اس حدیث کے بعض حصوں پر یقین کر لیں جس کی بنیاد پر حضرت ابوبکرؓ سے روایات کی دوسے، مقاتلہ کے باب میں مباحثہ ہوا تھا، اور بعض حصوں کو ترک دیں اور محموداً حضرت ابوبکرؓ کو انہیں اس سلسلہ میں یاد دلانا پڑے۔

راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق کی نستج کے بعد چند مسلمانوں نے شراب پی اور جس وقت حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اس سلسلہ میں لکھ بھجا تو حضرت عمرؓ نے لکھا ان لوگوں سے سب کے سامنے شراب کے بارے میں پوچھو۔ اگر یہ اسے جاہز بتائیں تو ان کی گزنیں ماری جائیں لیکن اگر یہ اسے حرام بتائیں تو ان پر صحت حد جاری کی جائے۔ تو گویا حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ سے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں سے شراب کی حرمت اور حلت کے بارے میں سوال کیا جائے۔ اگر یہ اسے حلال قرار دیں تو ان کی گزنیں اڑادی جائیں کیونکہ ایسا کر کے وہ قرآن کے ایک صریح حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہوں گے اور اگر اسے حرام قرار دیں تو بھی ان پر حد شرعی ضرور جاری کی جائے کیونکہ ان لوگوں نے ایسا کر کے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اب اس عمرؓ کے لئے جو شرابہ پینے اور اسے جائز قرار دینے کے جرم میں مجاہد مسلمانوں کی گزنیں کٹوا سکتا ہے، ہرگز ممکن نہ تھا کہ منکرین اور مانعین زکوٰۃ سے جنگ کرنے کے سلسلہ میں وہ خلیفۃ الرسولؐ کو ٹوٹاتا۔ آخر زکوٰۃ و اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔

مادی کچھ بھی کہا کریں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ بھی ثابت قدم رہے اور آپ کے ساتھ ہمہ امین اور نصیر بھی، اور ان کے پیرو بھی، ان سب کا مقصد یہ تھا کہ عرب کو شکست و ریخت سے بچائیں اور بہت تیزی سے مدنت میں اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو کامیابی عنایت فرمائی، جیسے آنحضرتؐ کے زمانہ میں فرمائی تھی۔ چنانچہ عرب پھر سے اسلام میں اگل ہو گئے اور زکوٰۃ بھی دینے لگے۔ ادھر طلحہ کے سامنے

بھی ہار گئے۔ پھر خود طییم بھی بھاگا اور بعد میں مسلمان ہو گیا اور اس نے از سر نو اسلام لانے کے بعد ایران کی مہم میں اعلیٰ لیاقت کا ثبوت دیا۔ اسی طرح مسلمہ کے ساتھی بھی شکست پا گئے اور مختلف مراحل کے بعد اسلام میں داخل ہو گیا۔

یہ سب کچھ ابو بکرؓ کی دور میں انجام پا گیا۔ اگرچہ یہ دور بے حد مختصر تھا۔ اس سے اگر کچھ ظاہر ہوتا ہے تو یہ کہ اس شدید آزمائش میں حضرت ابو بکرؓ اور ان کے ساتھی ثابت قدم رہے۔ آخر یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اللہ کے ساتھ اپنے پیمان کو نبھایا تھا اور ان کے قلب نظر اور دل دیگر سب سلام و اخلاص میں مہذب چلے تھے۔ سورہ آل عمران کی فیل کی آیت میں جو وعدے مذکور ہیں انہیں ان عاشقان پاک طینت نے سچ کر دکھایا تھا۔

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أُحْيَا أَعْيُنُهُمْ لِيُبَدِّلُوا لَكُمْ دِينًا يُنْقِضُونَ فِرْعَوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَيُنَبِّشُوكُم بِالذِّكْرِ لَمْ يَأْتَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، یعنی کشتگان را بہ الہی کو عام مردوں کی طرح سمجھنا غلطی ہے، یہ لوگ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں (یعنی زندہ جاوید ہیں) اور ان کو رزق بھی رہا ہے۔ یہ لوگ بعد میں شہید ہو کے ان کے گروہ میں شامل ہوئے اور ان کے بارے میں خوشیاں منانے ہیں کہ قیامت کے دن ان کو بھی رخصت ہوگا اور بندہ نمانا کہے گا چنانچہ ان شہیدان راہِ وفا نے دل کھول کر خدا کے کام میں اعانت کی اور اللہ نے بھی ان کی قربانیوں کو قبول کرتے ہوئے ان کے حق میں اپنے وعدے پورے کر دیئے، اور جیسا کہ سورہ محمد میں ارشاد ہوا ہے، اللہ نے ان کو اپنی مدد سے نوازا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ، وَبَيَّضَتْ أَقْدَامَكُمْ)

اگر اہل ایمان یقین صحابان عزم اللہ کے کام میں مروں گے تو اللہ بھی اپنی اعانت سے نوازے گا اور ان میں ثابت قدمی پیدا کر دے گا۔

جو لوگ فتنہ ارتداد کے سلسلہ کی جنگوں کی تفصیلات اور اس باب میں نیکو کار مسلمانوں کی آزمائشوں کے بارے میں مطالعہ کریں گے۔ انہیں یقیناً ان بہادروں کے کارناموں پر جو دین کی نصرت اور اس کی سر بلندی کی راہ میں کسی چیز سے بھی نہ جھجکے، اور عرب کر نبی اعظمؐ کی فات

پر کفر کی جانب پلٹ گیا تھا۔ اسلام کی طرف کشاکش لے آئے، استعجاب ہوگا۔ اور ان کے دل میں قدرانی تہوج ریز ہو جائے گی۔ یقیناً ان میں بے شمار حضرات نے، مخصوصاً مسیلہ کے مقابلہ میں جو جنگ لڑی گئی اس میں، شہادت پائی تھی، مسیلہ کے ہوا خواہ بنو حنیفہ نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ثبات قدمی رکھائی تھی اور ان کے قائد عکرم بن ابی جہل کو جنہوں نے پیش قدمی میں مدد کا انتظار کئے بغیر حلیت کی تھی، شکست دیدی تھی حضرت ابو بکرؓ نے عکرم کو اس واقعہ پر سخت تنبیہ کی تھی۔ بعد میں یرموک کی جنگ میں انہیں عکرم نے، اسلام کا نام بلند کر کے، اپنے دامن سے یہ داغ مٹا دیا تھا۔ اب حضرت ابو بکرؓ نے مسیلہ کے مقابلہ کے لئے حضرت خالدؓ کو روانہ کیا۔ پھر بھی بنو حنیفہ نے مسیلہ کا اس حد تک ساتھ دیا کہ مسلمانوں کے قدم اکٹھے گئے تھے۔ خوش قسمتی سے اس مہم میں رسول اللہ کے بعض بلند رتبہ اہل عقیدہ صحابی موجود تھے جو ایک طرف بھاگنے والوں کو ڈالتے تھے عار دلاتے تھے اور دوسری طرف رسول اللہ کی قیادت میں لڑی ہوئی جنگوں کا تذکرہ کرتے جاتے تھے۔ اسی طرز عمل کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں میں از سر نو ثبات و عزم پیدا ہوا اور انہوں نے مسیلہ کو مار کے دم لیا۔ اب بنو حنیفہ کے قلعے مسلمانوں کے زیر نگین تھے اور وہ باوجود نارضا مندی کے اللہ کے اقتدار کے تحت آپ کے تھے، میں لائے جا چکے تھے حضرت ابو بکرؓ نے عزم و ثبات قلبی، مضبوط نفس، اللہ پر مطلق اعتماد اور رسولؐ سے انتہائی عشیقہ و فدا داری دکھانے کے یہ ثبات کروا کر مسلمانوں کے سب سے بہتر پیشوا اور امام تھے۔

اور پھر ان سب صفات عالیہ کا اظہار کس سکون سے کیا گیا، جیسے آپؐ کسی مصیبت، کسی آزمائش میں مبتلا ہی نہ ہوئے ہوں۔ جیسے عرول نے آپ کے تصرف سے نکل جانے کی کوشش ہی نہ کی ہو اس دور میں حضرت ابو بکرؓ کی دو جھفتیں بہت زیادہ نمایاں ہوئیں۔

پہلی صفت تو آپ کے کامل اطمینان سے متعلق تھی، اللہ کے وعدوں کے بارے میں جس میں آپ کو ادنیٰ سا شک نہ تھا۔

دوسری صفت آپ کے اس عزم سے عبارت تھی کہ جب تک حالات پر، خواہ وہ کتنے ہی

سنگین پریچ اور ناکارہ کمپوں نہ ہوں، قابو نہ پایا جائے، کوشش جاری رکھی جائے۔ یہاں تک کہ فحشا الہی پر راہو جائے۔

باب

کشکش

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں ایک اور سخت مرحلہ آتا ہے جو ہر چند فتنہ ارتداد سے زیادہ سنگین نہ رہی، لیکن اس نفسیاتی الجھن کے پس منظر میں جو وہ اپنے جلو میں لے آیا تھا، کم سخت اور دشوار نہ تھا۔ شاید اس مسئلہ نے حضرت ابوبکرؓ کو فتنہ ارتداد سے بھی زیادہ قلبی اذیت دی تھی شاید اس مسئلے کے حل میں اپنے آپ نے اپنی راتیں جاگ کے کاٹی تھیں۔ کسے خبر! یہ مسئلہ تھا یہ کہ خلیفۃ الرسولؐ حضرت فاطمہؓ سلام اللہ علیہا کے بارے میں جو آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں (حضرت فاطمہؓ کی دوسری حقیقی بیٹی) جنہوں نے اسلئے گرامی علی المرتبیب حضرت زینب علیہا السلام، حضرت رقیہ علیہا السلام اور حضرت ام کلثوم علیہا السلام تھے) کیا نوح اختیار فرمائیں۔ ہوا یہ تھا کہ حضرت فاطمہؓ نے خلیفۃ الرسولؐ کے سامنے اپنے والد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ترکہ میں اپنا حصہ حاصل کرنے کی درخواست پیش کی تھی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آنحضرتؐ کا یہ قول تھا کہ ہر قسم پغیرانِ خدا جو بھی چھوڑ جاتے ہیں اس کی حیثیت صدقہ کی ہوتی ہے اور عام لوگوں کے ترکہ کی طرح اسے وقف میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس بات کو ترجیح دینی چاہی کہ آنحضرتؐ کا ارشاد مبارک نافذ ہو اور آپ کی دوسرے تمام انسانوں کے مقابلہ میں شان امتیاز یہاں بھی قائم رہے اس مسئلہ کی سنگینی اور اس کا اشکال اس میں مضمر تھے حضرت ابوبکرؓ نے جس دن سے اسلام قبول کیا تھا اس دن سے اس بات کے عادی سے ہو گئے تھے کہ ہر موقع پر آنحضرتؐ کی رضا کو اپنی جان عزیز تک پر ترجیح دیں حضرت ابوبکرؓ نے تمام لوگوں میں علی الاطلاق اپنے میں یہ نحو پیدا کر لی تھی کہ

آنحضرتؐ کے لئے آپ کے اہل خاندان کے لئے اور آپ کے اعزاء کے لئے سب سے زیادہ جن لوگوں کو
 برقیں۔ آپ سے بڑھ کر کسی میں رضائے رسولؐ کے حصول کا جذبہ شہید نہ تھا اور شاید اس سے
 بڑھ کر آپ کے لئے نافرمانی اور مبعوض کوئی بات نہ ہو سکتی تھی کہ آپ کی ذات سے آپ کے
 مرشد کامل کے قرابت اور دکھ پائیں۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہؑ نے حضرت سے اس کا مطالبہ کیا
 کہ آپ انہیں میراث پوری سے ان کا حق دے دیں تو اس وقت خلیفۃ الرسولؐ ایک زبردست
 الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ وہ کشمکش یہ تھی۔ اگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے
 تو رسول اللہؐ کے ایک صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور حضرت ابوبکرؓ کے لئے رسول اللہؐ
 کی نافرمانی کے مقابلے موت کہیں زیادہ سہل تھی اور اگر حضرت فاطمہؑ کی بات نہیں مانی جاتی تو
 ان کو اذیت ہوتی ہے۔ ابوبکرؓ مزاج کے لحاظ سے جو چیز آپ کے لئے سب سے زیادہ
 تکلیف دہ ہو سکتی تھی وہ یہی تھی کہ حضرت فاطمہؑ کو آپ سے رنجش ہو۔ حضرت فاطمہؑ ایک ایسی
 شخصیت سے دستوری نسبت رکھتی تھیں جس سے زیادہ محبوب شخصیت حضرت ابوبکرؓ کے لئے کوئی
 ہو بھی نہ سکتی تھی اور جس کی خاطر حضرت ابوبکرؓ اپنا سب کچھ توڑ دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔
 اس کشمکش کا نتیجہ کیا ہوا۔ آنحضرتؐ کی اطاعت کا جذبہ ہر دوسرے جذبہ پر غالب آیا اور حضرت ابوبکرؓ
 نے حضرت فاطمہؑ کا مطالبہ قبول کرنے سے معذرت چاہی لیکن ایسا کرنے میں حضرت ابوبکرؓ پر اوقات
 تک طمانی ہوئی کیونکہ حضرت فاطمہؑ آنحضرتؐ کی بیٹی تھیں اور حضرت ابوبکرؓ جس طرح اپنی جان نبی اکرمؐ
 فدا کرتے تھے، آپ کے قرابت اور پرہیزی ترجیح دیتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے یہ گوارا کیا کہ حضرت
 فاطمہؑ کو تصدیقی ہی رنجش ہو لیکن اللہ اس کے رسولؐ برحق کے احکامات ضرور نافذ ہوں۔ مجھے
 یقین ہے کہ ان چھ مہینوں تک جن میں آنحضرتؐ کے بعد حضرت فاطمہؑ بقید حیات رہیں اس
 مسئلہ نے حضرت ابوبکرؓ کو کبھیہ خاطر لکھا اور آپ اس رنج گراں نشین سے کڑھتے ہی رہے۔
 ہوا یہ تھا کہ حضرت فاطمہؑ، ترکہ نہ پانے کے بعد خلیفۃ الرسولؐ سے آزرہ سی ہو گئیں تھیں اور
 اتفاقاً کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خدا اور اپنے مقدس والد سے ملحق ہو گئیں تھیں۔ مجھے یقین ہے
 کہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے اس سے زیادہ کمشن کوئی آزمائش نہ تھی کہ آپ کے ایک اسلامی اصول
 اور حکم رسولؐ کے نافذ کرنے کے سلسلہ میں دست پر پیغمبرؐ آپ سے آزرہ خاطر ہو جائیں حضرت

ابو بکرؓ پر یہ بات بھی سخت گراں گذری تھی کہ آپ حضرت فاطمہؓ کے جنازہ میں جہنمیں است کے وقت فن کیا گیا تھا۔ شرکت دفرما سکے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے مومن و پاکیزہ بندوں کی تطہیر کا یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ انہیں سخت قسم کی آزمائشوں میں مبتلا کرتا ہے۔ چنانچہ اپنی پہلی زندگی میں حضرت ابو بکرؓ کو ارتداد کے فتنے سے نکلنے کی بڑی اور اپنی سچی زندگی میں خصوصی طور پر آپ کو اس آزمائش سے گزرنا پڑا اور اس آزمائش میں آپ نے آخر میں یہی طے کیا کہ حضرت فاطمہؓ کو ناراض کریں خواہ ان کی تار و منگلی آپ پر کتنی ہی گراں ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی رضا کو سامنے رکھیں۔

www.jmmpak

باب

حضرت ابوبکرؓ کی غیر معمولی نرمی اور غیر معمولی شدت

ارتداد کے باب میں ابوبکرؓ کے موقف (طرز عمل) پر دوبارہ غور کرنا ضروری ہے۔ اس موقع پر آپ کی دو متضاد صفیں ظہور میں آئیں۔ ہم دیکھتے آئے ہیں کہ اپنے ابتدائے اسلام سے حضرت ابوبکرؓ اپنی نرمی طبع اور رقت قلب کے لئے معروف تھے۔ شاید آپ کی یہی نرم غوی تھی جس نے آپ کو اس امر کی طرف مائل کیا تھا کہ آپ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں آنحضرتؐ سے یہ سفارش فرمائیں کہ انھیں چھوڑ دیا جائے۔

اس موقع پر حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ لیکن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ قبول کیا۔ جو قربت اور سلوک نیک کا واسطہ ملانے لگے تھے اور یہ فرمانے لگے تھے کہ فدیہ کی رسم سے جو قیدیوں کو رہا کرنے کے بعد ملے گی، مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوگی۔ اس کے برخلاف حضرت عمرؓ کے پیش نظر اہل قریش کی سنگدلانہ شہادت تھی اور وہ بلائیں اور مصیبتیں تھیں جو مسلمانوں پر قریش کی جانب سے نازل ہوتی تھیں، حضرت عمرؓ انہیں باتوں کے پیش نظر مہر تھے کہ ان قیدیوں کو تہ تیغ کر دیا جائے تاکہ ایک ملحد قریش کے عزم و ہمت میں فتور واقع ہو اور دوسری طرف اس تجربہ کے بعد کفار میں مسلمانوں کے مقابل آنے یا ان کے خلاف سازش کرنے کی جرأت نہ ہو مگر آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی بات مانی اور فدیہ لے کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعہ مسلمانوں کو ملامت کی۔ کیونکہ مسلمانوں نے فدیہ کی رقم، اس سے پہلے کہ وہ اپنی صورت اور ہیبت بچائیں

قبل کر لی تھی لیکن ان سے توقع صرف اس بات کی کی جا رہی تھی کہ وہ ہر معاملہ میں معزوی مصلحتیں سامنے رکھیں۔
سورۃ الانفال کی آیات ۶۷، ۶۸، ۶۹ ملاحظہ ہوں۔

مَا كَانَ
.....
مَاجِيئًا -

ترجمہ: پیغمبر کی شان نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی رہیں جب تک دکانوں کو قتل کر کے زمین میں کثرت سے خون (رش) بہا دے۔ تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو اور خدا آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ اور خدا غالب حکمت والا ہے اور خدا کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو جو رفدیر تم نے کیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب (نازل) ہوتا تو جو مال غنیمت تمہیں ملا ہے اسے کھاؤ کہ وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اور خدا سے ڈرتے رہو بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔“

ان آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملاطمت کا اظہار فرمایا، بیزار سی دکھائی اور ڈرایا اور اس کے بعد معاف فرمایا اور بخش دیا۔ ایک بات بالکل یقینی ہے کہ ان آیات نے آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ دونوں کے قلوب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اس شدید تاثر کے بعد صبحی حضرت ابو بکرؓ کی روش میں یہی ذمی اور موت کے عناصر شامل رہے لیکن جس وقت خلافت کا بار آپ کے کاندھوں پر پڑا اور آپ نے دیکھا کہ اگر ایک گروہ جھوٹے بیوں کے چمچے بھاگ رہا ہے تو دوسرا گروہ ننگہ دینے سے انکار کر رہا ہے پھر مسلمان قتل ہو رہے ہیں اور کچھ نئے فتنوں کا شکار ہو رہے جا رہے ہیں یعنی جب ابو بکرؓ کی نگاہوں کے سامنے یہ سب منظر آئے تو آپ کے اندر ایک شدید ترین جذبہ انتقام اٹھ گیا بیدار ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے بعض ارتداد کے قلع قمع کرنے ہی پر اکتفا نہیں کی۔ آپ نے عربوں کو اس بات پر بھی آمادہ کیا کہ ان لوگوں کو جو دائرہ اسلام سے نکل چکے تھے انھیں زبردستی اسلام کی طرف لوٹا دیا جائے۔ یہی نہیں حضرت ابو بکرؓ نے قسم کھائی تھی کہ مرتد لوگوں نے جن مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ ان کا بدلہ ہر قیمت پر لیں گے۔ آپ نے اپنے فوجی سرداروں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ دشمنان اسلام کے خلاف لڑائی میں جیتنے کے بعد ان لوگوں کو بھی ضرور ہلا کر دھکے لگائیں جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ بلکہ ان کو عبرت ناک سزا میں دیں۔

جس فوجی لیڈر نے اس معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ کی پوری پوری اطاعت کی، بلکہ اس اطاعت اور اجرائے حکم میں غلو تک کیا وہ خالد بن ولیدؓ تھے۔

خالد نے طلحہ کو شکست دے کے اس کے ماننے والوں کو اسلام میں داخل کر لیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے ان لوگوں کا بقا قب شروع کیا اور انھیں چن چن کے بڑی طرح مارا جنہوں نے بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا تھا یا گمراہ کیا تھا۔ خالد ان خطا کاروں کو کبھی پہاڑوں کی بلندیوں سے گرا دیتے تھے، کبھی کنوئیں میں ڈلا دیتے تھے اور کبھی کبھی عام لوگوں میں رعب، دہشت اور سترگی پیدا کرنے کے لئے ان دشمنانِ اسلام کو زمین میں گڑھوں کے ان پرتیر برساتتے تھے، حضرت خالدؓ فطری طور پر اپنے اندر غیر معمولی شدت اور سختی رکھتے تھے۔

جن لوگوں نے فسح مکہ کی تاریخ پر طعنی ہے انہیں یہ بات یاد ہوگی کہ حضرت خالدؓ نے کفر کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے مکہ میں قتل کا سلسلہ شروع کیا تھا جسے آنحضرتؐ نے سختی سے رد کر دیا تھا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے اپنے دست ہٹے مبارک آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

”اے اللہ میں خالد کے انجام دینے ہوئے عمل کا قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں میں بری الذمہ ہوں“
خالدؓ کی یہ درستی طبع ہمارے لئے، ان کے مالک بن زبیر کے معاملہ میں اختیار کئے ہوئے موقف کو بھی واضح کر دیتی ہے، ان کے اسی طرز عمل سے حضرت عمرؓ اور دوسرے مسلمان ان سے برگشتہ خاطر ہوئے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ جب خالدؓ طلحہ اور اس کے ماننے والوں اور دوسرے مشورہ پشتملوں کو جنہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا یا گمراہ کیا تھا، نشانچکے تو وہ مالک بن زبیر اور بنی بروع کے لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے، وہ یہ لوگ تھے جو نہ پورے طور پر مرتد تھے تھے نہ مسلمان ہی رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے صدقات کی رقمیں روک رکھی تھیں اور بس یہ دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہونے والا ہے، یعنی اسلام ٹکٹا ہے، یا اس کے دشمن غالب آجھتے ہیں۔ اور یہ کچھ بنی بروع ہی کے ساتھ نہ تھا۔ یہی اکثر قبائل کا انداز تھا۔ اب جب خالدؓ اپنی جہم میں کامیاب ہو گئے اور طلحہ اور اس کے ساتھی شکست پانگے تو خالدؓ کی اس فسح و نصرت کا مالک بن زبیر پر اثر ہوا کہ اس نے اپنے آدمیوں کو متفرق ہو جانے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان کر دیا کہ جنگ کی تیاریاں ریکارڈ ہیں۔ چنانچہ خالدؓ جب ان لوگوں کے دیار میں آتے ہیں تو میدان صاف پاتے ہیں نہ ان کے مد مقابل کوئی لشکر آتا

ہے جمعیت، اب خالد ایک جگہ رک جاتے ہیں اور فوجی دستوں کو چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں لیکن یہ ابو بکرؓ کی ہدایات کے مطابق ہوتا ہے یعنی ان لوگوں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جہاں بھی جائیں اذانیں کہیں، اب اگر لوگ ان کی اذان پر لبیک کہیں تو رک جائیں، اور اس وقت تک جنگ نہ کر ملتی رکھیں جب تک لوگوں سے اسلام کے بنیادی ارکان کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کر لیں۔

ایک فوجی ملوسی اپنے ساتھ بنی ربیع کے کچھ لوگ لے کے آئی۔ انھیں لوگوں میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ مؤرخ رقم طراز ہیں کہ یہ فوجی رستہ حجان آدمیوں کو لے کے آیا تھا اس کے آدمی بنی ربیع کے بارے میں مختلف رایوں کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ کہتے تھے کہ ان لوگوں نے اذان کے جواب میں اذان کہی تھی اور کچھ کہتے تھے نہیں کہی تھی اس کے بعد خالد نے سب کو گرفتار کر لینے کا حکم صادر کر دیا۔ یہ سب کچھ ایسی رات کو ہوا انتہائی سرد تھی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا تھا ٹھنڈ بڑھتی جاتی تھی۔ یہ دیکھ کے خالد نے کسی آدمی سے کہا کہ وہ یہ اعلان کر دے کہ ان قیدیوں کو ٹھنڈے بچانے کے لئے کچھ کپڑے وغیرہ دیں۔ اب مصیبت یہ پیش آگئی کہ قبیلہ مذکور کی زبان کی رو سے اذفتو لباس پہننا وہاں کا مطلب "اقتلوا" سمجھا گیا اور یوں مالک اور اس کے ساتھی مار ڈالے گئے۔ اب خالد نے جب شور و شیون سنا تو کہا کہ یہ مشیت ایزدی کی بات تھی جو ہو گئی۔

یہ روایت قطعاً مصنوعی اور مخترعہ عمر ہوتی ہے۔ اس کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ خالدؓ کو مالک اور اس کے ساتھیوں کے قتل کی ذمہ داری سے بری قرار دیا جائے۔ بعض دوسرے راوی اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ خالدؓ مالک سے بحث کر رہے تھے اور ان بحث مالک نے کہا: تمہارے صاحب، سربراہ اور حضرت نے یہ کہا ہے، مثلاً: اس پر خالدؓ نے کہا کہ کیا وہ تیرے صاحب اور آقا نہیں اور اسی پر اسے حمل کر دیا۔ ایک چیز قطعاً صحیح ہے، خالدؓ ہی مالک کے قتل کے ذمہ دار ہیں بلکہ اس پر حضرتؓ کے ایک چہرہ اور ذمہ دار صحابی ناراض بھی ہوئے اور انھوں نے شہادت بھی دی کہ ان لوگوں نے مالک کے ساتھیوں کو اذان کہتے سنا تھا۔ مالک کے قتل کے بعد یہ بزرگ خالدؓ کے

شکر سے الگ ہو گئے اور تم کھائی کہ ان کی فرماندہی میں آئندہ کبھی جنگ نہیں کریں گے۔ یہ صاحب مدینہ لوٹ آئے ان کا نام ابو قتادہ الانصاریؓ تھا۔ ابو قتادہؓ نے حضرت کے جلیل القدر اصحاب نے اس مسئلہ پر گفتگو کی، مہملہ حضرت عمرؓ نے بھی اور ابو قتادہؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کر کے ان سے خالدؓ کی شکایت کی۔ ابو بکرؓ نے انھیں اس بات پر سخت تنبیہ کی کہ وہ بغیر امیر کی اجازت کے لشکر سے کیسے پلٹ آئے، بعد میں حضرت عمرؓ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا کہ خالدؓ کی تلوار ستم ریز ہے انہیں معزول کر دینا چاہیے۔

حضرت ابو بکرؓ نے قضیہ کو سننے کے بعد کہا کہ خالدؓ سے تاویل میں غلطی ہوئی لیکن حضرت عمرؓ کا اصرار جاری رہا کہ خالدؓ کو معزول کر دینا چاہیے اس پر حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: یہ تم کیا کہہ رہے ہو عمرؓ، خالد اللہ کی تلوار ہیں، میں انہیں کیسے نیام میں کر لوں۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خالدؓ کو بلا بھیجا۔ خالد مدینہ آئے اور مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے یہاں آنحضرتؐ کے اصحاب جن میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ تشریف فرما تھے۔ خالدؓ کے طرز عمل اور ان کے قیافہ سے خود پسندی ظاہر ہو رہی تھی ان کا عالم یہ تھا کہ ان کے کانہوں پر ایک قیامتی جس پر فولاد کا رنگ چمک رہا تھا اور ان کی پگڑی میں چند عدد تیر جیسے جیسے گھوڑے تھے حضرت عمرؓ نے جوں ہی یہ دیکھا خالدؓ کے عمامہ کے تیر اکھاڑ کے پھینک دیئے اور کہا تم نے ایک مسلمان کو قتل کیا اور پھر اس کی عورت بھی اپنے تصور میں کر لی، خالدؓ نے ملک کے قتل کے بعد زوجہ مالک سے شادی کر لی تھی۔

رادی لکھتے ہیں: عربوں میں اس قسم کی شادیوں کو خصوصاً جنگ میں بہ کراہت دیکھا جاتا تھا۔ یہ طے ہے کہ خالدؓ نے ام تمیم سے ان کے شوہر کے قتل کے بعد عقد کر لیا تھا اور میرا خیال یہ ہے کہ خالدؓ نے یہ شادی عدت کی تکمیل کے بعد کی تھی لیکن اگر ام تمیم کو لوٹنے سمجھا گیا ہو اور انھیں ان شرائط سے مستثنیٰ سمجھا گیا ہو، تو دوسری بات ہے۔

خالدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے حضور مالک کے پورے واقعہ کو بیان کیا اور خالدؓ کا بیان سننے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ان کا عذر قبول بھی کر لیا اور ام تمیم سے شادی پر نہجائش کرنے کے بعد انھیں ان کے لشکر واپس کر دیا۔ بعض رادی معتقد ہیں کہ خالدؓ جب ابو بکرؓ کے حضور سے برآمد ہوئے

تو بہت خوش نظر آ رہے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت عمرؓ سے دوبارہ تکرار کرنی چاہی حضرت عمرؓ نے سکوت اختیار فرمایا۔

اس تمام روایت سے خالد بن ولیدؓ کی درشت خوئی اور قتل کے معاملہ میں ان کے تشدد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے ایک بات اور ظاہر ہوتی ہے وہ خالدؓ کا شوق عقیدہ ہے، اس شوق عقیدہ کا ثبوت بعد میں ملے گا۔

خالدؓ میں ہمیں ایک اور صفت کا بھی سراغ ملتا ہے۔ شاید یہ صفت خالدؓ کے قبیلہ اور بنی مخزوم کی صفت تھی یعنی خود پسندی اور شان و شوکت کے اظہار کی صفت۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود خالدؓ کی فن جنگ سے زبردست واقفیت اور عرب کو اسلام کی جانب دوبارہ لانے کی صلاحیت مسلم ہیں۔

اس سے پہلے اس امر کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل نے مسلمانوں کے مقابلہ میں اڑی جانے والی جنگ میں فوجی مدد کا انتظار نہ کیا تھا اور تیغبر کے طور پر انہیں ہزیمت اٹھانی پڑی تھی۔ اس پر صدیق اکبرؓ کو جلال آ گیا تھا۔

اس کے بعد ایک دوسرے ابو بکرؓ نے مسلمانوں کے لشکر سے ٹھکر لی تھی لیکن وہ بھی ناکام رہے تھے یہ تھے شریک بن حسد، اب حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کے لشکر کی قوت اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر خود خالدؓ کو مرتدین کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس بار انہیں شریک بن حسد کے لشکر کی امارت بھی سونپ دی گئی۔ ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار کا ایک دستہ گروہ تھا۔

خالدؓ یامر کی جانب چلے وہاں انہیں مسلمانوں کی جماعت کے کچھ لوگ نظر آئے جنہیں خالدؓ نے ترکیب سے پکڑ لیا۔ اور پھر انہیں قتل کر دیا۔ ان لوگوں میں سے صرف ایک شخص کو نہیں مارا گیا۔ اُسے ستھکڑیاں پہنانے کے قید میں کر دیا گیا اور اسے اتم تمیم کی، جن سے حضرت خالدؓ نے مالک کے قتل کے بعد شادی کی تھی، نگراںی میں دے دیا گیا۔ یہ شخص مجاہد بن مرارہ تھا۔

راوی کہتے ہیں: خالدؓ، مسلمانوں اور اس کے ساتھیوں کے مقابل آئے۔ جنگ نے شدت اختیار کر لی۔ ایسی شدت کہ اس سے پہلے فتنہ ارتداد کے قلع قمع کے سلسلہ کی کسی جنگ میں اس کا مظاہرہ نہ ہوا تھا۔ اب مسلمان ہر طرف پھیل رہے تھے۔ بھاگ رہے تھے۔ حدیبیہ ہوئی کہ مسلمانوں کی آرمی

مسلمانوں کا پھینک دینے کے لئے خالدؓ کے خیمے میں گھس گئے اور ام تمیم کو مارنا چاہا لیکن مجاہدین نے اٹھے اور مسلمانوں کو آواز دی۔ چنانچہ یہ لوگ پلٹ پرے اور ایک بار پھر گھسناں کارن پر گیا۔ اس رن کا انجام مسلمانوں کی جیت پر ہوا۔ اب سلیہ اور اس کے ساتھیوں نے ایک بلخ میں جسے مورخوں نے بلخ مرگ کہا ہے پناہ لی۔ مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے اور سلیہ اور اس کے ساتھی دروناک طور پر مارے گئے۔

اب مجاہد بن مرارہ نے جو کہ خالدؓ کی قیدی تھا، یہاں میں اپنی قوم کے زیر تصرف تعلقوں کی بابت صلح کی پیشکش کر دی۔ خالدؓ نے یہاں میں موجود سونے چاندی، ہتھیار اس کے ہر گاؤں کے آدھے باغات اور کھیتوں کے میدان اور نصف حصہ اسیران جنگ کی بنیاد پر صلح نامے پر دستخط کر دیئے۔ صلح کرنے کے بعد خالدؓ نے مجاہد سے کہا کہ "اپنی بیٹی میرے عقد میں دیدے"۔ مجاہد نے جواب دیا۔ "تم تو میری پشت پر سوار ہو (اسے توڑے ڈال رہے ہو) آخر تم بھی تو ابو بکرؓ کے ماتحت ہو"۔ اب خالدؓ نے اصرار سے کہا "اے شخص اپنی بیٹی میرے عقد میں دیدے" اور اسے ایسا ہی کرنا پڑا۔ ابو بکرؓ نے خالدؓ کی کامرانی کی اطلاع پہنچی اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ خالدؓ نے معاہدہ بن مرارہ کی بیٹی سے شادی کی ہے۔ تو آپ نے خالدؓ کو جہالتش کہتے ہوئے لکھا کہ "تم کو تو بس شادی سے کام ہے، ام خالد کے بیٹے خواہ تمہارے ساتھ کے مسلمان کسی عالم میں ہوں"۔

ساولیوں کا خیال ہے کہ خالدؓ نے اس نامہ کو دیکھ کے کہا تھا ہونہ ہونہ یہ عمرؓ کا کام ہے۔ حالت جنگ میں خالدؓ نے طبعاً کوشی اور سختی آہی جاتی تھی عراق کی مہم میں جس میں آپ کو عربوں اور ایرانیوں کی متفقہ ٹولوں سے لڑنا پڑا تھا، ان کی یہ شدت اور بھی نمایاں ہوتی تھی ارتداد کی جنگوں اور سلیہ کی جنگ کے بیان سے اصل غایت یہ تھی کہ خالدؓ کی بعض صفات نمایاں ہو جائیں۔ شیخینہؓ میں بعض امور میں جو زبردست اختلاف سائے پیدا ہو گیا تھا ان کی بنیاد خالدؓ کی یہی بعض عادتیں اور خصوصیات صفات تھیں۔ یہ اختلاف سائے جس کا، ابھی ذکر ہوا، حضرت ابو بکرؓ کی وفات سے ختم نہ ہوا تھا۔ اس کا سلسلہ جاری رہا تھا اور بالآخر خالدؓ کو معزول اور جنگی اور سپاہیانہ زندگی سے محروم ہونا پڑا تھا خالدؓ کو آخر زمانہ سکون احمد امن میں کاٹنا پڑا۔ اپنے مرض الموت میں خالدؓ نے فرمایا تھا۔

"بھنڈا میرے جسم کے ہر حصہ پر تلوار کے گھاؤ لگ چکے ہیں لیکن عجیب بات ہے کہ میں آج

مریستر پر رہا ہوں۔" جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کا تعلق ہے۔ آپ حضرت خالدؓ کی شجاعت، قوت کاروائی اور جنگی بہادری سے حد درجہ متاثر تھے۔ اور خالدؓ بھی اس ابوبکرؓ کی حسن ظن کو پورا کر دکھاتے تھے اور ہر موقع پر زبردست جنگی لیاقت اور بصالت و ہر آنگی کا ثبوت دیتے تھے۔ خالدؓ ہی تھے جنہوں نے طلحہ کو شکست دی تھی۔ سنی حلیفہ کے باقی ماندہ افراد کو دارالہ اسلام میں لائے تھے اور دونوں موقوف پر کر زبردست اور ضربت کاری کے مقام تھے، زبردست شجاعت دکھائی تھی۔ اسی شجاعت حضرت ابوبکرؓ کا کوئی دوسرا فوجی قائم نہیں دکھا سکا تھا۔ عراق کی تسخیر و نصرت کے سلسلہ میں تو خالدؓ کے کارنامے معجزہ آسا اور حیرت انگیز ہیں۔ اگر عراق کی مہم میں آگے بڑھنے سے ابوبکرؓ کی حکامات خالدؓ کو روک نہ لیتے تو دکن فاروقی کے بعض واقعات بہت پہلے پیش آجاتے اور کون جانتا ہے کسری شاہنشاہوں کے پائے سخت مدائن پہنچنے کے معاملہ میں خالدؓ نے سعد ابن ابی وقاصؓ پر سبقت حاصل کر لی ہوتی۔

لیکن اس قدر شناسی کے باوجود حضرت ابوبکرؓ کو خالدی خدمت اور شدت کا احساس تھا۔ آپ ان مواقع پر جب خالدؓ کے اندر ایرٹش کی حیثیت سے کسی مہم پر جانے سے زیادہ خوشگوار کوئی بات نہ ہو سکتی انہیں تاکید اور حکم سے محروم دیا کرتے تھے۔ ابوبکرؓ نے خالدؓ کو ہدایت کی تھی کہ وہ عراق کی مہم چھوڑ کر شام کی طرف پلٹ جائیں اور وہاں مسلمان بھائیوں کی مدد کریں۔ اور ان پر امانت بھی انہیں کو حاصل رہے گی۔ شام میں خالدؓ کی کا نگذاری بہت زیادہ فیجہ غیر ثابت ہوئی اور اس کے اثرات بے حدود و رس نکلے۔ حضرت ابوبکرؓ کے اعتماد کی یہی وجہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود خالدؓ کو معزول نہیں کیا۔

حضرت عمرؓ نے اس مسئلہ کو باطل ہی دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کا لفظ نگاہ یہ تھا کہ قائدین لشکر کو اطاعت امیر کرنی چاہیے اور انہیں اعتدال کی حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیے اور عام مسلمانوں کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے سپاہیوں کی بھی مقبولیت حاصل رہنی چاہیے اور ان میں بڑبڑاؤ نہ ہونا چاہیے۔ پھر قائدین لشکر کو حد درجہ منصف مزاج بھی ہونا چاہیے۔ ظلم و زیادتی سے دود اور نفور ہونا چاہیے اور دینی معاملات میں سپاہیوں کے لئے ایک نمونہ بننا چاہیے۔ حضرت عمرؓ کے یہ ایک جنگ منہج و کامرانی یا شکست ہزیمیت سے زیادہ اہم دین کا مسئلہ تھا۔ دین بگ پر فائق تھا۔

حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ خالدؓ نے ایک ایسے شخص کو جس کے بارے میں قابل اعتماد اور ذوی العدل اصحاب نے یہ شہادت دی تھی کہ وہ مسلمان ہے، قتل کیا اور اس قتل پر سزا نہ کرتے ہوئے مقتول کی بیوی سے بڑی عجلت کے ساتھ عقد بھی کیا۔ تو آپ کو یقین سا ہو گیا کہ اس قتل میں آپہیت کم تھی، درشتی مزاج اور دنیا طلبی کو زیادہ دخل تھا۔

اس سے حضرت عمرؓ کو سخت تکدر ہوا تھا اور آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو خالدؓ کے معزول کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب یہ بات نہ مانی تو آپ چپ ہو رہے۔ لیکن خالدؓ کے بارے میں آپ کی رائے تبدیل نہ ہوئی۔ پھر جب آپ نے یہ دیکھا کہ یہاں میں آنحضرتؐ کے چید چیدہ اصحاب و جہاگیرین اور انصار قتل ہو گئے اور ان جنگوں میں تقریباً گیارہ بارہ سو مسلمان ہلاک ہوئے۔ اور یہ دیکھا کہ اس بلا خیزی اور حشر سامانی پر بھی خالدؓ نے بنت مجاہد، یعنی امّ نسیمؓ، مادہ مالک سے شادی کے تصور سے ہی دن بعد عقد چرایا۔ تو آپ سجدہ نماز میں بیٹے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سب دیکھنے کے بعد، حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہوئے۔ کم از کم حضرت عمرؓ نے خالدؓ کے معاملہ میں ابو بکرؓ کی رائے کو متاثر ضرور کر دیا تھا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ نے اس سلسلہ میں سوائے حضرت خالدؓ کی ایک نمائش کے جس کا ذکر ہو چکا ہے، اور کچھ نہ کیا۔

کہنے کا مقصد کچھ یہ نہیں کہ خالدؓ کے باب میں شیخینؓ کے موقف پر جو اختلاف تھا اس پر شرح و بسط ضروری ہے۔ میرے نزدیک اپنے اپنے مقام پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں نے اجتہاد کیا۔ اور دونوں کا اس اجتہاد سے مقصد رضائے الہی کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے یہ پایا کہ خالدؓ ایک جنگی شخصیت کے مالک ہیں۔ سب سے لائق اور سب پر فائق، اقدار نمائے جنگ انہیں معزول کر دینے سے مسلمان گھلاٹے میں رہیں گے۔ شاید ان کی ہمتیں پست ہو جائیں گی اور دشمن کے مقابلہ میں وہ کمزور پڑ جائیں گے۔

حضرت عمرؓ کے سامنے اعلیٰ آئیڈیل تھا، وہ مییار مطلق کے قائل تھے اور اس سلسلہ میں کسی بھی مصلحت کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابو بکرؓ کی سلسلے میں یہی تھی کہ قوت ہائے خالدؓ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن جب انہوں نے جنگ میں حد اعتدال سے تجاوز کیا تو انہیں لدا بھی گیا اور ایک فوجی معاملہ میں ان کی نمائش بھی ہوئی۔ مالک کی بیوی امّ نسیمؓ اور واقف

یہ امر کے بعد جامعہ کی بیٹی سے عقد کرنے پر بھی خالد بن ولیدؓ کو تنبیہ کی گئی ایک اور موقع پر بھی خالدؓ کی تنبیہ ہوئی۔ ہوا یہ تھا کہ عراق کی کشتی کے بعد خالدؓ نے محض چند خاص کو اطلاع دیتے ہوئے لیکن عام سپاہیوں سے چھپاتے ہوئے حج کا ارادہ کیا۔ اور اہل شکر پر یہ ظاہر کیا کہ وہ ممکنہ عواقب اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کے پیش نظر دشمن کی تفتیش کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ خالدؓ نے ملکہ کا قصد ایسے راستے سے کیا جو عام حجاج کا راستہ نہ تھا۔ حج کے بعد خالد بن ولیدؓ نے اپنے لشکر سے آگے۔ ابو بکرؓ کو خالدؓ کے حج کے بارے میں بالکل بعد میں علم ہوا۔ اب صدیق اکبرؓ نے خالدؓ کی فہمائش کی اور انھیں شام جانے کا حکم دیا۔ اس موقع پر شام میں اسلامی لشکر سخت اور خطرناک پوزیشن میں تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے مراسلے کی عبادت سے، جیسا کہ اسے رادیوں نے بیان کیا ہے ظاہر ہوتا ہے کہ غلیفہؓ اولیٰ بن کو خالدؓ کی دوسرے قائدین کے مقابلہ میں لیاقت اور جہارت اور حالات سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت کا پورا پورا احساس تھا۔ لیکن اسی مراسلہ کی عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خالدؓ کو اپنے طرز عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی تھی اور انھیں اس بات سے روکا گیا تھا کہ وہ اپنے لشکر کو چھوڑ کر یا لابلالہ اور خضیہ طور پر حج کر کے آجائیں۔ کیونکہ قائد کی غیر موجودگی میں سپاہ اسلام کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ اسی طرح خالدؓ کو خود پسندی اور تکبر سے روکا گیا تھا کیونکہ اس سے ان کے عظیم کارناموں پر پانی پھر سکتا تھا انھیں یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ہر بات میں محض اللہ کی رضا و رضوان کی کیونکہ حقیقی پادشاہ اور انعام اس کے دربار سے مل سکتا ہے۔ غالباً حضرت ابو بکرؓ کو خالدؓ کے اس عجب اور ان کی اس خود پسندی کا احساس یوں ہوا کہ وہ (خالدؓ) اپنے پر اس درجہ اعتماد کرنے لگے تھے کہ انھوں نے اسلامی لشکر کو اس عالم میں چھوڑ کے آنا گوارا کر لیا تھا اور دشمن کو اس درجہ حقیر گردانا تھا۔ حج کے لئے اس عجلت اور اس سرعت سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایام حج میں، لوگوں کے اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، خصوصاً بنی مخزوم کے لوگوں کو اپنی کارگزاریوں سے واقف کرنا چاہتے تھے۔ عراق کے کارنامے پر خالدؓ بنی حاطہ پر فخر کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ نہ صرف یہ کہ خالدؓ نے عراق عرب کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ انہوں نے عراق کی کمک پر پہنچنے والے ایرانیوں کو بھی

مغلوب کر لیا تھا اور عراق کو اسلام کے تصرف میں اذ سر نہ لے آئے تھے۔ خالدؓ اور ان کے ساتھی حملہوں کو ان کے دہلیں میں لوٹا رہے تھے۔ ایرانیوں اور عجمیوں کی فوجوں کو خالدؓ فی الفور شکست دے دیتے تھے۔ عراق میں جنگ کے تسلسل، ایرانیوں کی شدید کوشش کے عراق ان کے ہاتھوں سے نکلنے نہ پڑے، اس معاملہ میں ان کی ثبات قدمی، یہ تمام چیزیں تھیں جن سے خالدؓ کو زبردست اشتعال پیدا ہوتا تھا۔ اس حد تک کہ خالدؓ نے ایک بار قسم کھالی تھی کہ اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو گئے تو دشمنوں کے خون کی نہر بہائیں گے۔ دشمن کو ہرا چکنے کے بعد خالدؓ نے منادی کر دی کہ قیدیوں کا پتہ چھایا کیا جائے اور صرف ان کو مارا جائے جو اطاعت قبول نہ کریں۔ مسلمانوں نے قیدیوں کا اس حد تک پتہ چھایا کہ ان کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی اب خالدؓ کو اپنی قسم یاد آئی۔ نہر کا پانی رکوا کے اطول نے قیدیوں کو مار مار کے ان کی گردنیں گھبر میں ڈالنی شروع کر دیں۔ نادویوں کے قول کے مطابق یہ عمل ایک دن اور ایک رات جاری رہا۔ جس پر ایک صحابی قحطاع بن عمروؓ نے کہا تھا کہ خون یوں بہنا نظر نہیں آتا اور زمین بھی خون کو خشک نہیں کر سکتی۔ اس لئے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے پانی بہنے دو۔ اب جب خالدؓ نے پانی بہنے کا حکم دیا تو پانی کے ساتھ خون بھی شامل ہو کر بہا۔ اسی لئے اس مخصوص نہر کو خونی نہر سے تعبیر کیا جانے لگا۔

راویوں نے یہ روایات بیان کر کے مبالغہ آرائی کی انتہا کر دی ہے۔ اتنا یقینی ہے کہ خالدؓ نے قس و دشمنان اسلام میں تشدد برتا تھا۔ اتنا کہ اسے دیکھ کے قحطاع اور ان کے ساتھیوں سے نہ رہ گیا۔ خالدؓ کی سخت گیری اور دہشت مزاجی کی یہ ایک تصویر ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ یہ بات ہے کہ خالدؓ عراق عرب کو دوبارہ اسلام کے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہو گئے تھے اور اہل فارس دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ ان کی تو یہ خواہش تھی کہ انھیں حضرت ابو بکیرؓ کی اجازت دیں کہ وہ ایرانیوں کے گھر میں گھس کے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن انھیں اس امر کی اجازت نہ دی گئی۔ ادھر خالدؓ کے لئے دستاویز تھا کہ وہ مشغلہ جنگ کے بغیر عراق میں ڈیرے ڈالنے پڑے رہیں۔ چنانچہ عراق میں اپنے اس ایک سالہ قیام کو جس میں وہ لڑائی سے محروم رہے خالدؓ عورتوں کا سال کہا کرتے تھے! شام جلنے کے احکامات پاکر خالدؓ کو بڑی گرانی محسوس ہوئی۔ اس سے ایک بڑا موقع ہاتھ سے نکل گیا موقع یہ تھا کہ ایران سے جنگ جاری رکھی جائے لیکن تک کہ

ان کے پائے تخت مدائن پر تصرف پایا جائے۔ مگر خالد کے لئے سوائے اطاعت امیر کے کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا۔ اب خالد کو چارہ دانا چاہنے آدھے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کے لئے شام روانہ ہونا پڑا۔ شام کی جانب ان کی پیش قدمی اور حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ان کا اس طرف بڑھ جانا، انتہائی عجیب واقعہ تاریخ ہے۔

ابوبکرؓ دور تھا ہی قصوری سی مدت کا۔ لیکن جتنا بھی تھا۔ اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں پے پے ایسے حوادث رونما ہوئے کہ جذبات مشتعل ہو ہو گئے، خلد سیدہ لوگ بدلہ ہو ہو گئے۔ پرسکوں طبیعتوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور وہ لوگ بھی اپنی روش بدلنے پر آمادہ ہو گئے۔ جناب تک نرمی اور مردت کو اول لے جانتے تھے۔ اب تک حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے خاص الخاص مقربین یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ طوعاً یا کرہاً کیسے سما سہی اہل عرب سلام بہر حال قبول کر چکیں۔ اور کم از کم جو جرہ نمائے عرب میں جہاں تک تعلق ہے تشریش کی کوئی بات باقی نہیں صرف ان عربوں کو جو فارس اور روم میں پھیلے ہوئے ہیں اور پرانگندہ ہیں انہیں آزاد کرانے کی ضرورت ہے۔ یہ امر بھی اس لئے ضروری سمجھا گیا تھا کہ عرب کی سرحدیں محفوظ ہو جائیں اور عربوں پر کسی بیرونی طاقت کا دباؤ نہ رہ سکے۔ ان لوگوں کے پیش نظر یہ بات تھی کہ آنحضرتؐ نے بہر صورت روم کی سرحدوں سے ملنے والی عرب سرحدوں کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ موتہ میں لشکر روانہ کیا تھا۔ غزوہ تبوک میں بنفس نفیس قیادت فرمائی تھی۔ اسامہؓ کے لشکر کو مرتب کئے جانے اور اسے شمال کی سمت بھیجنے کی شدید تاکید فرمائی تھی۔

عرب یہ سمجھ چکے تھے کہ آنحضرتؐ کے ان اقدامات کا اصل مقصد یہ تھا کہ آخر کار قسطنطنیہ کی عیسائی سلطنت کے تصرف اور تغلب سے منتشر اور پرانگندہ عربوں کو نکال لیا جائے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ اگر فریق اعلیٰ سے نہ جا ملے ہوتے تو عراق میں پھیلے ہوئے عربوں کو بھی ایرانی شاہنشاہوں کے جنگل سے نکال لیتے۔

جہاں تک ابوبکرؓ کا تعلق تھا وہ ہمیشہ اس روش کا اختیار کرتے تھے جو ان کے خیال میں آنحضرتؐ کے اس وقت بقید حیات ہونے کی شکل میں خود آپ کی ہوتی۔ ابوبکرؓ کے سامنے اس وقت مثلہ تھا جرہ نما کے حدود کے باہر پرانگندہ اور منتشر عربوں کو آزاد کرانے کا۔ لیکن

قبل اس کے کہ صدیق اکبرؓ اپنے عظیم الشان سزوار کے خاکے میں رنگ بھر سکیں، انھیں ایک دوسرا ہی منظر دکھائی دیتا ہے۔ وہ یہ تھا کہ مدعیان نبوت، نبوت کے بے اساس دعووں کے ساتھ آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے ہی پہلے نکل پڑے تھے۔ اور ان کے پیچھے ایک گروہ کا گروہ چل پڑا تھا۔ تمام عرب جاہلیت کی طعن پلٹ آیا تھا۔ زکوٰۃ جسے امیروں سے اس لئے لیا جاتا تھا کہ وہ فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دجائے۔ اب ایک ایسے خراج اور ایسے ٹیکس کی شکل میں لوگوں کو دکھائی دینے لگی تھی جسے گریا مدینہ میں بیٹھا ہوا کوئی حاکم لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ وصول کر رہا تھا۔ نبی کریمؐ کی زندگی میں تو خیر لوگوں نے جبراً یا جہراً زکوٰۃ کے بارے میں اللہ کا حکم مان لیا تھا اس لئے کہ انہیں اس کا اندازہ ہو گیا تھا کہ نبوت میں اتنی طاقت ہے اور اتنی قوت ہے کہ اس سے ٹکر نہیں لی جاسکتی۔ لیکن جوں ہی رسالت کا آفتاب غروب ہو گیا اور اختیار کی زمام ایک ایسی شخصیت کے ہاتھ میں آئی جسے عرب ایک عام سوب سمجھتے تھے تو لوگوں میں نایک ہوجان پیدا ہو گیا۔ اور اس ہوجان اور اضطراب کے بعد ہی لوگ ان تھاقی سے انکار کر بیٹھے جسے وہ تسلیم کر چکے تھے۔ اب ان کی نظر میں یہ زکوٰۃ قبیلہ قریش کے لئے ایک محصول نظر آنے لگی۔ ظاہر ہے اس خیال کے آتے ہی عصیت اور عصیان شعار ہی ظہور پانے لگے۔ لوگوں نے سوچا آخر وہ ایک قبیلہ کے باغڈار کیوں بن بیٹھیں۔ اور محض ایک ایسے شخص کی اطاعت کیوں قبول کر لیں جو آخر ہے تو محض ایک خاص قبیلہ کا قریش کا یعنی :

اگر وہ دیر لوگ، اب تک نبی اعظمؐ کو زکوٰۃ کی ترسم حوالے کرتے تھے تو نبی اعظمؐ کی اور بات تھی۔ اس پہلے ہی نازل ہوتی تھی۔ چنانچہ نئی صورت حال سے نمٹنے کے لئے ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ قریش اور ابو بکرؓ سے جنہیں وہ محض نہیں قبیلہ قریش کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے زکوٰۃ کو مستثنیٰ کر داتے ہوئے اسلام کے ارکان پر صلح کر لیں۔ یہ زکوٰۃ سے اس لئے جان چھڑانا چاہتے تھے کہ وہ جاہلیت میں اس کے عادی در تھے۔ اب جب ابو بکرؓ نے ان دجہل، مشرط کو قبول کرنے سے انکار کیا تو بادیہ نشینوں نے ان کی بعیت ہی توڑ دی۔ انھیں بہت سہل گرداں۔ ان کے گروہ کی قلت اور اپنی کثرت اور زیادتی تعداد پر غرور کیا۔ حد یہ کہ کہنے والے نے کہا :-

رسول اکرمؐ موجب تک ہم پر سایہ نکلن رہے ہم اطاعت مشاعر رہے لیکن یہ ابو بکر رضی اللہ عنہا کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ رسول اعظمؐ کے مرتبہ اور اقتدار کی دراشت حاصل کر کے ہم سے طالب

اطاعت ہوں!

بادشاہین عربوں نے ابوبکرؓ کو اس سے زیادہ اور نہ سمجھا تھا کہ انھیں قریش کی سرداری حاصل ہو گئی تھی اب یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے بادشاہوں اور تاجداروں کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ شام کے غسانی اور عراق کے منافذہ (منذر کی جمع) نے کبھی عربوں پر تسلط نہ صحایا تھا اور نہ ان پر کسی قسم کے محاصل عائد کئے تھے۔ پھر اس قریشی سردار مراد ابوبکرؓ کو دفعۃً کیا ہو گیا تھا کہ عربوں پر اپنی ملکیت اور بالاکتتی جہلا رہا تھا۔ ان سے محاصل وصول کر رہا تھا۔

ان لوگوں نے ابوبکرؓ کو بالکل سہل سمجھ لیا تھا۔ نوبت تسخیر تک پہنچ چکی تھی۔ مگر کامطلب فوجیز اونٹ ہے، چنانچہ ابوبکرؓ کے لفظی تلازم کا تسخیر ہوتا تھا اور بکر کے مترادف فضیل سے صدیق اکبر کی کنیت بنائی جاتی تھی۔ اس موقع پر سنجیدہ اور باشعور اشخاص جو اپنے مسلک سے نہیں ہٹتے تھے ان جہلا کو نیک و بد سمجھاتے تھے اور کہتے تھے۔

آج تم یہ سب کچھ کر رہے ہو، کل دیکھو گے کہ تمہیں انہیں ابوبکرؓ رضوی معنی: چھوٹے اونٹ کا باپ، کو ابوالفضل الاکبر (سب سے بڑے اونٹ کا باپ) کہنا پڑے گا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ تم سے باکرامت اور باوقار اور سنگین اور رفیع الشان ہے۔

ان سب باتوں سے حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے مشیر سمعت مکرر اور غضبناک ہوئے۔ بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاصؓ ہنعمان میں رسالت پناہ کی سوچی ہوئی ایک ہم سفر کر کے وہاں گھاس پور ہے تھے تو راستہ میں ان کی مدد بھڑ قرۃ بن حبیبو سے جو بنی عامر کا ایک مرزا تھا، ہو گئی۔ سردار بنی عامر نے موصوف کو اپنے ہاں ٹھہرایا لیکن چلتے وقت ان سے کہا: "سنئے ہو، عرب تم لوگوں کو اب یہ ٹیکس نہیں دینے کے"۔ بات بڑھ گئی اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس شخص کو نہ بولی دی۔ مدینہ پہنچنے پر عمرو بن العاصؓ نے آنحضرتؐ کے محرم اور معتمد رفقا کو راستے کے ان مشاہدات سے آگاہ کیا اور یہ لوگ یسین کر کہ عامتہ انساں سلام سے ہٹ رہے ہیں، لرز گئے۔ باتیں ہونے لگیں وہیں حضرت عمرو بن الخطابؓ نے ان کی طرف سے ملنے کی عرض سے آنے۔ انہیں دیکھ کے سب خاموش ہو گئے۔ حضرت عمروؓ نے فرمایا: "عینب کا علم اللہ کے سرا کسی کو حاصل نہیں البتہ مجھے گمان یہ ہوا کہ تم لوگوں کو عرب عوام کے ارتداد اور

ان کی سہمہ شکنی کا جس کی اطلاع عمر بن العاصؓ نے نہیں دی ہے احساس ہو گیا ہے۔ تم یہ سن کر لرز اٹھے ہو اور اب بیٹھے ہوئے مشورہ، سب نے کہا: ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، بخدا، مجھے تو اس کا زیادہ خطرہ ہے کہ کہیں تم لوگ اس موقع پر سستی نہ دکھائی دے۔ اب جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے اس بات سے یہ حقیقت بالکل ہی واضح ہو جاتی ہے کہ مرتد لوگوں سے جنگ کرنے کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے ہرگز اختلاف رائے نہ فرمایا تھا۔ گو اکثر راوی یہی لکھتے آئے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ عرب کس حد تک اسلام سے وفقتہ ملیٹ گئے تھے۔ ان کے اندر یہ جذبہ تک بیدار ہو چکا تھا کہ وہ جاہلی زندگی کو از سر نو اپنائیں۔ وہ بالکل گمراہ ہو جانے پر آمادہ ہو چکے تھے۔ اس موقع پر ابوبکرؓ کا سرعت کے ساتھ کا اقدام کام آیا جس سے قوم فلاح کی جانب بھر پڑی گئی۔

اس میں کوئی اہمیت کی بات نہیں کہ اس صورت حالات سے صالح قسم کے مسلمان پریشان خاطر اور تشویش زدہ ہو گئے تھے اور اس نے ابوبکرؓ جیسے شخص کو جو تندی اور سختی کے بجائے طاقت کو ترجیح دینے میں مشہور تھے، مجبور کیا کہ وہ اپنی رکش چھوڑ دیں اور اپنی روایات سے ہٹ کر راستہ اختیار کریں۔ مرتدوں نے جس طرح عام مسلمانوں کو سہل گردانا تھا حضرت ابوبکرؓ کو بھی سہل مانا تھا۔ اس کے رد عمل کے طور پر، بالکل قدرتی بات تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نرم خونی کے باوجود اس حد تک سخت گیر ہو جائیں یعنی ابریشم سے فولاد بن جائیں۔

بنی سلیم کا ایک شخص جسے فجاجہ کہتے ہیں اور جس کا نام ایاس بن عبدالمیل ہوتا ہے آگے یہ کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مرتدوں سے جنگ کرنی چاہتا ہے اور یہ شخص سازو سامان اور ہتھیاروں کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسے ضروری چیزیں (سامان جنگ) فراہم کئے جائیں۔ اسی یہ غدار اور خائن اور بدطینت شخص مدینہ کے باہر بھی نہیں آتا کہ اس کی نیت ظاہر ہوئے لگتی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے جیسے کچھ لگے جمع کر لئے اور بے دھرم لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کافر اور مسلم کی قیدار اٹاتے ہوئے، اور یوں ملک میں ابتری اور انتشار کا باعث بن بیٹھا۔

حضرت ابوبکرؓ کو اس کا علم ہوا۔ آپ نے اپنے عمال اور کارندوں کو حکم دیا کہ کچھ لمبی ہو فجاہ کو ہر حالت میں پکڑ کے لائیں۔ اور اگر اسے قتل نہ کیا جائے تو قید میں ڈال کے لایا جائے ایک کاربند حکومت نے زبردست مشکلات کے بعد فجاہ کو پکڑ لیا۔ اب ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ مدینہ میں مصلیٰ کے مقام پر، یعنی وہاں جہاں آنحضرتؐ اور مسلمان عیدین اور جنازہ کی نمازوں کے لئے نکلتے تھے، اہل سلاطیٰ جائے اور اس میں فجاہ کو ڈال دیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے اس غدار کو یہ عبرتناک سزا دی گئی کہ اسے آگ میں جلا دیا گیا و اقویر ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ اس شخص کی غداری پر سخت غضبناک نہ ہوئے ہوتے اور ارتداد کے فتنے کو اس جیسے شخص کی خیانتوں سے تقویت پاتے نہ دیکھتے اور اس انتہائی تشدید اور سخت عبرتناک سزا پر مجبور نہ ہو گئے ہوتے تو شاید وہ اللہ اور اس کے عظیم رسولؐ کے اس دشمن کی سزا میں دوسرا راستہ اختیار کرتے۔

سورہ مادہ کی ۳۳ ویں آیت کے پیش نظر جس کا مطلب یہ ہے :-

”جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں، یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب تیار ہے۔“

معتبر راوی بیان کرتے ہیں کہ بعد کہ حضرت ابوبکرؓ کو فجاہ کے لئے جلائے جانے کا حکم دینے پر ندامت ہوئی اور اپنے مرض الموت میں انہوں نے اپنے عبادت کرنے والوں سے اس کا اظہار بھی فرمایا۔

اس ندامت کی ایک بڑی واضح سی دلیل یہ ہے کہ بعد میں جب آپ کے سامنے وہ قیدی لائے جاتے تھے جنہوں نے مثلاً لوگوں کو ارتداد پر اکسایا تھا اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے قبائل کی قیادت اور رہنمائی اختیار کی تھی۔ تو آپ انہیں سختی سے ڈانٹتے تھے ان کو نہ پھانسی فرماتے تھے اور پھر ان سے توبہ قبول کرنے کے بعد انہیں چھوڑ دیتے تھے۔ اس طرز عمل اور روش سے بہت سا خون بہنے سے رہ گیا اور اس قوم کو معاف کر دیا گیا

جس نے بعد میں اسلام کے لئے فتوحات مہمل کرنے میں زبردست صلاحیتیں دکھائیں، طلحہ
اسلام کی طرف دوبارہ آیا اور اس کے بعد تھوڑی مدت کے لئے شام میں جا کے رہ پڑا۔ پھر
عمرہ کا ارادہ کیا اور مکہ جلتے ہوئے مدینہ سے گزرا بھی۔ مسلمانوں نے اسے پہچان لیا اور حضرت
ابوبکرؓ کو اس کی اطلاع دی کہ مدینہ سے قریب ہی طلحہ مکہ کی طرف گامزن ہے اس پر
رحیم انقلاب خلیفہ اہل راہ کو بکریہ نے فرمایا تھا۔

”و اب میں اسے کیا سزا دے سکتا ہوں اور اس کے ساتھ کیا معاملہ کر سکتا ہوں
جبکہ اللہ نے اسے اسلام کی جانب پلٹا دیا ہے“

ابتداءً خلافت صدیقی میں جو لوگ مرتد ہو گئے تھے۔ ان میں کم از کم طلحہ سے
بڑھ کر، خلافت فاروقی کے دوران، ایرانیوں کے مقابلہ میں کسی نے داد شجاعت نہیں دی۔
کچھ بھی کہا جائے اور امر واقعہ کچھ ہی ہو، یہ طے ہے کہ ابوبکرؓ میں بوزری اور سختی کا
امتزاج تھا۔ کہ نرمی کے موقع پر نرمی برتی جائے اور سختی کے موقع پر سختی سے کام لیا جائے
اسی کا نتیجہ تھا کہ ارتداد کا، آپ کے دور میں خاتمہ ہو گیا۔ اور اسلام سے ایک بار نکل
جانے کے بعد عرب از سر نو اسلام کے دائرہ میں آگئے اور یہ سب کچھ خلافت کے پہلے ہی
سال میں انجام پا گیا۔ اس کے بعد ہی ابوبکرؓ کے لئے یہ بات ممکن ہو سکی کہ شام میں اور عراق
میں منتشر عربوں کو آزاد کرنے کے کام کا آغاز کر سکیں۔

باب ۹

عراق و شام کی تسخیر

حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ عراق کی فتح ممکن ہوئی گئی ورنہ میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا ارادہ اس کشور کشائی کا نہ تھا۔ دراصل ابوبکرؓ نے نقطہ نگاہ سے جو چیز زیادہ اہم تھی وہ نہیں کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل تھی۔ یہ کام شام کی فتح مکمل کرنے اور ادھر ادھر پھیلے ہوئے عربوں کو رومی اقتدار سے نجات بخشنے سے متعلق تھا۔ ممکن ہے شام کے مسئلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ از خود عراق کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ مگر حالات کا اقتضا کچھ اور ہی ہوا تھا جیسا کہ آپ کو علم ہے حضرت ابوبکرؓ کو امور سلطنت سنبھالتے ہی یعنی خلافت کے پہلے ہی سال میں ارتداد کے فتنے سے نبرد آزما ہونا پڑا اور اس سلسلہ میں شمشیر بھی اٹھانی پڑی۔ اس سال آپ نے شام کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ دراصل اس وقت کا اہم مسئلہ تھا، جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور شامی فوج کشی کے پیش نظر حفظاً تقدم کرنا۔

بحرین میں، ربیعہ کے مرتدوں کی سرکوبی اور اس کی تسخیر میں ابوبکرؓ کا بیجا ہوا لشکر کامیاب ہوا۔ عین اس زمانہ میں ایک شخص جس کا پہلے بکر بن وائل سے اور پھر بنی شیبان سے تعلق تھا۔ مردے از غیب کی مانند منظر عام پر آیا۔ اس عالی ہمت شخص نے اپنے علاقہ میں اس گروہ کو جو مرتد نہیں ہوا تھا اور اسلام پر قائم رہا تھا قیادت کی تھی۔ اور اس کے بعد اسی شخص نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے تلخ فارس کے ساحل پر مرتدین کا چمچا بھی کیا تھا۔ اتفاق سے اسے اپنے ارادہ میں کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس کامیابی سے فکری اور روحانی طور پر تقویت پاتے ہوئے، زرعیم آگے بڑھ جاتا ہے اور عراق کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے۔ اب عراق عرب قبائل اسلام کے گھونڈے پہلے پہل

گئے تھے۔ قدرتی طور پر اس عالی حوصلہ شخص کے اندر عراق کے اندر داخل ہوجانے کی محرک بیدار ہوتی ہے اور اسے یہ آرزو ترٹانے لگتی ہے کہ پورے عراق کو اسلامی اقتدار کے ماتحت کر دیا جائے۔ مگر معاملہ ایسا آسان نہ تھا۔ ایک ایسی زبردست اور خطرناک ہم جنگ کے لئے جس میں سخت محرک آرائی کا امکان تھا اور ساتھ ہی مسلمانوں کے لئے طرح طرح کے خطرات بھی تھے۔ غلیظہ اولیٰ کی منظوری لازمی تھی۔ چنانچہ یہ شخص جس کا نام مثنیٰ بن حارثہ الشیبانی تھا، مدینہ جا کے حضرت ابوبکر سے ملاقات کرتا ہے۔ اس ملاقات میں مثنیٰ اپنی تمام کارگزاریوں کی رپورٹ پیش کر کے مملکت کے گھنڈے پیش کرتے ہیں۔ مرتد مسلمانوں سے اپنی جنگ اہل فارس کے مکرو فریب انداز کی دوسری وسیلہ کاریوں کے بارے میں تفصیلات عرض کرتے ہیں اور آخر کار حضرت ابوبکر سے مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں ان کی قوم کی امارت عطا فرمائیں اور ساتھ ہی عراق میں داخل ہونے اور اہل عراق کے مجتمع ہوجانے کی صورت میں ان سے جنگ کی اجازت مرحمت کریں۔ یہ بات یقینی سی ہے کہ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر کے سامنے مسائل کو اس انداز میں پیش کیا کہ آپ کو عراق کی فتح آسان نظر آنے لگی، یعنی آپ کی نگاہوں میں یہ ایسی مشکل بات نہ لگئی۔ مثنیٰ نے یہ بھی کہا کہ ان کے قبیلہ یعنی بنی بکر کے بے شمار لوگ عراق میں پھیلے ہوئے ہیں اور یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ وہ ان کی دولت پر لبیک کہتے ہوئے عند الضرورة ان کی مدد سے دریغ نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکر نے اس معاملہ پر بے حد غور و خوض فرمایا۔ اپنے مشیروں سے رائے لی اور مثنیٰ کو اجازت دے دی۔ چنانچہ مثنیٰ آگے بڑھے اور عراق کو عبور کر لیا۔ ابھی وہ عراق میں داخلی طور پر تصرف نہ ہوا پائے تھے کہ انہیں احساس ہوا کہ ایران کی طاقت دوسرے کا اس زمانہ میں عراق پر جبروی تصرف تھا۔ اہل پناہ ہے مثنیٰ اگر اس بات کا احساس ہو گیا کہ اہل ایران عراق کے معاملہ میں ہرگز ہرگز تنہا ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ اور نہ وہ اس بات کی اجازت دیں گے کہ ان کے تخت تصدیف علاقے بادشاہین عربوں کے لئے کھل جائیں تاکہ وہ اس علاقہ پر یکپوش کریں اور پھر کچھ عرصہ وہاں قیام کر کے تتر بتر ہوجائیں اور اس طریق جنگ کر کے ایک ایسے علاقہ کو ایران کے تصرف سے نکال لیں جس پر ایک نام نہان سے ان کا قبضہ چلا آیا ہے، یہ اسباب تھے کہ مثنیٰ نے کی آمد پر اہل فارس اکٹھے ہو گئے اور ان کے مقابلہ کے لئے بسیلہ سپر!

خلیفہ رسول اللہؐ کے علم میں یہ سب کچھ آیا۔ اس کے باوصف آپ نے مجھے اس کے کہن میں
کو واپس بلائے ان کی مدد کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں خالد بن ولیدؓ
کا جو یامد کی جہم سے فارغ ہو چکے تھے انتخاب فرمایا۔ آپ نے انہیں (خالد بن ولیدؓ) کو عراق
پہنچا اسلامی لشکر کی قیادت اور کمان سنبھالنے کا حکم دیا۔ اب مثنیٰ بن خالدؓ کے
ماعت ہر کے کام کرنا تھا۔

ادھر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ساتھ یہ مصیبت تھی کہ انہوں نے پیامبر کے مشکلات اور خطرات
اور دہلی کے آفات سے نبرد آڑ ماہوں نے والے لشکر کے اکثر افراد کو اپنے اپنے گھر واپس
ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ خالد بن ولیدؓ کے تھکے ہارے لشکر میں اب مشکل سے
کوئی دو ہزار سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ اسلامی فرماندہ (خالد بن ولیدؓ) نے مرکز سے مدد چاہی تھی جو
قتضیٰ بن عمرؓ کی سرکردگی میں روانہ کر دی گئی تھی۔ خالد بن ولیدؓ کو یہ حکم تھا کہ سپاہی کی حیثیت سے صرف
لشکر کی بھرتی کریں جو ہر عالم میں اسلام پر قائم رہے تھے اور مرتدین کے گردہ شکست خوردہ
میں سے کسی کو قبول نہ کریں اور کسی کو مجبور بھی نہ کریں کہ وہ ان کے ساتھ ہوئے۔ عین اسی وقت حضرت
ابوبکرؓ نے عیاض بن عمیرؓ کو دستہ اسماعیلہ کیا۔ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ مذکورہ علاقے میں ارتداد
کے فتنے کو جبر سے اکھاڑ پھینکیں۔ اور اس کے بعد حمیرہ کے علاقے سے عراق میں داخل ہوئے
اب اگر وہ خالد بن ولیدؓ سے پہلے عراق پہنچ جائیں تو وہ امیر لشکر اور خالد بن ولیدؓ ان کے سردار
لیکن اگر اس کے برعکس اگر خالد بن ولیدؓ پہلے عراق پہنچ گئے تو انہیں خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ہم
کرنا ہوگا۔

خالد بن ولیدؓ کو اسلام کی تلوار تھی اور مسلمانوں کے ترکش کا وہ تیر جس سے کبھی نشانہ خطا نہ ہو
عراق تک پیش قدمی کرتے رہے، کرتے رہے یہاں تک کہ عراق پہنچ گئے۔ اور پوری جانفشانی اور
جاں سپہی سے جنگ لڑی بلکہ اس حد ہی تو کر دی۔ نتیجہ یہ تھا کہ خالد بن ولیدؓ ایرانوں اور ان کے ماعت
عربوں پر فتیاب ہو چکے تھے! اس کے بعد خالد بن ولیدؓ اچانک حمیرہ کے مقام پر پہنچ گئے اور
اہل حمیرہ کو صلح پر مجبور کر دیا۔ چند مہینوں میں خالد بن ولیدؓ نے عراق کی فتح کے کام کو مکمل کر لیا۔
اور ایرانوں پر غالب آگئے اور انہیں عراق سے مار بھگا گیا۔ ادھر عیاضؓ کا یہ حال ہوا کہ

دو درمہ الجندل ہی میں رہے اور ان کی بات بالکل پیش نہ کی جاسکی۔ ہاں جب خالد نے ان کی مدد کی تو بات کچھ سنی۔ یوں خلیفۃ الرسولؐ کی مرضی کے مطابق عراق کا کام مکمل ہو گیا اور جیسا کہ میں نے پہلے کہیں اشارہ کیا ہے۔ اسی عہد کے دوران خالدؓ کو بڑے اہم تجربیات اور کامرانیوں حاصل ہوئیں۔

یوں ارتداد سے منٹ چکنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے تابناک دور میں عراق کی فتح بھی پائی گئی۔ لیکن چونکہ خالدؓ نے شام کی عہد میں مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک دستہ بھیجا تھا۔ اس لئے عراق اپنے اس اطاعت گزارانہ رویہ پر قائم نہ رہا اور وہاں بغاوت و سرکشی کے آثار رونما ہو گئے۔ حالات نے ایسا رنگ اختیار کر لیا تھا کہ ایرانیوں کے عراق پر دوبارہ تسلط پانے کے امکانات روشن ہو رہے تھے۔ اہل عراق کی اکثریت نے اپنا عہد توڑ دیا تھا۔ اب مثنیٰ بن عرق (فتح عراق کے محرک) اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ خالدؓ ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور ان کے ساتھ لشکر کا نصف حصہ خلیفہ کے حکم پر شام کی عہد پر روانہ ہو چکا ہے! اب مثنیٰ بن عرق کے لئے ممکن بھی نہ تھا کہ باقی ماندہ مسلمانوں کی مدد کے بھروسہ پر فائل اور ان کے عرب نژاد پیروؤں سے مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ مثنیٰ بن عرق جو بڑا مدنیہ لوٹ آئے مدینہ پہنچنے پر مثنیٰ بن عرق نے خلیفۃ الرسولؐ کو بیمار پایا اور ایسا بیمار کہ جو پھر تندرست نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود ابوبکرؓ نے مثنیٰ بن عرق سے ملاقات کی اور ان کی بات سنی اور حضرت عمرؓ کو وصیت فرمائی کہ ان کی مدد کریں خلیفہ ہونے کے بعد اور عراق کو کسی حال میں نہ چھوڑیں۔ یوں مسلمان اس جنگ میں بھٹس گئے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا میں یہ بڑی آسان و کھالی دی تھی لیکن بعد میں اس کی دشواریاں نمودار ہوئیں اس جنگ میں خالد بن ولیدؓ تمام آزمائشوں پر پورے اترے۔ مناسب یہ ہوتا کہ خالدؓ بنفس نفیس اسلام کا جھنڈا لے لے ایران پہنچ جاتے اور اس وقت دم لیتے جب شاہنشاہان ایران کی قوت بالکل ہی زائل ہو جاتی۔

لیکن اس معاملہ کے اس وقت ایسا نہ ہونے کا سبب خود ابوبکرؓ کی نقطہ نگاہ تھا، حضرت ابوبکرؓ کے سامنے یہ بات تھی کہ عراق سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے شام سے منٹ

لیں۔ تاکہ رسول اللہ کے ارادے، پایہ تکمیل کو پہنچ سکیں اور زمینوں سے آئیریش کا جو سلسلہ شروع ہو گیا تھا اس سے نجات حاصل ہو سکے۔

اس کے بعد ہی، قبل اس کے کہ حضرت ابو بکرؓ شام میں اپنے لشکروں کی حاصل کی ہوئی فتوحات دیکھ سکیں آپ رفیق اعظم سے جا ملے۔ اب یہ حضرت عمرؓ کا کام تھا کہ ایک طرف عراق کو دوبارہ اسلام کے اقتدار کے تحت لائیں اور دوسری جانب شام کی فتح کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔

www.jmmpa

باب

خالد بن ولید کے کارنامے شام کی فتنہ

جس چیز نے عراق کی فتنہ مکمل ہونے سے پہلے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو سوریرہ یا شام کی جنگ کی طرف راغب کر دیا تھا وہ آپ کا یہ عزم تھا کہ شام اور یروب کے مشترکہ حدود کے قریب کے علاقہ کی عرب سرزمین کی حفاظت کی جائے۔ خالد بن سعید بن العاص کو اسی مقصد سے مدانہ بھی کیا گیا۔ نہیں یہ حکم تھا کہ یتماؤ کے مقام پر مسلمانوں کے لئے ایک حفاظتی دیوار بن کے مقیم ہو جائیں۔ چنانچہ خالدؓ اور ان کے ساتھی منزل مقصود (تھا) پہنچ گئے۔ ان کے مقابلہ کے لیے شام کے عرب قبائل اور رومی لشکر جمع ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن خالدؓ اور ان کے ساتھی دشمنوں پر لڑ پڑے اور ان کو شکست دیدی۔ اب خالد بن سعید کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ جس طرح اس کے نامور ہمنام خالد بن ولیدؓ کو عراق میں کامیابا، اندر فتح حاصل ہوئی تھی ویسے ہی انہیں شام میں حاصل ہو۔ اسی جذبہ کے ماتحت خالد شام کے اندر داخل ہوتے گئے۔ عربوں یعنی شامی عربوں اور رومیوں نے انہیں ایسا کرنے دیا یعنی شام کے اندر فنی علاقوں میں داخل ہو جانے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خالد حدود عرب سے بے حد دور جا پڑے۔ بس پھر کیا تھا، دشمن پلٹ آیا۔ خالد کو گھیر لیا اور ان کے بیٹے سعید کو قتل کر دیا۔ خالد مجبور ہو گئے کہ اپنے ساتھیوں سمیت کسی صورت، موقع سے فرار کر جائیں۔ فرار اس شد و مد سے ہوا کہ خالد اور ان کے ساتھی مدینہ کے قریب آ کے رُکے۔ جب ابو بکرؓ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے خالد کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ سے اگے مت بڑھیں، وہیں رُکے رہیں اور مدینہ تک مت آئیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو پہلے ہی خالد کوشام کی ہم پر روانہ کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔ ان حضرات نے اس لئے کا اظہار کیا تھا کہ خالد ایک خود پسند، جلد باز اور نا عاقبت اندیش شخص ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ مشورہ قبول نہیں کیا۔ ہاں جب خالد کو شکست ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے خیر اندیشی کی تھی اور خالد بن سعید کو یہ دلیل حضرات بہتر سمجھتے تھے۔

حقیقت کچھ بھی ہو بعد میں حضرت ابوبکرؓ اس بات پر مجبور ہوئے تھے کہ اس شکست کا اثر زائل کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایک لشکر تیار کیا جس کے کئی دستے تھے، اور ہر دستہ کی امارت اور قیادت ایک شخص کے سپرد تھی۔ ہر امیر کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ شام کے ایک حصہ کو فتح کرے اس کی مدد فرما سنبھال لے۔

امریہ تھے۔ عمر دین اعاصیہ کو حکم تھا کہ فلسطین کو فتح کر کے اس کی حکومت سنبھالیں۔

یزید بن ابی سفیان نے حکم تھا کہ دمشق کو فتح کریں۔

ابو عبیدہ بن الجراح نے حکم تھا کہ حمص کو فتح کر لیں۔

ہر شخص کو حکم تھا کہ نامزد علاقہ کو پہنچ کر یہ فتح کرے پھر اس کی حکومت سنبھال لے۔

اس سے پیشتر عکرمہ بن ابی جہل نے خالد بن سعید کے لئے فوجی کمک روانہ کی تھی۔ خالد کے فرار ہو جانے کے بعد عکرمہ بن ابی جہل لشکر کو شامی ادبہ اور دمیوں کے نرٹنے سے نکال کے ددرہٹ گئے اور شام اور جزیرہ عرب کے حدود پر آ کے جمع ہو گئے۔

رومی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ اب خالد فرار ہو چکے ہیں، اسلامی فوج سرحدوں کی طرف ہٹ چکی ہے مزید خطرہ نہیں رہا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ابو عبیدہؓ جابہ (دمشق کے قریب) یزید بن ابی سفیان بلقا، یعنی دمشق کے ایک دیہات کے نزدیک اپنی فوجیں لے لے کے آپٹاکی اور ہر طرف سے بڑھ بڑھ کر سرحدوں کو عبور کر رہے ہیں تو وہ مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے مستعد اور چمکنے ہو گئے۔ دمیوں نے ہر اسلامی امیر کے مقابلہ کے لئے ایک زیادہ بازو اور پُر جمعیت لشکر روانہ کیا اب اسلامی قائدین لشکر نے جو دیکھا تو انہیں محسوس ہوا کہ وہ الگ الگ روئے کے دمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اب جب ان لوگوں نے آپس میں مشورہ

کیا یعنی صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے تو عمرو بن العاصؓ کی بات مان لی گئی۔ عمرو بن العاصؓ نے مشورہ دیا تھا کہ سارے اسلامی جوش ایک میدان میں جمع ہو جائیں ان لوگوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد نہ تھی۔ رومیوں کی تعداد جو مقابلہ کے لئے آئی تھی بہت زیادہ تھی بعض اندازوں کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ مسلمان ایک میدان میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ بھی ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو گئے اور مسلمانوں کے بالکل سامنے آ کے ٹھہر گئے۔

میں ان روایتوں کو بیان تو کر رہا ہوں لیکن میں انہیں مبالغہ سے خالی نہیں پاتا۔ ہمارے لئے بہت مشکل ہے کہ ہم امرا و جوشِ اسلامی کے الگ الگ موقوفوں کے بارے میں بیان کردہ اعداد و مقامات کے بارے میں مطمئن ہو جائیں۔ ایک بات ان تمام روایات میں التبتہ یقینی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان بیروک کے ایک ساحل پر اکٹھے ہوئے۔ اور رومی دوسرے ساحل پر، اس کے بعد مسلمانوں نے بیروک کو عبور کر لیا اور رومیوں کے بالکل مقابل آ گئے۔ راویوں کے قول کے مطابق تین ماہ کی مدت تک دونوں لشکر

ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے رہے اور ایک دوسرے پر تیر پھینکتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا کسی لشکر کو بھی دوسرے لشکر میں قتل عام کی جرأت نہ ہوئی تھی صورت حال کا علم حضرت ابوبکرؓ کو ہوا۔ آپ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ عراق میں مقیم اسلامی فوج کے نصف حصہ کو لے کر شام کی جانب پیش قدمی کریں۔ راویوں کا خیال ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اس موقع پر یہ فرمایا تھا کہ خدا میں خالد بن ولیدؓ کو بھیج کر رومیوں کے شیطانی دوسے انہیں بھلا دوں گا۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو حضرت خالدؓ کی زبردست صلاحیت پیش قدمی کا احساس تھا۔ آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ جب تک اسلامی لشکروں کے ساتھ خالدؓ جانا باز نہ آئیں گے وہ مزید کچھ نہ کر سکیں گے۔ لیکن بہر صورت فتح و کامرانی کے لئے مغلوں نیت اللہ اور رسول کی مرضی کا احساس اور دشمن سے جہا و سپاہی اور راست بازی کا اظہار ضروری تھے۔ صدیق اکبرؓ کو یقین کامل تھا کہ اگر مسلمان اسی انداز میں لڑیں جس انداز میں وہ رسالتِ کاتب کے عہد میں لڑتے تھے تو وہ یقیناً کامیاب ہوں گے۔

اللہ نے اپنے برحق نبیؐ اور اہل ایمان سے ارشاد فرمایا ہے۔

”اب اللہ نے تمہارا بوجھ کم کر دیا ہے۔ اسے اس کا علم ہے کہ تم میں (مادی وسائل) کمی ہے تاہم اگر تم میں تنو آدمی صبر و ثبات اور عزم و ہمت والے موجود ہوں گے تو وہ دوسرے پر غالب آجائیں گے اور اگر ہزار ہوں گے تو وہ در ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے۔ اللہ کی نصرتیں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی ہیں جن میں صبر و عزم سہوتا ہے؛“ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے لئے اس صورت میں کہ ان کی منتیں خالص ہیں اور وہ جنگ کی مشقتیں اور صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہیں، دشمن کی کثرت، تعداد قطعاً کوئی باعثِ پریشانی امر نہیں۔ طاریت اور جلالت کی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے۔ یہ سوسہ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وہ لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ انہیں جمال الہی نصیب ہوگا اور وہ اللہ سے ملاقات کریں گے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد صبر و ثبات والوں کے ساتھ ہے اور کہتے ہیں کہ تعداد والے گروہ زیادہ تعداد والے گروہوں کا مقابلہ میں کامیاب اور فاتح المرام ہو چکے ہیں“

اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد کم اور ان کے اس وقت کے مقابلہ دہیوں کی تعداد زیادہ ہے۔ نیش و شکست کا مدار کثرت و قلت پر نہیں صبر و ثبات بلکہ عزم و یقین پر ہے۔ غرض یہ کہ خالدؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہنچ چکے تھے۔ اس میں خالدؓ کو عظیم مصائب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ شام پہنچنے میں خالدؓ کو ایک ہرنانک اور ہلاکت خیز دشت سے گزرنا پڑا تھا۔ جو مطلقاً بے آب و گیاہ تھا۔ اس صحرائے حسیب سے سلامتی گزرنے کے لئے خالدؓ نے یہ کیا تھا کہ اونٹوں کو سیراب دسیراب کر دیا تھا۔ پھر ان کے منہ اور کان وغیرہ خوب کسوا دیئے تھے۔ اب جس وقت صحرائیں گھوڑے یا دوسری سواریاں پیاس سے حد درجہ مضطرب اور قریب المرگ ہونے لگتے تھے۔ ان جفاکش اور خا کش اونٹوں کو فوج کر دیا جاتا تھا۔ اور ان کے شکموں کو چاک کر کے پانی نکال لیا جاتا تھا اور پیاسے جانوروں کو سیراب کر دیا جاتا تھا۔ گزشت آدمی کہا جاتے تھے جس وقت خالدؓ مسلمانوں کے لشکروں سے جا ملے تو ان کی آمد اپنے حلو میں ایک نیا دلولہ نیا عزم لے کر آئی۔ آتے ہی خالدؓ نے لشکروں کو ایک

فرمانِ دہی اور قیادت کے نیچے، ایک جھنڈے تلے، جمع ہو جانے کا مشورہ دیا۔ البتہ تلے یہ پایا کہ ہر روز ایک ایک امیر پورے لشکر کی قیادت کرے گا حضرت خالدؓ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ پہلے دن ان ہی کو امیر لشکر کل بنایا جائے میں اس بات کو یوں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابو بکرؓ نے پورے لشکر کی کمان خالدؓ کے سپرد کرنے کے بعد ہی ان کو بھیجا تھا۔ تو گویا لشکروں کی یہ نئی تنظیم اور ان کی سرنوی وحدت ابو بکرؓ کی احکام کے بعد ظہور پذیر ہوئی تھی۔ ساتھ ہی ہر امیر کا اپنا حق بھی محفوظ رکھا گیا تھا۔ جس وقت خالدؓ تمام پہنچے اور تمام لشکر ان کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تو وہ قائد عام ہو گئے۔ اب انہوں نے اس وقت تک انتظار کیا جب تک تمام فوجی دستے جمع نہ ہو گئے۔ اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی سخت اور سنگین جہم سہری کر اس سے پہلے عرب کی تاریخ اس کی نظیر نہیں ملیں کر سکتی۔ سلاطین لشکر نے بہت بھاری بھاری اور دبیز اور بھراؤ قسم کے گھوڑوں کے جسم سے ہلتی جلتی ٹنگلیں تیار کیں اور انہیں کھینچ کھینچ کے دشمن کی فوج کو مارا غرض ہزارا فتن اور مصیبتیں تھیں لیکن اس کے بعد مسلمان فتح یاب ہو چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شام کے اصل فاتح خالد بن ولیدؓ نہیں مگر انہوں نے ابو بکر صدیقؓ کے لئے اتنی بھی فرصت زندگی باقی نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس نصرت و نصح پر شادمانی کا اظہار کر سکے۔ وہ بیمار پڑے پھر اسی میں جان بحق تسلیم ہوئے۔ اب حضرت عمرؓ کے دور کی ابتدا ہو چکی تھی۔ آپ نے لشکر کو حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کی خبر اور خالدؓ کے بجائے ابو عبیدہؓ کی قیادت لشکر کا حکم دو دن ایک ساتھ سمجھاؤے۔ خالدؓ کو لشکر کی قیادت سے محروم کر دیا گیا تھا۔

راویوں کا خیال ہے کہ تالیفِ روم کا قاصد رات کو پہنچا تھا اور رات ہی کو اس نے ابو عبیدہؓ کو ان کی نئی حیثیت کی اطلاع دے دی تھی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا اور فوراً خالدؓ کو نہیں بتایا۔ اس خیال سے کہ مبادا لشکر کے اندر برہمی پیدا ہو جائے، خالدؓ کو بھی اس واقعہ معروضی کا علم اس وقت ہوا جب مسلمان حیت چلے تھے اور دمشق کی راہ کھل چکی تھی۔

باب

صدیق اکبرؓ کی دیانت

خلافت صدیقی کی مدت دو سال اور چند ماہ رہی۔ راویوں میں ہمینوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ اسلامی خلفائے کوئی ایک شخص اتنی قلیل مدت میں اتنا کچھ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس وقت حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوتا ہے تو آنحضرت کے دور مبارک کی طرح جزیرہ نمائے عرب از سر نو سلام کے دائرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ اپنے پورے دور میں اس جلیل القدر پیشوا نے صبر اور سچائی اور عزم اور ضبط کا زبردست ثبوت دیا تھا۔ ابوبکرؓ کی مشکروں نے بوجہ اس امتداد کے فتنے کو ختم کیا۔ مرنے سے پہلے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے انھیں مسلمانوں کو ایران کی شہنشاہیت سے ٹکرا دیا اور قبضہ کرنے پر مسلمان عراق عرب پر قابض ہو گئے اور اگر حضرت ابوبکرؓ صرف چند ماہ اور جئے ہوتے تو وہ اس اطمینان کے ساتھ۔ اس تسکین کے ساتھ، عازم فرزدوں بریں ہوتے کہ ان کے لائق اور جری سپاہیوں نے رومیوں کو پیچھے دھکیل کر قیصر کے لشکر کو سرنگوں کر دیا۔ ادھر شام کے سارے راستے مسلمانوں کے لئے کھل چکے تھے جہاں وہ اب آزادانہ چل پھر رہے تھے اور زمین شام کو مسلمانوں کے لئے رومیوں سے لے رہے تھے۔ ان سے چھین رہے تھے۔

اس فتح کی شادمانی اور اس کے نغمہ کے طور پر مزید مسائل اور خطرات کے نبرد آزما ہونا۔ یہ سب کچھ ابوبکرؓ کے لئے میسر نہ آسکا۔ یہ سب مقدر تھا ان کے جانشین خلیفہ کے لئے۔ عمر بن الخطاب کے لئے! اب تک حضرت ابوبکرؓ کی جنگی سیاست پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ابتدا میں تو ان کا دور خلافت جزیرہ عرب میں جنگ کے مصالحت کا دور نہایت ہوا تھا

اور اس کے بعد ہی شام اور عراق میں، ابھی تک انھیں اپنی داخلی سیاست یعنی عربوں کے اسلام کی طرف پلٹانے کے بعد، ان کے بارے میں طرز عمل کے تعین کی فرصت نہ مل سکی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کی تمام سیاست ان کی افتتاحی تقریر کے پہلے جملہ میں مرکوز تھی: "میں آنحضرتؐ کی کامل تقلید کروں گا، جدت اور اجتہاد یا نئے تجربات سے گریز کروں گا؛ جنگ میں تدبیر عرب میں، قرابین اور احکامات کے اجراء میں ہر معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے اور آپؐ آنحضرتؐ کی مطلق اتباع لازمی کر لی تھی۔"

جہاں تک مدینہ کا تعلق تھا اور اس شہر کے معاملات کا حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کی مدد سے انہیں خود ہی اپنی نگرانی میں لیتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ مدینہ کے تمام امور میں مطلق طور پر قوت قضائہ تھے۔ یعنی مقدمات وہی فیصل کرتے تھے لیکن عجیب بات ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی مقدمہ ہی پیش ہی نہیں ہوا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ کچھ حضرت ابوبکرؓ ہی نفس آنحضرتؐ کی راہ پر گامزن نہ تھے تمام اہل مدینہ اسلام کے راستہ پر گامزن تھے ان کی روش میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ پھر آپس کے جھگڑوں کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا حضرت ابوبکرؓ شہر کے باہر ایک پھونس کے مکان میں قیام کرتے تھے۔ خلافت کے بعد وہ اس مکان میں چھ مہینے اور رہے، مہول یہ تھا کہ روز صبح وہ امور مملکت و حکومت کی نگرانی کے لئے مدینہ آجاتے تھے۔ ان کے لئے نمازوں کا جماعتی انتظام فرماتے تھے اور پھر شام کو واپس ہو جایا کرتے تھے۔ اپنے اہل و عیال کے ساتھ رہنے کے لئے۔

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کی وفات سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اس خاص قبیلہ انصار میں جہاں آپؐ سحیح کے مقام پر ایک مکان میں رہتے تھے، ادا شنیدیوں اور بھیر بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد ایک دن آپؐ آپ کیا سنتے ہیں کہ ایک لڑکی یہ کہہ رہی ہے، ارے اب تم ہمارے جانوروں کا دودھ کیوں نہیں دوہتے؟ آپؐ نے فرمایا۔ بخدا میں اب بھی اس شغل کو جاری رکھوں گا۔ مجھے پوری پوری امید ہے کہ خلافت کے باوجود میرے طرز عمل میں ادنیٰ سی بھی تبدیلی واقع ہوگی یہ سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہا اور کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکرؓ مدینہ کے اس مکان

میں آگے بڑھ کر حضرت نے آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ اسی مکان میں آپ تادمِ مرگ مقیم رہے۔ خلافت کے باوجود آپ نے اپنا کاروبار دوبارہ شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کے دور میں آپ کا مشغلہ تھا لیکن امت کے عام مسائل اور سب سے بڑھ کر عربوں سے جنگ کے مسائل مانع آئے۔ چنانچہ مسلمانوں نے آپ کے لئے اور آپ کے اہل و عیال کے لئے ایک قسم مقرر کر دی۔

بعض راوی کہتے ہیں کہ آپ کے لئے شروع میں دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئے تھے جو بعد میں آپ کے کہنے پر اڑھائی ہزار درہم ہو گئے تھے۔ بعض دوسرے کہتے ہیں کہ شروع میں اڑھائی کی تجویز تھی جو بعد میں تین ہزار درہم سالانہ ہو گئے تھے۔

جس وقت آپ کو اپنی موت کا آنا یقینی سا معلوم ہوا آپ نے سلمیٰ زدم بیت المال میں واپس کر دیں۔ اس کے لئے آپ نے اپنی مملوکہ زمین حکومت کو دیدی۔ تمام راویوں کا بیان ہے کہ حکومت کی جانب سے صدیق اکبرؓ نے ایک غلام، یا ملازم لوکا ایک لادھدار اونٹنی اور ایک پانچ درہم قیمت کی قبا (جسے آپ اپنے اوپر ڈال لیتے تھے) لے لئے تھے۔ بس۔ جو ہی آپ کو یقین ہو چلا کہ آپ اپنی بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں گے آپ نے یہ تمام اشیاء بھی اپنے خلیفہ ماجد کو لوٹا دیں۔ جس وقت حضرت عمرؓ کو یہ اشیاء کوٹائی گئیں تو انہوں نے روتے ہوئے فرمایا تھا کہ ابو بکر نے اپنے ہاشمینوں کے لئے بڑا ہی کٹھن میسار پیش کر دیا ہے۔ داخل سیاست میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی روشیں تقریباً ایک سی تھیں۔ دو امور میں البتہ فکر و نظر کا اختلاف تھا۔

پہلی بات یہ تھی۔ ارتداد کے فتنہ کو دبانے کے سلسلہ میں جو جنگیں ہوئی تھیں یا عراق میں جو فوج کشی ہوئی تھی۔ اس سے حاصل شدہ مال غنیمت کے معاملہ میں قائدین لشکر سورہ الانفال کی آیت ام کے احکامات کو سامنے رکھتے تھے۔ اس آیت کا معنوم یہ ہے۔

وہ اور مان لکھو کہ جو چیز تم کفار سے لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے رسول کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور مساکینوں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس نصرت پر ایمان رکھتے ہو جو سق و باطل میں فرق کرنے کے دن یعنی جنگِ یوم

میں جس دن دونوں فوجوں میں مدد بھیجی ہو گی۔ اپنے بندے محمدؐ پر نازل فرمائی اور خدا ہر چیز پر قادر ہے ۵

چنانچہ مالی غنیمت کے پانچ حصوں میں چار حصے اہل شکر میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔ کبھی کبھی غیر معمولی کارنامے انجام دینے والوں کو پانچویں حصہ میں سے بھی کچھ دیا جاتا تھا۔ بقیہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آجاتا تھا آپ اس کو تمام مسلمانوں پر، مردوں، عورتوں، آزادوں اور غلاموں سب پر مساوی تقسیم فرمادیتے تھے۔

جس وقت حضرت ابوبکرؓ سے ان بزرگوں کے بارے میں، جنہوں نے اسلام لانے میں دیر پر سبقت حاصل کی تھی اہل انحضرتؐ کی قیادت میں لڑے تھے، گفتگو کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ انہیں تو اللہ اجر دے گا۔ دنیا تو مل ہی جاتی ہے لیکن حضرت عمرؓ نے عطیات اور وظائف کا نظام قائم کر کے اس روش سے انحراف کیا تھا۔

ایک اور بات بھی تھی۔ عراق اور شام میں حضرت ابوبکرؓ نے صرف ان مسلمانوں کو لڑنے کے لئے بھیجا تھا جو انحضرتؐ کی وفات کے بعد اسلام پر قائم رہے تھے اور مرد نہ ہوئے تھے جو لوگ مرد ہو چکے تھے بعد اسلام لے آئے تھے انہیں کچھ تو سزا کے طور پر اور کچھ خدشات کے پیش نظر، حضرت ابوبکرؓ اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ اسلام کی فتوحات میں شریک ہوں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس حکم کو بعد میں قائم نہیں رہنے دیا۔

حضرت ابوبکرؓ ایک مسلمان کی صفات سے متصف تھے اور کسی بات میں ان کو کوئی خواہ امتیاز نہ تھا۔ چنانچہ جب کچھ لوگوں نے آپ کو "خليفة الله" کہنے کے پکارا تو آپ نے تصبیح اور تصریح کر دی۔

”میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں۔ فقط اللہ کے رسول کا خلیفہ (نائب) ہوں“

حضرت ابوبکرؓ کا دور اس طرح کٹ گیا کہ آپ بھی ملت کی عمومی اطاعت و شجاری سے مطمئن تھے اور ملت بھی آپ کی قیادت سے راضی رہی۔ کبھی کسی مسلمان نے آپ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی تھی مسلمان آپ سے اور آپ مسلمانوں سے راضی رہے۔

ایک اور چیز جس پر محدثین اور علماء کا اتفاق ہے یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے، مقررے

تردد کے بعد، قرآن کے جمع کرنے کا مشورہ حضرت عمرؓ سے قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے تردد اس لئے کیا تھا کہ آنحضرتؐ کے دور میں قرآن جمع نہ ہوتا تھا اور آپ کو حضرت ابو بکرؓ کو آنحضرتؐ کی سبکدوشی اور تکلیف مقصود تھی۔

میلہ سے جنگ کے دوران بارہ سو اوصحابہ سولی شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان مقولین میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جن کے سینوں میں قرآن مکمل یا نامکمل طور پر محفوظ تھا۔ جب قرآن یاد رکھنے اور اس کی تلاوت کرنے اور حفظ کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت یوں منتقل کر دی گئی تو حضرت عمرؓ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ ممکن ہے دوسرے جنگی مواقع پر حفاظت سب کے سب یا ان کی سبب بڑی تعداد ختم ہو جائے اور ان کے بارے جلنے کے ساتھ ساتھ قرآن کا اکثر حصہ ان کے ساتھ چلا جائے۔ تلف ہو جائے۔ اب حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ وہ قرآن کی آیات کی شیرازہ بندی شروع کر دیں تاکہ اس کے کسی حصہ کو محض کسی خاص اہل قرأت کے شہید ہو جانے سے مٹ جانے کا خطرہ نہ لاحق ہو جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو اس میں پہنچو پیش بھی ہوا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس باب میں اتنا اصرار کیا کہ خلیفہ الرسولؐ کو قابل ہونا ہی پڑا۔ روایت محدثین و علماء قرآن کے مطابق مشورہ عمرؓ قبول کرنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابتؓ کو جو ایک ذی عقل اور تندرت نوجوان تھے اور مدینہ میں آنحضرتؐ کا تلامذہ تھے، بلا کے قرآنی آیات ایک جگہ اکٹھی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت زیدؓ نے اس میں اس نقطہ نگاہ سے کہ یہ آنحضرتؐ کا فضل و تقاضا اور دیکھا لیکن اب شیخین نے زید بن ثابتؓ کو اس امر پر آمادہ کر لیا اور اس میں مضمون، اسلام اور مسلمان کے فائدہ ان کے سامنے پیش کئے۔ اب زیدؓ اس عظیم اور گراں ذمہ داری کو قبول کر چکے تھے، چنانچہ اب زیدؓ نے قرآنی آیات کو، جو سینوں میں رسینہ لے کر مردم عرفان میں منتشر تھیں جمع کرنا شروع کر دیا تھا کسی بھی آیت کی عبارت اور اس کے متن کو زیدؓ صرف اس شکل میں قبول کرتے تھے، جب کم از کم دو مختلف اصحاب از نبیؐ اس متن اور اس نص کو بعینہ اور یکساں بیان کر دیں۔ زیدؓ نے پتھروں کی بسولہ اور اوٹ کی پشتوں اور کھجور کی کھالوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ کیونکہ قرآن انھیں چیزوں پر لکھا جاتا رہا تھا۔ زیدؓ اس کام کو عہد ابو بکرؓ یا شاید عہد عمرؓ میں مکمل کر سکے۔ گویا یوں وہ پہلا مصحف یا صحیفہ تیار ہوا جس کی رو سے قرآن لکھا گیا۔

یہ مصحف یعنی قرآنی آیات کا پہلا مکمل مجموعہ ابو بکرؓ میں مکمل ہو گیا، تو یہ ان کے پاس محفوظ رہا۔ اس کے بعد یہ حضرت عمرؓ کے پاس آ گیا یعنی ان کی امانت میں آ گیا۔ حضرت عمرؓ کے قتل ہو جانے پر یہ مصحف ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس آ گیا۔ اب حضرت عثمانؓ نے جب خلافت کے بار کو اٹھائے ہوئے سامنے آئے اور آپ نے چاہا کہ مختلف صوبوں میں مصحفوں کے نسخے روانہ کر دیئے جائیں تو آپ نے اس مصحف کا مطالبہ حضرت حفصہؓ سے کیا۔ آپ نے (حفصہؓ نے) اس مصحف کو خلیفہ ثالث کے حوالہ کر دیا۔ اسی مصحف پر بعد میں تمام لوگوں نے جنہوں نے قرآن کی کتابت کی، اعتماد کیا۔ گویا اس مصحف کی حیثیت سند کی سی ہو گئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ مصحف جسے زید بن ثابتؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے حکم سے جمع کیا تھا۔ ابھی تک منظر عام پر نہ آیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ شیخین کے پاس محفوظ تھا یا تنہا حضرت عمرؓ کے پاس اور ان کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس۔ اس مصحف کی اشاعت اس وقت ہوئی جب عثمانؓ کے حکم سے اس کے نسخے نقل کئے جانے لگے۔

خود زید بن ثابتؓ نے ان لوگوں میں شریک تھے جنہوں نے ان مصحفوں کے نسخے نقل کئے یعنی لوگوں کا خیال ہے کہ ابو بکرؓ میں جمع اور تالیف قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرأت کا اختلاف باقی نہ رہے۔ یہ کہنا غلط ہے۔ کیونکہ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے دور میں اس مصحف کو عام استفادہ کے لئے پیش ہی کب کیا گیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس جمع آوری سے مقصد یہ تھا کہ قرآن، اپنے حافظوں اور کتابوں کے ساتھ ساتھ، ضائع نہ ہو جائے۔ البتہ وہ مصحف جسے عام استفادہ کے لئے مختلف صوبوں میں اور اضلاع میں بھیجا گیا وہ وہی تھا جسے عثمانؓ نے بھجوا یا تھا اسے مصحف امام بھی کہتے ہیں۔

باب ۲

حضرت ابو بکرؓ کے آخری ایام

ہجرت کے تیرھویں سال، جمادی الاخر کے آخری ہفتہ میں حضرت ابو بکرؓ بیمار ہو جاتے ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ آپ نے ایک دن جب بہت ٹھنڈی تھی نہ لیا تھا اور آپ کو حرارت سی ہو گئی تھی۔ حرارت نے بخار کی شکل اختیار کی۔ مرض بڑھتا ہی گیا اور دفعۃً اس نے ایسی شکل اختیار کر لی کہ حضرت ابو بکرؓ کو احساس ہو گیا کہ جو شہرہ بہرہ موت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ کسی طبیب کو بلا بھیجیں لیکن ابن سعد کی روایت کے مطابق آپ نے مشورہ دوا دینے والے چارہ گردن کو یہ حکیمانہ جواب دیا کہ اس نے (یعنی ظاہری معنوں میں دنیاوی طبیب نے لیکن دراصل طبیب حقیقی، خدا نے) آپ کو دیکھ لیا ہے! اور اب وہ اسی طبیب کی مرضی کے مطابق عمل کریں گے۔ تو گویا حضرت ابو بکرؓ نے یہ پسند نہیں کیا کہ آپ کو کوئی گوشت اور پوست کا بنا ہوا طبیب دیکھنے آئے۔ آپ نے بیماری کا معاملہ کلیتہً اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ آخر یہ وہی حضرت ابو بکرؓ تھے جن جو عافیت کے وعد میں اپنی ہر بات خدا کو سونپ دیتے تھے۔ یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ حضرت ابو بکرؓ کا انتقال زہر خورانی کے سبب ہوا۔ اس روایت کی دوسے گویا کسی یہودی نے آپ کے پاس زہر ملا ہوا کھانا بھجوا دیا تھا اور مشہور عرب طبیب الحارث بن کلدہ بھی اس کھانے میں شریک ہوا تھا لیکن جوں ہی طبیب کو احساس ہوا کہ کھانا زہر آلود ہے، اس نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا کہ وہ اس کھانے سے ہاتھ کھینچ لیں۔ پھر یہ کہا کہ یہ زہر ایک برس

کے اندر پانچ رنگ دکھلائے گا اور وہ اور حضرت ابوبکرؓ نے دونوں ایک سال کے بعد ایک ہی دن جام مرگ نوش کریں گے۔

یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اگر اس میں صحت ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ یقیناً زہر آلود کھانا بھجوانے والے شخص کو سزائے لازمی دیے جس نے ایک ذرا سی تدبیر سے دو آدمیوں کی جانیں لے لی تھیں۔ اور اس شخص کا جرم اس بات کے پیش نظر کہ مقتولوں میں سے ایک شخص خود خلیفۃ الرسول اللہؐ تھا اور زیادہ سنگین ہو جاتا تھا۔ ظاہر ہے اگر ایسی بات ہوتی تو حضرت عمرؓ تو کسی قیمت پر اس معاملہ کو نہ چھوڑتے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ بیماری کے دوران، حضرت عائشہؓ نے اپنے والد ماجد (حضرت ابوبکرؓ) کی تیمارداری کے فرائض انجام دیئے تھے۔ اور قدیم عربی شاعر کا ایک شعر پڑھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ:

”جس وقت کسی شخص کے بڑے دن آتے ہیں تو اس وقت نہ اس کی روت کام آتی ہے نہ ثروت“

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تھا، ام المؤمنین ایسا مت کہیے بلکہ غالب اور جلیل اور بزرگ خدا کا قول یاد رکھیے

وَجَاءَتْ سَكْرَةٌ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ، ذَٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ

یعنی: (آخر موت کی شدت) اپنی تمام مرد انگلیوں کے ساتھ آہی گئی۔ اور یہ وہی شدت الم اور ایسے زہر و گداز ہے جس سے تو بھاگا بھاگا بھرتا تھا۔

اس بیماری کے دوران، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے مطالبہ کیا کہ وہ آپ کے دیئے ہوئے تمام ساز و سامان، آپ کو واپس کر دیں تاکہ جب آپ کا ترکہ وراثت میں تقسیم ہو تو کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت عائشہ کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ چونکہ حضرت عائشہؓ نہ اس وقت تک صرف اپنے دو بھائیوں عبدالرحمنؓ اور محمد بن ابی بکرؓ اور ایک بہن حضرت اسماءؓ ذات النضالین ہی سے اتف

تھیں حضرت اسماعیلؑ اور شریل خاتون ہیں جو بیسائیک اور وحشت زادا توں میں اپنے والد اور آقائے دو جہاں کے لئے غار ثور تک کھانا پہنچایا کرتی تھیں اور یہ سب اس نازک موقع پر جب تمام اہل مکہ آنحضرتؐ کی جان گرامی کے درپے تھے۔ ایک موقع پر حضرت اسماعیلؑ نے ناشتہ کا سامان اپنی کمر کی بیٹی کی دو جھیاں بننے کے باندھ لیا تھا۔ اسی مناسبت سے آنحضرتؐ نے آپ کو ذات الطاقین کا لقب دیا تھا۔ نطق یعنی طوق کر یا کر بند۔ بعد میں یہی حضرت اسماعیلؑ آنحضرتؐ کے اہل بیت اور قربت داروں میں بھی رہ گئیں کیونکہ رسالتؐ آپ نے آپ کی چھوٹی سوتیلی بہن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ میں عقد فرمایا اور حضرت عائشہؓ اپنی کسی دوسری بہن سے واقف نہ تھیں۔ اسی لئے آپ نے اپنی دوسری بہن کے بارے میں دریافت فرمایا تھا حضرت ابو بکرؓ نے جنہیں اس باب میں یہ القادساہر گیا تھا کہ ان کی اسماء بنت عمیس سے ہونے والی اولاد اثاث میں سے ہوگی، فرمایا تھا کہ یہ بہن اس وقت اسماء بنت عمیس کے بطن میں ہے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ اس وقت اسماء بنت عمیس حاملہ تھیں اور حضرت ابو بکرؓ کے انتقال کے بعد ان کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکی کا نام ام کلثوم بنت ابو بکرؓ ہوا اسی بیماری میں حضرت عائشہؓ کے والد ماجد نے انھیں یہ وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد انھیں ان دو طبیب و ظاہر کپڑوں میں غسل دیا جائے جنہیں بہن کر وہ نماز ادا فرماتے تھے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ یہ بات پیش کی کہ انھیں نئے کپڑے کاغصن دیا جائے تو اس جلیل المرتبہ اور عالی وقار مرد قلندر نے جس نے ایسی الہمی عیب میں فتنوں کی کلائی مروٹی تھی اور شام و عراق کے شیروں پر اس غنیور و باخدا مسلمان قوم کو چھوڑا تھا اس کے بارے میں اقبال نے کہا تھا

”نکل کے صحرا سے جس نے روم کی سلطنت کو الٹ دیا تھا“

جواب دیا کہ مہتر تو یہ ہے کہ نئے کپڑے زندوں کے کام آئیں۔ مردوں کو نئے کپڑے دیئے ہی گئے تو کیا، آخر کو تو یہ حشرات الارض کی غذا بنیں گے! وصیت پوری ہوئی خلیفۃ الرسولؐ کو انہیں پرانے کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا۔ بعض سادوں نے البتہ یہ لکھا ہے کہ ان کپڑوں میں ایک نئے کپڑے کا اضافہ بھی کر دیا گیا تھا۔

حضرت عاکثرہ کے بیان کے مطابق ان کے گرامی قدر والد کی طیب روح مغرب و عشا کے درمیانی وقت میں پرواز کیا ہوئی، پیرا دوشنبہ کا دن تھا۔ تیرھویں سن ہجری کا جمادی الآخر کا مہینہ تھا اور اس کی بائیسویں تاریخ تھی۔ سب اوی اس بات پر متفق ہیں کہ وفات کے وقت اس عاشق و خلیفۃ الرسولؐ کا وہی تریسٹھ سال کا سن تھا۔ انھیں اسی سن میں آفتاب رسالت بھی غروب ہوا تھا۔ صبح روایات کی رو سے حضرت ابوبکرؓ کی تدفین رات کو عمل میں آئی۔ آپ حضرت عاکثرہ کے مکان میں آنحضرتؐ کی قبر اطہر کی گلی میں عمود خراب ابد ہوئے حضرت عمرؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

www.jmmpak

باب ۳

حضرت ابو بکرؓ کا آخری کارنامہ

سب سے بڑی خدمت جو آنحضرتؐ کے بعد کسی ایک شخص نے سلام اور مسلمانوں کی انجام دی، وہ وہی تھی جو حضرت ابو بکرؓ نے اپنی اس بیماری کے دوران انجام دی جو آخر کار ان کے لئے پیغام مرگ ثابت ہوئی، اور یہ عظیم خدمت آپ کا حضرت عمرؓ جیسی شخصیت کو اپنے بعد خلافت اور امارت کے لئے نامزد کر جانا تھا!

خلافت کے لئے اس نامزدگی کے باب میں مختلف روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ بعض راوی اس خیال کے حامی ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس فیصلہ کن اور تاریخی نامزدگی سے پہلے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے جس میں عبدالرحمن بن عوفؓ، عثمان بن عفانؓ، سعید بن زید بن لعلیؓ، متار تھے، مشورہ بھی کیا تھا۔ اور سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔ یعنی سب نے اسے پسند کیا تھا کہ آپ کے بعد حضرت عمرؓ امام ہوں۔ بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا فرمان حضرت عثمانؓ کو اطلاق کر دیا تھا، لیکن اعلان کھڑے وقت جب آپ اس مقام پر پہنچے "میں نے تم لوگوں کے خلیفہ المسلمین کے عہدے کے لئے..... تو آپ پر غشی طاری ہو گئی، حضرت عثمانؓ کو خیال پیدا ہوا کہ یہ غشی اب حضرت ابو بکرؓ کو پیدار نہ ہونے دے گی اور آپ ابدی نیک سو جائیں گے اس لئے آپ نے اپنی طرف سے فرمان میں عمر بن الخطابؓ کے الفاظ، بڑھائے، اور جب حضرت ابو بکرؓ کو قدر سے آفاقد ہوا اور غشی کی وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ بولے: "ہاں ذرا پڑھنا تو سہی کیا لکھا تم نے؟" حضرت عثمانؓ نے فرمان پڑھ کر سنا دیا اور جب حضرت ابو بکرؓ نے

عمر بن الخطاب کا نام پڑھا جاتے سنا تو آپ نے فرط مسرت سے اٹھا لیا اور حضرت عثمان کو مدعا لے خیر عنایت فرمائی اور فرمایا: تم شاید یہ سمجھتے تھے کہ ابوبکر دوبارہ دوبل کیسے گئے۔ بہر حال روایت مذکورہ کی رو سے حضرت ابوبکرؓ نے فرمان کا بقیہ حصہ بھی اظہار کیا۔ ابن سعد نے اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہوئے فرمان کا متن حسب ذیل بتایا ہے۔

عثمانیت فرما اور کم گستر پروردگار کے نام نامی سے شروع کرتے ہوئے۔

اب جبکہ میں، ابوبکر ولد ابو قحافہ، اس منزل سے گذر رہا ہوں اور ان لمحات سے نبوہ آزما ہوں، جن میں کافر بھی ان باتوں پر یقین کرنے لگتے ہیں جن سے انہوں نے انکار کیا تھا، اور عیسیٰ شعا رول پر بھی حقائق آشکار ہو جاتے ہیں اور حقائق جھٹلانے والے تک آمادہ تصدیق ہو جاتے ہیں، یعنی انہیں بھی سب کچھ نظر آنے لگتا ہے اور اب جبکہ میں دنیا سے جس سے اب میرا تعلق ختم ہو رہا ہے۔ آخری اور آخرت کی زندگی میں داخل ہوتے ہوئے اس سے پہلا عہد کر رہا ہوں دیکھو کہ اس کے بعد دنیاوی امور میں میں مطلق مداعت نہ کر سکوں گا اور میری آخرت کی زندگی شروع ہو جائے گی) میں اپنے بعد تمہارے لئے خطاب کے بیٹے عمر کو خلافت کے منصب کے لئے نامزد کرتا ہوں۔ تمہارا فرض ہے عمر کی بات سنو اور ان کے احکامات کو بجالاؤ۔ عمر کا نام پیش کرتے وقت سارے اللہ، رسول اللہؐ، سلام، آست اور خود اپنی آخری بھلائی کا خیال ہے جہاں تک میرا مشاہدہ اور تجربہ اور قیاس ہے عمر نہ عدالت گسٹری کریں گے۔ لیکن (خلافت ختم) اگر وہ خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد بدل گئے تو میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ عیسیٰ شعا ر اور خطا کار اپنے لئے کی سزا بھی پاتے ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میرے سامنے ملت کا مفاد ہے، البتہ میں غیب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے۔ جو لوگ بھی زیادتی اور ستم رانی سے لاپس نہ انہیں انجام کار اس کا بدلہ مل ہی جائے گا۔ میں تمہارے لئے اللہ کی مہربانیوں اور پرائن زندگی کا خیالوں ہوں۔

راویوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس فرمان کو لے کے جس پر مہر خلافت لگی

ہوئی تھی، مسجد نبوی شریف لائے جہاں پہلے سے ایک مجمع فرمان کا منظر بیٹھا تھا۔ ان لوگوں سے عثمان نے کہا، خلیفۃ الرسول! (مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے آپ لوگوں سے ادا لے گا سے انصواب کرو ایسا ہے کہ آیا آپ لوگ اس کو اپنا خلیفہ اور امام مقرر من الطاعتہ تسلیم کر لیں گے جس کی اس فرمان میں سفارش ہے لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ رادی لکھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں فوراً قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن روایت کی رو سے حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا: ہم پہلے ہی سمجھ گئے، اس فرمان میں عمرؓ کا نام لکھ کر آیا، چند رادیں نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ یہ جاننے کے بعد کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے منصب کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ بعض مہاجر صحابہؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی توجہ حضرت عمرؓ کی سخت گیری کی طرف منعطف کرانی، لیکن اس کے جواب میں حضرت ابوبکرؓ نے پورے وثوق سے فرمایا کہ اس انتخاب میں ان کے پیش نظر اسلام کی فلاح تھی اور وہ (حضرت عمرؓ) کو اس منصب کے لئے سب سے زیادہ موزوں شخصیت سمجھتے ہیں۔

مجھے ان سب روایات پر بالکل اعتبار نہیں، دراصل جس طرح حضرت ابوبکرؓ کی خلافت سے متعلق بے شمار روایتیں بیان ہوئی ہیں، اسی طرح حضرت عمرؓ کی خلافت کے بارے میں بھی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ میرے نزدیک صرف ایک چیز یقینی ہے اور وہ یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے مرض الموت میں حضرت عمرؓ کو خلیفہ ضرور نامزد کیا۔ اس سے پہلے میں نے کہیں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی اس نامزدگی سے مسلمان ہرگز اس بات کے پابند نہیں ہو گئے تھے کہ حضرت عمرؓ کو خلیفہ تسلیم ہی کر لیں؛ دراصل سلام میں خلافت کا مسئلہ اس درجہ اہم ہے کہ خواہ کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو۔ خواہ وہ ابوبکرؓ ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی جگہ پر اس سلسلہ میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکتا یہ مسدست اور امت کے فائدین فکر کے حل کرنے کا ہوتا ہے اور اس دور میں ظاہر ہے مہاجرینؓ اور انصارؓ ہی ملت کے اہل فکر اور اہل بصیرت تھے حضرت عمرؓ کی نامزدگی ایک قسم کی سفارش تھی جو حضرت ابوبکرؓ نے امت کی جھلائی کے پیش نظر کی تھی اب امت اس بات میں قطعاً مختار تھی کہ چاہے تو اس مشورہ کو قبول کرے اور

پاہے تو اسے رد کر دے اور اگر اس دور میں حضرت ابوبکرؓ کی یہ سفارش قبول کر لی تھی تھی تو اس کا سبب یہ تھا کہ قوم کو آپ کی ذات پر اعتماد تھا، وہ آپ سے محبت کرتی تھی اور اسے اطمینان کامل تھا کہ آپ کی یہ سفارش خالص نکت اور دین کے مفاد میں ہے اور اسے قبول کر کے مسلمان فلاح پائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی یہ سفارش پوری امت نے قبول کی تھی۔ ادا امت کے اس اجتماع سے ایک شخص نے بھی انحراف نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خود حضرت عمرؓ کا انتخاب حضرت ابوبکرؓ کی سب سے بڑی اسلامی خدمت تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت صورت یہ تھی کہ مسلمان، بقول حضرت ابوبکرؓ اس وقت شام اور عراق کے شیروں سے گھٹے ہوئے تھے پھر ابھی فتنہ ارتداد کی قہر سامانی پر مدت ہی کتنی گزری تھی۔

مسلمانوں کو اس وقت مضبوط قیادت کی شدید ترین حاجت تھی۔ ایک ایسے قوی لارادہ اور باعزم انسان کی جو معاملات کو ان کی مطلوبہ انتہا تک پہنچا سکے، عدل و انصاف ہر حال میں قائم کرے۔ صرف اللہ، رسول اور امت کے نقطہ نگاہ سے امور کو انجام دے۔ اس قابل ہو کہ ابوبکرؓ کی چھوڑی ہوئی مشکلات کو اور اہم مسائل کو حل کر کے رکھ دے۔ ارتداد کے قلع قمع کے بعد عربوں میں از سر نو رشد و ہدایت کی روح بیدار کرے، ابوبکرؓ عہد کی فتوحات کو مکمل کرے، دولتِ نو کی تاسیس ان بنیادوں پر کرے جو امت کے مزاج سے سازگار ہو۔ پھر مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کی نئی ذمہ داری بھی قبول کرے، اللہ کی کتاب ہدایت اور رسول گرامی کے طریق کا نفاذ کرے، اسلامی معاشرہ میں داخل ہونے والی نئی امت کے لئے کبھی شدت اور کبھی نرمی اختیار کرے، عدل، مساوات اور انصاف کو نافذ کرے اور اس میں نہ ادنیٰ سی کمزوری دکھائے اور نہ زیادتی اور ظلم کو روا رکھے۔

بعد میں آپ خود ہی محسوس کر لیں گے کہ اس باگراکٹ اٹھانے کی صلاحیت اور اہلیت حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی اور شخص میں نہ تھی۔

www.jmmpa.com

www.jmmpak.tk

حَضْرَتُ فَا رُوقِ اَ عَظْم

جلد دوم

مصنفہ
ڈاکٹر طہ حسین

ترجمہ
شاہ حسن عطاء

ایم۔ اے (پبلک)

فہرست مضامین جلد دوم

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۲۰۱	سرخ آنہ عیدوں کا سال	۱۱۵	حضرت عمرؓ کا تبریلِ اسلام
۲۰۸	دانشمندانہ قیادت و امامت کی جھلکیاں	۱۲۴	حضرت عمرؓ میں حقن اور نرمی کا امتزاج
۲۱۳	نماز تراویح اور حضرت عمرؓ کی	۱۳۱	حضرت عمرؓ کے مزاج میں تبدیلی
	فقہی احتیاط	۱۳۰	حضرت عمرؓ کی امانت اور درویشی
۲۲۲	حضرت عمرؓ کی دیانتداری اور	۱۴۵	عراق میں تبلیغِ تہذیب اور ابو عبیدہ کی شہادت
	اپنے عمال سے سخت گیری	۱۵۱	حضرت عمرؓ کے سیاسی اور انتظامی اختیارات
۲۲۸	حضرت عمرؓ کا احسنی مع	۱۵۷	بے مثال احتساب
	بے مثال زخمی کی موت پر اہمت کے	۱۶۳	حضرت عمرؓ کی مشکلات
۲۳۷	تاثرات سے	۱۶۸	نئی مشکلات اور ان کا حل
۲۴۲	حضرت عمرؓ کی شہادت	۱۷۷	دعاؤں
۲۴۹	حضرت عمرؓ کا سانحہ درگ	۱۷۹	رفاہی حکومت کا قیام
	حضرت عمرؓ کی موت	۱۸۳	امت کے لئے دلسوزی
۲۵۳	ادس	۱۹۲	والی اور حکام سے مختصریں طرز عمل
	ایک شرعی مسئلہ کا حل	۱۹۵	مسلمانوں کی دو چھاؤنیاں کوفہ و بصرہ
			ادس
			ملک انتظام

باب

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

بعثت نبوی کے سال میں حضرت عمرؓ ایک ایسے (تقریباً پچیس سالہ) رویں تن، قوی الجنتہ اور دلدار جوان قریشی تھے جس کا تعلق بنی عدی کے خاندان سے تھا اور جسے بس ایک متوسط الحال قریشی جوان کی سہولتیں تو میسر آئی تھیں۔ ناز و حسم سے سابقہ نہ ہوا تھا۔ یہ غیر معمولی جوان کسی فرد متذلل کا بیٹا نہ تھا بلکہ اسے ایک ایسے شخص کی رخطاب بن نعیل، کی فرزندگی حاصل تھی جو برائے نام بھی دولت مند نہ تھا۔ البتہ قلب کی قسوت اور دل کی سختی سے مالا مال تھا۔ انہیں خطاب نے ایک بار اپنے بھائی کے بیٹے زید بن عمرو کو سخت آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور اس میں حد ہی نہ کر دی۔ ان زید نے قریش کے عام نظام حیات اور نظام فکر سے منہ موڑ لیا تھا۔ بتوں کو ٹھکرا دیا تھا اور جو لوگ ان بتوں کو اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ بنا لے تھے ان کا آپ سے سخت اختلاف رائے ہو گیا تھا۔ انہوں نے جیسا کہ راویوں نے بیان کیا ہے۔ دین ابراہیمی قبول کر لیا تھا۔ اس دین کے بنیادی ارکان یہ تھے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کی عظمت و اوقات دار میں کسی دوسرے کو نہ کیا جائے۔ یوں ہی قریش کی بے شمار دیات سے بھی اس دین کے ماننے والے انکار کرتے تھے۔ زید کو ان کے چچا خطاب نے اس دین (دین ابراہیمی) کے قبول کرنے پر بڑی ایذا میں دیں۔ لیکن کیا زید ان اذیتوں سے گھبرا کے اپنے دین سے منحرف ہو گئے؟ ہرگز نہیں۔ اب خطاب نے یہ کیا کہ سرداران قریش کی مدد سے انہیں لکھ رہے تھے نکلوا دیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کو اپنی جوانی کے ابتدائی دور میں اپنے قسی اعلیٰ اور درجہ شعلہ مزاج خاندان

کی سختیوں کا شکار ہونا پڑا تھا۔ چنانچہ ایک بار جب آپ مکہ سے قریب ایک جگہ سے جس کا نام ضعیفان تھا، گزر رہے تھے، آپ نے فرمایا تھا۔ وہ دن بھی کسی تھے کہ میں اس جگہ اپنے والد خطاب کے ادٹ چرایا کرتا تھا۔ اور اس کام کے انجام دینے میں مجھ پر کیا کیا سختیاں نہ ہوتی تھیں اور ایک آج کا دن بھی ہے کہ روئے زمین پر اللہ کے علاوہ کوئی مجھ سے زیادہ صاحب اقتدار نہیں ہے۔ ہاں آج خدا کے سوا کوئی میرے اد پر نہیں ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عزیٰ کا ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا یہ جو کچھ تمہیں دکھائی دے رہا ہے اس میں سے کچھ بھی قائم نہیں رہنے کا۔ البتہ اللہ کو بقا اور دوام حاصل ہے۔ مال اولاد سب فنا ہو جائیگا۔

ایک بات جو یقینی سی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو مزاج کی دشمنی اور طبیعت کی دشمنی اور تشدد و درندگی سے تھے۔ اور اگر کہیں اللہ نے حضرت عمرؓ کو اسلام کی دولت نہ بخش دی ہوتی تو ان کی زندگی میں بھی وہی خطاب کا انداز ہوتا۔ وہی سختی، وہی دشمنی اور وہی ادنیٰ ادنیٰ سی بات پر تشدد اس سے اس بات کی گروہ بالکل کھل جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ درجن دار سچائی کے نافرمان کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں پر اس درجہ کین تشدد اور دشمنی کرتے تھے اور اسی طرح کبھی کبھی آپ غیر معمولی ملامت اور اعلیٰ درجہ کی لڑائی کا بھی کیوں ثبوت دیتے تھے۔ آپ کی اس آتشِ خطابی کو اسلام نے قابو میں کر لیا تھا۔

راویوں نے آپ کے اسلام لانے کے واقعہ کو جس انداز سے بیان کیا ہے اس سے کم از کم آپ کی شدتِ طبع کی ایک مؤثر تصویر منور کھنچ جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں راویوں کے سوزِ تحقیر کی غوشِ فرامیساں ملاحظہ ہوں :-

ایک دن حضرت عمرؓ (قبل از اسلام کے دور میں) اپنے سینے سے نلوار اور لٹکائے ہوئے طیغ و غضب سے مملو، انتقام کے جذبات سے پر، نکل کھڑے ہوئے۔

بنی زہرہ کے کسی آدمی نے پوچھا کہ کھڑے ہو، جو ابلا محمدؐ کے قتل کے انار سے نکل کر مل !! پوچھنے والے نے پھر کہا، محمدؐ کو قتل کر دو گے تو کیا بنی ہاشم اور بنی زہرہ تمہیں چھوڑ دیں گے اب اس مضحکہ خیز روایت کی دوسے جس کا قبول کرنا از روئے منطق قطعاً مستحکم ہے، گویا

حضرت عمرؓ نے کہا: "ایسا جان پڑتا ہے کہ تم نے اپنا پرانا مسلک چھوڑ دیا ہے؟" اس آدمی نے کہا: "میں میں اس سے زیادہ حیرت کی بات بتا دوں تو! — تمہارے بہنوئی اور تمہاری بہن بھی تو اپنے اپنے بچکے دین کو چھوڑ چکے ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے دین کو! اب عمرؓ کا چہرہ کا چہرہ متغیر ہو چکا تھا۔ اور وہ انتہائی غیظ کے عالم میں اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہاں پہنچتے ہی آپ کو احساں ہڑا کہ "جیسے گھر میں کچھ پڑھا جا رہا ہے؟" اس وقت حضرت عمرؓ کی ہمیشہ اور بہنوئی کے پاس ایک مسلمان "مخواب بن الارث" بھی موجود تھے۔ مخواب بن عمرؓ کی آہٹ ہانکے اپنے کو چھپا لیا۔

یہ کیا کہو اس تھی جو میں سن رہا تھا؟ تند خو بیانی کر جا، ہم لوگ کبھی کبھی اس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور کیا، بہن نے جواب دیا: "نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ اپنے دین سے ہٹ گئے ہو؟"

حضرت عمرؓ نے بے۔ یہاں پر حضرت عمرؓ نے بہنوئی بول اٹھے اور اگر جسے تم حق سمجھ رہے ہو وہی ہاں ہٹ کر ہے تو، اب حضرت عمرؓ نے قابو سے باہر ہو چکے تھے اور اب انہوں نے اپنے بہنوئی پر جھپٹ کے کہہ نہیں مارنا شروع کر دیا۔ — بہن نے جاہک بھائی اور شہر کے بیچ میں حاصل ہو جائے۔ لیکن بھائی نے بہن کو بھی مارنا شروع کر دیا۔ بہن کا چہرہ لہو لہان ہو چکا تھا۔ اس پر بہن نے اپنے عقائد کا اعلان کر دیا اور کہا: "ہم لوگ اب صرف اللہ کو معبود سمجھتے ہیں اور محمدؐ کو اس کا برحق رسول اور پیغمبر۔" حضرت عمرؓ کی نظر بہن کے منہ آؤ دھرو پر پڑ گئی۔ ان کا دل بے بسیا اور انہوں نے اس صحیفہ کا دکھا ہوا کاغذ لاکر انا مطالبہ کیا، جس سے کچھ پڑھا جاتے ہوتے۔ آپ نے سنا تھا۔ (سوال یہ ہے کہ گھر کے باہر حضرت عمرؓ نے کچھ پڑھے جن کے آقا اور رسولؐ تھے لیکن صحیفہ کے بائے میں انہیں کیسے علم ہو گیا تھا۔ پھر اس وقت صحیفہ یا کاغذ کا سوال بھی تو نہیں پیدا ہوتا تھا۔ سہم) اب لاویوں نے مزید گل کھلائے ہیں۔ ان کے زخم، خواہر عمرؓ نے "صحیفہ" دینے سے انکار کرتے ہوئے گویا یہ کہا تم غصہ ہر اور قرآن کو صرف طیب و طابہر لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ انہیں اس بات کی ہدایت کی کہ پہلے وہ پاک ہوں تو پھر صحیفہ کو چھوئیں۔ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا وہ عجیب بات ہے، نجاست کا اہرام اور وہ بھی بہن سے سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے مزید مشتعل ہوئے اور دہی عمرؓ جو ابھی ابھی بہن اور بہنوئی کو ہلاک کئے دے رہے تھے، کہیں حمام پہنچ گئے کہ کپڑے تبدیل کرائیں!!!

اب جب چند لمحات پیشتر کے خوشخوار اور زندہ حضرت عمرؓ، غسل اور وضو کے بعد بیٹھے تو انہیں سونہ

ظاہر کی چوہوں کی آیت سنائی گئی۔ جس کا مطلب ہے :

”بیشک میں ہی خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، تو میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔۔۔۔۔۔ یہ آیات قلبِ عمرؓ کی گہرائیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ فوراً فسر نایا :
 ”مجھے محمدؐ تک لے چلو، یہ بات جناب نے (جو گھر میں کہیں دب کے بیٹھے تھے) سن لی اور جگر سے نکل کے آگئے۔ اور کہا ”عمرؓ میں تمہیں یہ مژدہ سنا تا ہوں کہ ”شاید رسول اللہؐ کی دعا قبول ہو چکی ہے۔“ رسول اللہؐ کی دعا یہ دہائی ہے کہ ”اے اللہ! سلام کو عمر بن الخطابؓ یا عمر ابن ہشامؓ سے تقویت بخش دے، جو بھی ان دونوں میں تیرے لئے محبوب ہو۔“

راوی لکھتے ہیں :- حضرت عمرؓ ارتقم کے مکان پر جہاں آنحضرتؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے رہتے تھے، وارد ہوئے مکان کے دروازے پر ہی سے کچھ لوگ موجود تھے حضرت عمرؓ کو دیکھ کر سب کے سب کانپ سے اٹھے۔ انھیں میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلبؓ بھی تھے۔

اس موقع پر حضرت حمزہؓ نے لوگوں سے کہا ”یہ صحیح ہے کہ عمرؓ آ رہے ہیں لیکن وہ اگر آ بھی رہے ہیں تو بھی کیا، اب اگر اللہؐ کو بھلائی منظور ہے تو کیا کہتا، ورنہ ہم لوگ مل کر انہیں قتل کر دی سکتے ہیں سو ادبی بیان کرتے ہیں دحضرت عمرؓ کی آمد کے بارے میں سن کر، آنحضرتؐ باہر نکل آئے۔ اور آپ نے سختی کے ساتھ حضرت عمرؓ کے دامن کو کھینچنا شروع کیا اور فرمانا شروع کیا۔۔۔۔۔۔ عمر کیا تم اپنی موجودہ روش سے باز نہ آؤ گے۔ کیا تمہیں ولید بن مغیرہ کا انجام ذلت منظور ہے۔ اے اللہ! جبکہ خطاب کا فرزند عمرؓ یہاں آچکا ہے۔ اس کے ذلیل اسلام کو تقویت بخشے۔“
 ”عمرؓ نے فوراً کہا۔۔۔۔۔۔ میں اس امر کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

میں جب ان روایات کو بیان کرتا ہوں تو انھیں قابل اعتبار نہیں سمجھتا ہوں۔ البتہ یہ ہے کہ ان روایات سے مجھے اور اس کتاب کے قاریوں کو اس کا ضرور اندازہ ہو جائے گا کہ قدامد اصحاب رسول اللہ کے ذہنوں میں قبل از اسلام دل سے عمرؓ کی تند خوئی کس درجہ کی تھی۔ ایک بات جو بالکل یقینی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ (سلام لانے سے پہلے پہلے مسلمانوں کے حق میں بہت سخت اور شعلہ مزاج تھے لیکن آپ نے اس دور میں قرآن کی آیتیں سنی ہیں

اور ان سے اننا اثر لے لیا ہو کہ مشرف اسلام ہو گئے ہوں۔“

مسلمانوں کے معاملے میں حضرت عمرؓ کی یہ تذخوری بالکل سمجھ میں آجانے والی چیز ہے۔
 اس خطبہ کی سخت گیری، زید بن عمرو کے معاملہ میں ان کا قتل و اور عینض و غضب ہمارے
 سامنے آ ہی چکے ہیں (اس کا اثر حضرت عمرؓ پر پڑنا لازمی سا تھا) اس کے علاوہ ایک اور
 بات تھی۔ اس دور میں مسلمانوں سے سب سے زیادہ جس شخص کو غضب و عناد تھا وہ عمر بن ہشام
 (عرف عام میں ابو جہل) تھا۔ یہ شخص حضرت عمرؓ کا خالد زاد بھائی یا مامل تھا۔ حضرت عمرؓ کا والد
 حنظلہ بن ہشام یا تہ ابو جہل کی بہن تھیں یا اگر وہ بنت ہاشم تھیں تو ابو جہل کی پھیری بہن تھیں۔
 تو مرگیا حضرت عمرؓ نے اگر ایک طرف دیکھیں آتش خطابی پائی تھی تو دوسری طرف ان کی
 نضیال میں ابو جہل سا شخص تھا۔ جس نے بس دلاچار مسلمانوں کو حد درجہ ایذا میں پہنچائی تھیں۔
 یہ امر قطعاً قابل قبول ہے اور اس کا پورا پورا جو انہی موجود ہے کہ آنحضرتؐ کے دل میں بیخوش
 پیدا ہوئی ہو کہ اسلام کو عمرؓ کی طاقتور اور قوی شخصیت مل جائے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے رسول
 برحقؐ کی یہ خواہش پوری بھی کر دی اور مجھے حضرت عمرؓ اسلام کی دولت بیدار سے کامران ہو گئے
 اسلام کا فلسفہ تسلیم قبول کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی شدت کا رخ ہی بدل گیا۔ اب وہی شدت
 اور شدت مزاجی جو اب تک مسلمانوں کے لئے سوج بھدا ناوقھی اور حید کے دشمنوں کے لئے مصیبت بن
 چک تھی۔ اب اپنے عقائد کے اعلان اور اظہار میں حضرت عمرؓ سے بڑھ کر انتہا پسند کوئی بھی تو نہ
 تھا۔ آپ نے قریش کو ذرا خاطر میں نہ لاتے ہوئے اولین فرصت میں انھیں اپنے قبول
 اسلام سے آگاہ کر دیا اور پھر جب ظالموں نے آپ پر منظم دھانے شروع کئے تو کچھ سکینوں
 یا عاجڑوں کے انداز میں نہیں، مخیو اور بلاکش اور جبری اور قوی لوگوں کی مانند آپ
 نے ان ستمہائے قریش کو برداشت کیا۔ اور ان سے پوری پوری لگ کر۔

اسلام کی حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ سب سے پہلے اپنے ماملوں
 ابو جہل ہی کے پاس گئے۔ ابو جہل نے ابن خطاب کو دیکھا تو پہلے تو مسرت کا اظہار کیا لیکن
 جب حضرت عمرؓ نے ”وہ جھلاکس کی بات ماننے میں“ کے مصداق، تمام مصالحتوں کو بالائے
 طاقت رکھتے ہوئے۔ اچانک ابو جہل کو بتایا کہ وہ اب صرف اللہ کو صبر ماننے لگے ہیں اور اللہ کو رسول اللہؐ

تو ابوبکر نے علم، بیزارمی اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکان کے دروازے بند کر لئے!

اب حضرت عمرؓ اپنے آپ میں تھے۔ "نشہ توحید سے سراپا مست" آپ نے ایک ایسے شخص سے جو قریش میں سب سے پہلے ان کی باتیں پھیلادیا کرتا تھا، یہ بات کہہ دی۔ مقصد یہ تھا کہ وہ شخص خود ہی جلد اعلان کا اعلان کر دے گا۔ چنانچہ یہی ہوا۔ قریش کی مجلسوں میں اب ہر جگہ ابن خطاب کے اسلام کے چرچے تھے۔ اس دن قریش کے اس شخص نے جہاں کہیں بھی کچھ لوگوں کو بیٹھے دیکھ پایا اسلامِ عمرؓ کا ذکر ضرور کر دیا۔ اب جوں ہی حضرت عمرؓ مسجد کی طرف یعنی کعبہ کی جانب بڑھتے ہیں۔ قریش ان پر سب کے سب لڑ پڑتے ہیں۔ زد و کوب کرتے ہیں۔ اذیت دیتے ہیں، لیکن یہ حضرت عمرؓ ہر مسلم خیمہ کے گھارے یا گارے و زاری یا آہ و بکا سے کام لیتے ہیں؟

ہرگز نہیں، آپ بھی کمال شجاعت اور مردانگی سے اس جماعتی یورش کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مگر ایسے مقابلہ کہل تک کرتے مارنے والا گروہ کا گروہ تھا اور آپ تن تنہا۔ آفریں لوگ آپ کو پکھا دیتے ہیں۔ اس موقع پر عام بن دائل نام کا ایک شخص آگے بڑھ کر قریش کو سمجھاتا ہے کہ حضرت عمرؓ بن عدی کے قبیلے کی آکھ کا تارا ہیں اور اگر انہیں کچھ سو گیا تو قریش پر مصیبت آجائے گی، یہ سن کر یہ ظالم اپنی اپنی راہوں پر بڑھے۔ لیکن حضرت عمرؓ کو یہ لوگ بالکل بے حال کر چکے۔

بات یہیں بڑھتی نہیں ہوتی۔ یہ حضرت عمرؓ کی جرات آسمان سے آتی تھی کہ آپ نے مکہ میں اپنے لئے عقائد کا اسلام کا اعلان کیا اور ان لوگوں کو بھی جو ابھی تک چھپ چھپ کے عبادت وغیرہ کرتے تھے یہ حوصلہ دلایا کہ وہ بغیر کسی جھجک کے اسلام کا اظہار کریں۔

اس وقت تک مسلمانوں کا اسلام محض ایک ماز تھا۔ راز، اور ان میں اپنے لئے جاندار اور صحیح عقائد کے ساتھ قریش کے ستگردوں کے روبرو آنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ اب اسلام اور شرک و کفر کی آویزش باضابطہ شروع ہو چکی تھی۔ حضرت عمرؓ کی زبردست اور فعال بے پناہ شخصیت نے یہ کمال دکھایا کہ اب تو قریش کو آپ کو آزاد پہنچانے کی جرات ہوتی تھی۔ زور دوسرے مسلمانوں کو، اب ذرت یہاں بہت پہنچ چکی تھی کہ حضرت عمرؓ اور آپ کے عالی مرتبت اصحاب، کعبہ میں قریش کی ٹولے کے روبرو، اپنی اور انگریز مجلس نشینیاں فرماتے تھے اور کھلے بندوں اپنی نازیں گزارنے لگے تھے! یہ سب عمرؓ کے اسلام کے بعد ہوا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں تو ہمیں ابن مسعودؓ کے اس قول میں کوئی حصہ ناقابل قبول نہیں معلوم ہوتا۔

ان کا قول یہ ہے :-

حضرت عمرؓ کا اسلام لانا بھلے خود ایک فتوح و نصرت تھا۔ آپ کا مدینہ جانا اسلام کے لئے زبردست اعانت، ثابت ہوا، آپ کا دور خلافت امت کے لئے رحمت تھا، ابن مسعودؓ کا یہ مختصر سا مقولہ وہ دقیق ترین وصف ہے جو حضرت عمرؓ کے آغازِ اسلام سے اختتامِ دورِ عمریٰ تک کے دور کو واضح کر دیتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے بعد مسلمانوں نے برملا اور قریش کے سامنے نمازیں ادا کیں اور نئے نظام کا اعلان کیا، یہ ایک عظیم فتوح تھی۔ آپ کی ہجرت واقعی اسلام کے لئے بہت بڑی مدد تھی، مدینہ میں آپ نے اپنے آپ کو رسول اللہ اور مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ اور خیر انبش ثابت کیا تھا۔ جہاں تک آپ کے دورِ حکومت کا تعلق ہے، یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کو ایک ایسی شرفیازہ اور پُر امن اور با مقصد زندگی سے سابقہ ہوا کہ مغرب کی سمت نکلتا توام آج بھی اس معیار پر پوری نہیں اتر رہی ہیں اور یہ عدم کامیابی باوجود غیر معمولی کاوشوں کے ہے۔ بقولہا ہے کہ وہ دعد، جیسا کہ ابن مسعودؓ نے فرمایا :- ”دورِ رحمت و سعادت تھا“

www.jmmpak.com

باب

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ میں سختی
اور
زرمی کا امتزاج

ابن سعد کا قول ہے "اسلام لاتے وقت حضرت عمرؓ کا سن پچیس سال کا تھا" راوی اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بشت زرمی کے سال ششم میں پیش آیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد سات برس تک حضرت عمرؓ کا قیام مکہ میں رہا۔ اس عرصہ میں آپ اپنے اور دوسرے کمالوں کے دین کی مدافعت کرتے رہے اور قریش سے نبرد آزما رہا کہ۔ اس سلسلہ میں آپ پر جو معائب نازل ہوئے، انہیں آپ نے انتہائی خندہ پیشانی اور عزم و ہمت کے ساتھ گوارا کیا۔ ایک بات جو بڑی اہم ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شخصیت بیک وقت سخت گیری اور رقت و نرمی کا مظہر تھی۔ اپنے بہنوئی سے 'ان کے مسلمان ہو جانے کا واقعہ معلوم کر لینے کے بعد' حضرت عمرؓ نے سختی اور سختی کا جو برتاؤ کیا تھا، اسی طرح اپنی بہن سے آپ کی اس وقت کی سخت گیری، جب انہوں نے اپنے شوہر کے لئے سینہ سپر ہو جانے کا اتفاق کیا، لیکن ساتھ ہی اپنی بہن کے چہرے سے خون بہتے دیکھ کے دفعتاً آپ کا نرم ہوجانا یہ چیزیں اس کمبیزش و ابریشم کا پرتو تھی ہیں کہ آپ ایک ہی وقت میں سختی بھی تھے اور نرم بھی تھے۔

راوی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا دل ان لوگوں کے لئے بہت کڑھتا تھا۔ جو بشت زرمی کے پہلے جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد حضرت عمرؓ کا یہی انداز رہا تھا۔ حد درجہ سخت گیری فرماتے تھے اور پھر اتنا دیر کی زرمی کا ثبوت دیتے تھے۔ شاید اسلام نے عمری مزاج میں مزید صفائی اور پاکیزگی پیدا کر دی تھی۔ اب ان کی تند خوئی ان کے قابو میں تھی سان کا فیض اسلام کے تابع ہو چکا تھا اب ان کی نرم خوئی اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ کمزور اور تسم رسیدہ اشخاص کی

یاری اور علم بخاری میں پیش پیش رہنے لگے تھے۔ اسلام کو فی الواقع عمری مزاج میں یہ تبدیل پہیلا بھی کر دینی چاہیے تھا۔

اسلام اعتدال کی طرف بلاتا ہے اور زیادتی اور بد اعتدالی سے منع کرتا ہے۔ اسلامی نظام میں محض انتہائی ناگزیر حالات میں ایک شخص کو دوسرے شخص پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلام ہی طبع کی تلقین کرتا ہے پھر حضرت عمرؓ میں یہ صفات کیسے نہ پیدا ہوتے۔ آخر آپ نے آنحضرتؐ کی صحبت سے فیض پایا تھا اور یہ دیکھا تھا کہ سرور جہاں نے نہ انسانوں کا حق پامال کیا، نہ غلط کا حق اور ہمیشہ اپنی رحمت و مسرت کو راہ حق میں قربان کیا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ ہمیشہ اعتدال اور سہولت کی راہ کو پسند فرماتے تھے۔

ظاہر ہے کہ آپؐ کی اس روش نے حضرت عمرؓ کے طرز فکر کو بھی متاثر کیا تھا۔ اس کے علاوہ قرآنی آیات اور احکامات جو آپؐ کے پس نظر تھے ان سے بھی آپؐ کا متاثر ہونا یقینی تھا۔

یہیں اس کا علم نہیں کہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ کو کبھی روئے بھی ہوں۔ لیکن اسلام کے بعد جلد گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ دوسرے مؤمنین باصفا کے مثل اللہ کے ذکر پر آپؐ کا دل بھی خوف اور خشیت سے پُر ہو جاتا تھا

سورة الانفال کی دوسری آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔

”مؤمن تو وہ ہیں کہ جب عدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرجاتے ہیں اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھے کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور پڑھ جاتا ہے“

جب کبھی حضرت عمرؓ کے سامنے قرآن کی وہ آیات پڑھی جاتی تھیں جن میں عذاب سے ڈر لیا دھمکایا گیا ہے آپؐ پر رقت طاری ہو جاتی۔ آنحضرتؐ کی زندگی کی ماری نقطہ نگاہ سے بے سرو سامانی دیکھ کر آپؐ مدردو دیتے تھے۔ یہ بات خلافت سے پہلے اور خلافت کے بعد بھی آپؐ کے معاملہ میں مشہور سی ہو گئی تھی کہ خواہ آپؐ کا غیظ و غضب کتنا ہی شدید ہو، کسی سبب سے کیوں نہ ہو، اور ہر قرآن کی کوئی آیت پڑھی گئی اور اوپر ہنڈ برف غضب کا نور ہو گیا

خود مدبر جہالت میں آپؐ کا دل بعض بعض موقعوں پر کڑھنے لگ جاتا تھا اور بالکل نرم پڑ جاتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد عمرؓ کی قلب اور بھی نرم پڑ گیا۔ اب گریہ کبھی کبھی نالہ و بکا میں

تہیل ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی خلافت کے دور میں حضرت عمرؓ ایک زبردست کوروقارت تھے۔ اسی طرح آپ حد درجہ نرم بھی تھے۔ جن لوگوں نے آپ کے طرز حکومت پر تبصرو کیا ہے۔ انہوں نے یہ کہا ہے کہ آپ کی سختی 'ایزارسانی اور قنات سے' اور آپ کی نرمی 'کمزوری سے' خالی تھی۔ حضرت عمرؓ بیک وقت سخت بھی تھے نرم بھی، سب آپ سے خائف تھے۔ سب آپ سے عنایت اور توجہ کے متمنی اور آرزو مند تھے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی ذات پر بھی حد درجہ سختی کرتے تھے۔ گویا دوسروں سے پہلے اپنے ہی سے عاصدہ گیا کرتے تھے۔ یہ بات شاید ہی کبھی سنی ہوگی کہ حضرت عمرؓ نے کبھی اپنی ذات کو بھی واجب الرحم گردانا ہو اور اسے مستحق آلام و راحت جانا ہو۔ آپ کو ضعیفوں اور محتاجوں سے فرست ہی کب ملی تھی کہ آپ اپنی طرف متوجہ ہوتے۔ سختی اور نرمی کا یہی دلاویز امتزاج تھا جس نے حضرت عمرؓ کو وہ بے باکی بخشی تھی جو اصحاب رسولؐ تک میں مفقود تھی۔ جس وقت حضرت عمرؓ اپنی رائے کو صحیح سمجھ لیتے تھے کمال جرات کے ساتھ اسے پیش کرتے تھے۔ اور رسالت مآبؐ تک سے اختلاف رائے کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ عید میلہ کی صلح کے موقع پر آپ ہی نے آنحضرتؐ سے کہا تھا کہ "ہم اپنے دین کے معاملہ میں کسی نوع کی کمزوری کیوں دکھائیں" کبھی کبھی یہ بے باکی حضرت عمرؓ کو آمادہ کرتی تھی کہ آپ ان امور تک میں دخل دیں جن میں دوسرے صحابی بالکل دخل نہ دیتے تھے۔

مثلاً آپ کی خواہش تھی کہ شراب کو حرام قرار دیا جائے۔ بعض محدثین کا خیال ہے کہ جاہلیت میں حضرت عمرؓ نے شراب پی تھی اور اس کے مضراثرات کا آپ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ اس کی حرمت کے متمنی تھے۔ اس حرمت کے لئے حضرت عمرؓ مستقل اظہار رائے کرتے رہے اور آخر کار یہ نوبت آئی گئی کہ کم از کم شراب ایک حد تک حرام قرار پائی اور مسلمانوں کو یہ حکم ہو گیا "کو نشہ کی حالت میں نماز کے لئے نہ آئیں" اس لئے کہ اس صورت میں انہیں کیا معلوم ہو سکے گا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اس سے حضرت عمرؓ کو زبردست مشرت ہوئی۔ لیکن آپ کہہ اور ہی چاہتے تھے۔ "شراب کی مکمل حرمت" چنانچہ آپ کے اندر اس بات کی شدید آرزو پیدا ہو گئی۔ آپ اسے علی الاعلان کہنے بھی گئے اور اس سلسلہ میں اللہ

تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے گئے۔ آخر کار آپ کو اس دقت تکمیل ہوئی جب ”سودہ الملوکہ“ کی ۹۰ ادا دیں آیت نازل ہوئی جو مدحِ قرآنی ہے۔

”سے لیماں والو! شراب ادا ہوا ادبیت اور ہا سے یہ سب ناپاک کام اعمال شیطان سے میں سوان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور نفرت ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تم کو ان کا ہلکا سے باز رہنا چاہیے۔“

اس طرح حضرت عمرؓ کو جواب کے مسئلہ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ خصوصی طور پر ازدواجِ مطہرات کے بارے میں، حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں اپنی رائے کا انحضرتؐ سے اظہار کر دیا۔ آپ کو اس سلسلہ میں اتنا غلو ہو گیا کہ دعایت کے مطابق ایک بار جب آپ نے ام المومنین حضرت سودہؓ کو ’جو کسی کام سے گھر کے باہر تشریف لے گئی تھیں‘ ایک عام راستہ سے گزرتے دیکھا تو آپ نے حضرت سودہؓ کو پہچان لیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے فکار اور تجربہ کے پیش نظر گھر سے باہر نہ نکلیں۔

سودہ الاحزاب کی ۳۰۔ ۳۱ آیات میں بیعینہ یہی احکامات ہیں۔

”سے پیغمبر کی بیویو! تم میں سے جو کوئی صریح ناشائستہ حرکت کرے گی اس کو دونی سزا دیا جائے گی۔ اور یہ بات خدا کا اسان ہے اور جو تم میں سے خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری ہے گی اور عمل نیک کرے گی اس کو ہم دونا ثواب دیں گے اور اس کے لئے ہم نے عزت کی ادنیٰ تیار کر رکھا ہے۔“

سے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پر میرا گار رہنا چاہتی ہو تو کسی اجنبی شخص سے نرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہو کوئی امید نہ پیدا کر لے اور ان سے دستبرد کے مطابق بات کیا کر داد اپنے گھروں میں ٹہری رہو اور میں طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں اظہارِ تہل کرتی تھیں اسی طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پر ہستی رہو اور زکوٰۃ دینا رہو اور خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔

سے پیغمبر کے اہل بیت! خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کا میل کھیل دود کر دے اور تمہیں بائبل

پاک صاف کر دے اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو بے شک خدا باریک بین اور باخبر ہے۔

اسے سورہ کی آیات ۵۳ - ۵۵ میں یہ ہے

”مؤمنوا پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو۔ مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ لیکن جب تمہاری دولت کی بجائے تو جہاد اور جب کھانا کھا چکو تو جل دو۔ اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو۔

یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی تھی۔ اور وہ تم سے شرم کرتے تھے اور کہتے نہیں تھے لیکن خدا بھی بات کے کہنے سے شرم نہیں کرتا اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو ہرے کے باہر سے مانگو۔ یہ تمہارے ادا ان کے دونوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے اور تم کو یہ شایان شان نہیں کہ پیغمبر خدا کو تکلیف دو۔ اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو۔ بے شک یہ خدا کے نزدیک بڑے گناہ کا کام ہے اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو تو یاد رکھو کہ خدا ہر چیز سے باخبر ہے، عورتوں پر اپنے بالوں سے پردہ نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے اور نہ اپنے بھتیجیوں سے اور نہ اپنے بھانجیوں سے نہ اپنی قسم کی عورتوں سے اور نہ لونڈیوں سے اور

لے عورتوں کو خدا سے لڑتی رکھو بے شک خدا ہر چیز سے واقف ہے۔“

جس وقت خدائی حکم سے نبی کے مکان کو مستم اور جیل القدر قرار دیدیا گیا تو حضرت عمرؓ کو درجہ مستر ہوئی۔ بات یہیں ختم نہ ہو گئی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کسی معاملہ میں حضرت عمرؓ کی بیوی نے ان سے جھگڑا کیا۔ جس پر آپ نے انہیں قائل دیا۔

بیوی نے کہا۔ مجھے تو قائل رہے ہو تمہیں یہ نہیں معلوم کہ خود پیغمبر کی بیویاں اپنے نامدار شہر سے جھگڑتی ہیں اور بعض معاملات میں انہیں ناراض تک کر دیتی ہیں تمہارا بیٹی (مراد حضرت حفصہ) اور نبیؐ کی دوسری بیویاں رسول اللہؐ سے جھگڑ بیٹھتی ہیں اور آپ کو ناراض کرتی ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر جلد از جلد حضرت حفصہؓ کے پاس گئے اور یہ بات بوجھی حضرت حفصہؓ نے کہا ”یہ صحیح ہے کہ تم پیغمبر سے کبھی کبھی جھگڑتے ہیں۔“ اس پر

حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی کو سبھایا اور نصیحت کی۔ ماں کی طرف سے حضرت عمرؓ، حضرت ام سلمہؓ کے بھی رشتہ دار تھے۔ چنانچہ ان سے (ام سلمہؓ) نے مل کر بھی آپ نے یہی سوال کیا۔ ام سلمہؓ نے کہا "خدا کے لئے بس کرو ابن خطاب تم تقریباً ہر معاملہ میں دشمن ہو چکے ہو اب آنحضرتؐ کے مگر یہ معاملات تم میں دخل دینا چاہتے ہو۔"

یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے اور وہاں سے اٹھ آئے۔ ان تمام باتوں سے قبل غزوہ بدر کے اسیروں کے باب میں حضرت عمرؓ کی رائے میں قرآن کے مطابق واقع ہوئی تھی۔ آپ کی یہ رائے تھی کہ اسیران بدر کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے برخلاف صدیق اکبرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان قیدیوں کو رہا کر کے فدیہ لے لیا جائے۔ سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر کہ اسیران بدر کو چھوڑ دیا گیا تھا نبیؐ اور مسلمانوں کو طاعت کی۔ ان باتوں کے پیش نظر مدینہ کے اس نقل کردہ قول پیغمبرؐ میں کہ "حق عمرؓ کی زبان پر رہتا ہے" کوئی غلطی نہیں معلوم ہوتی۔ اسی طرح یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو فاروقؓ (حق و باطل میں امتیاز کرنے والا) کہوں کہا گیا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ لقب بقول حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ کا عطا کیا ہوا تھا یا جیسا کہ بعض دوسرے محدثین نے بیان کیا ہے اہل کتاب (اس دور کے یہودی اور نصرانی وغیرہ) نے آپ کو یہ لقب دیا تھا۔ جسے بعد میں مسلمانوں نے اختیار کر لیا تھا۔

حضرت ابو بکرؓ کے دور میں بھی حضرت عمرؓ کی یہ بے ہاکی قائم رہی۔ حضرت خالدؓ ابن ولید کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا حضرت ابو بکرؓ سے اختلاف معروف چیز ہے۔ جس وقت خالدؓ نے مالک بن نویرہ کو قتل کیا تو حضرت عمرؓ نے یہ کہتے ہوئے کہ خالدؓ کی تلوار ستم انگیز ہے حضرت ابو بکرؓ سے ان کے معزول کے جانے کی سفارش کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی خالدؓ کو معزول کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس بات سے بھی منع کیا تھا کہ خالد بن سعید بن العاص کو شام کے حدود پر روانہ کریں۔ اتفاق سے یہی رائے حضرت علیؓ کی بھی تھی۔ غرض دونوں بزرگوں کی رائے یہ تھی کہ حضرت خالد بن سعید خود پسند اور بد باز ہیں۔ بعد کے حالات نے اس رائے کی

صداقت پر ہمہ تائید مثبت کی۔ خالد بن سعید نے آگے بڑھنے میں جلد بازی کی اور نتیجہ کے طور پر انہیں راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔

حضرت عمرؓ کی یہی جرات اور حق کے لئے سخت گیری تھی، ان کی رائے کا مختلف مواقع پر قرآن کے ارشاد سے یہی تطابق تھا، اور ان کا رسول اللہ اور امت کے لئے یہی جذبہ غیر سگالی تھا جس نے انہیں آنحضرتؐ کی نگاہوں میں اس درجہ پسندیدہ اور قابل ترجیح شخصیت بنا دیا تھا۔

آنحضرتؐ، حضرت عمرؓ سے وہ کچھ کہتے رہتے تھے جس سے وہ اندر تپا پامست و شادمانی ہو جایا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ سے عہد کی اجازت چاہی اور کہا میں عہد کے لئے پیدل جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے انہیں اجازت دے دی لیکن جب وہ چلنے لگے تو لوہا بھیجا اور کہا۔

”میرے بھائی اپنی نیک دعاؤں میں مجھے بھی شریک رکھنا“ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے۔

آنحضرتؐ مجھ سے ایک بات ایسی فرما چکے ہیں جس کے عوض میں یہ پوری دنیا اور اس کی تمام نعمتیں لینا پسند نہ کروں گا۔

حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کے لئے بے پناہ حد تک خیر اندیشی کے جذبات رکھتے تھے۔ آپ ہر جان بچھاؤ کرنے، آپ کے لئے سینہ سپر ہونے اور ہر بلا اور ہر مصیبت کو آپ سے دور رکھنے کے لئے حضرت عمرؓ ہمیشہ بے چین اور عمل پر آمادہ رہتے تھے۔ یہ جاننے کے بعد کہ انداج مطہرات اپنے نامدار اور معظم شہر سے بھگڑتی ہیں آپ نے اس موضوع پر حصفہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے بات کی تھی۔ نبی سے یہی اتہما درجہ کا شغف اور عشق، کبھی کبھی حضرت عمرؓ کو حد درجہ فیور اور شعلہ مزاج اور تند خو بنا دیتا تھا۔ آنحضرتؐ، حضرت عمرؓ کی اس جدت اور شدت کو ملامت اور سلامتی طبع میں تبدیل فرمانا چاہتے تھے۔ مثلاً غزوہ نبی مصطلق میں عبداللہ بن ابی بن سلول بار بار کہتا تھا کہ اگر تم مدینہ پہنچ گئے تو پھر ماں کے ہاتھ پر کمزوروں کو مار بھگاؤں گے۔ شدہ شدہ یہ بات آنحضرتؐ

بمک پہنچی اور حضرت عمرؓ نے چاہا کہ انہیں اس گستاخ کو اس کی گستاخی کی پاداش میں سزائے قتل دینے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن آنحضرت نے حضرت عمرؓ کو اس بات کی اجازت نہ دی اور یہ کہہ کر عری شدت کو بے قابو ہونے سے بچایا کہ ایسا کیا گیا تو لوگ کہیں گے کہ حضرت محمدؐ المرسل للہ اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

اسی عبد اللہ بن ابی بن رسول کے مرنے کے بعد جب اس کے بیٹے نے آنحضرتؐ سے اس کے یہ درخواست کی کہ اس کی نماز جنازہ پڑھ دیں تو آنحضرت نے اس درخواست کو قبول کر لیا لیکن حضرت عمرؓ نے اس باب میں آپ سے اختلاف کیا اور سورۃ براۃ کی ذیل کی اس آیت کو پیش کر کے آپ کو ایسا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

آیت ۸۰ سورۃ براۃ "تم ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو بات ایک ہے اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو صی خدا ان کو نہیں بخشے گا۔"

آنحضرتؐ نے اس موقع پر یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کی رائے نہ قبول کی تھی کہ بہر حال اللہ نے آپؐ کو اس سلسلہ میں اختیار دیا تھا کہ نماز جنازہ پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے بھی طے کیا تھا کہ آپ عبد اللہ بن ابی بن رسول کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

مگر صحیحی کہ روایات حدیث کی رو سے حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق تو ہونا ہی تھا۔ چنانچہ اسی سورۃ براۃ میں یہ آیت نازل ہوئی (آیت ۸۲ - سورۃ براۃ)۔

"اوسلے پیغمبران میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس کے جنازے پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر جا کر کھڑے ہونا یہ خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور جس بھی تو نافرمان ہی مرے۔"

غزوہ حنین کے موقع پر آنحضرت نے مال غنیمت تقسیم کیا۔ اور قریش وغیرہ کو رسولؐ کی توقع سے بہت زیادہ دیا۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔

"لے محمدؐ انصاف کرو، نبی کے چہرہ پر غیظ و غضب کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپ نے فرمایا، تیرا برا ہو اگر میں انصاف نہ کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا۔"

ایک بار پھر حضرت عمرؓ نے اجازت پوچھی کہ اس شخص کو جس نے آنحضرتؐ کے ایک

عمل پر اعتراض کیا تھا، قتل کر دیں لیکن رسالت مآبؐ کے

رحمۃ للعالمین تھے یہ اجازت نہ دی

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کے عہد میں حضرت عمرؓ کی زندگی اور ان کے مزاج میں شدت اور سخت گیری بے حد نمایاں تھی اور اسے بھی آنحضرتؐ کیسے اظہار فرما کر اور کبھی تقسیم فرما کے، کم کر دیتے تھے، روک کر دیتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں بھی آپؐ کی یہی روش قائم رہی۔ جس چیز کو حضرت عمرؓ حق مانتے تھے اس کی خاطر سنت سے سخت قدم اٹھانے کو تیار نہ تھے اور جب کبھی آنحضرتؐ حضرت عمرؓ کو سخت گیری اور شدت سے منع کرتے تو آپؐ باز آجاتے کیونکہ آپؐ کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ جو بھی کہتے ہیں، جو بھی حکم صادر فرماتے ہیں وہ اللہ کے حکم کے براہ راست تابع ہوتا ہے یعنی از روئے وحی سماوی ہوتا ہے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے احکامات آپؐ کے

نزدیک تنقید سے بالاتر نہ تھے آپؐ چاہتے تھے کہ خلیفہ اولؓ خالدؓ کو معزول کر دیں اور آپؐ نے اس پر اصرار کیا تھا لیکن صدیق اکبرؓ نے ان کی یہ بات نہ مانی تھی۔ چنانچہ آپؐ خاموش ہو گئے۔ لیکن جب خلافت کا بار خود سنبھالا تو اپنی رائے کے مطابق خالدؓ کو معزول کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی بعض باتوں سے شدید اختلاف کو حضرت عمرؓ اس لئے جانسنر سمجھتے تھے کہ آپؐ کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کی رائے بہر حال ان کی ذاتی رائے ہوتی تھی۔

کوئی ان کے پاس وحی نہ آتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اجتہاد کرتے تھے۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور امت کے لئے خیر اندیشی کر کے ایک نتیجہ پر پہنچتے تھے۔ چنانچہ جب صورت یہ تھی تو حضرت عمرؓ بھی، اس اجتہاد کے اصول پر، ابوبکرؓ سے اختلاف کرتے رہتے تھے۔ آنحضرتؐ کے احکامات سے ردگردانی البتہ حضرت عمرؓ کے نزدیک گناہ تھا۔

باب

حضرت عمرؓ کے مزاج میں تبدیلی

خلافت کا بھار سنبھالنے کے بعد اور جنگ اور صلح کے دور کے مسائل سے بزدلانا ہونے کے بعد حضرت عمرؓ میں بعض ایسے صفات نمودار ہوئے جو اس سے پہلے منظر عام پر نہ آئے تھے۔ ابھی تک حضرت عمرؓ رسول اللہؐ کی ایک تلوار تھے۔ جسے رسالت مآبؐ جب چاہتے تھے بے نیام فرطتے تھے اور جب چاہتے تھے نیام میں رکھ لیتے تھے۔ ایسے ہی خلیفہ اولؓ کے دور میں بھی آپ ایک ایسی شمشیر خلافت تھے جسے لہر و تہ بے نیام کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ صرف اطاعت کر سکتے تھے۔ یا زیادہ سے زیادہ مختلف امور میں مشورہ دے سکتے تھے اس وقت ان کا یہ کام نہ تھا کہ اس سے زیادہ کچھ کریں۔ لیکن خلافت کا بار سنبھالنے ہی حضرت عمرؓ نے ایک ایسا احساس ذمہ داری پانے پر مستط پایا جو محیطہ تحریر میں آئی ہوئی عالمی تاریخ کا کوئی خلیفہ یا حاکم اپنے اندر پیدا نہ کر سکا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ ادنیٰ ادنیٰ اسی بات میں اپنا حاسبہ فرطتے تھے۔ آپ کا ضمیر ہمہ وقت بیدار رہتا تھا دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہ حاسبہ قائم نہ رہتا جو کبھی کبھی یہ دوسری امت آپ کی آنکھوں سے نیند کو غائب کر دیتی تھی۔ لیکن سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ اپنی ذات کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ کبھی کبھی تو آپ خود اپنی ذات کا مذاق اڑایا کرتے تھے! ایک دفعہ آپ کے مکان کے پاس سے کچھ لوگ گزر رہے تھے تو دیوار کی پشت سے آپ کو کہتے سنا گیا

”خطاب کا بیٹا امیر المؤمنین بنا پھر تاجے ابن خطاب ہوش کی دوا کر۔ اگر تو اللہ

کی اطاعت نہ کرے گا تو تجھے غلاب دیا جائے گا“

ایک چیز جس سے آپ بے حد مخالف تھے وہ یہ خیال تھا کہ کہیں خدا کے نزدیک یہ نہ ثابت ہو جائے کہ آپ نے اپنے کو عام لوگوں سے ممتاز مانا ہے۔ اور اپنی ذات کو دوسروں کے مقابلہ میں قابلِ تزیح گردانا ہے۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ حضرت عمرؓ اپنے آپ کو آنحضرتؐ کے بڑے صحابہ یا متوسط لوگوں تک نہیں گنتے تھے بلکہ اپنا مقام وہ بنائے ہوئے تھے جو بے لياضات اور حاجت مند لوگوں کا تھا۔ آپ نے اپنے اوپر یہ بات لازم کر رکھی تھی کہ آپ کا معیار زندگی بے لياضات لوگوں کے معیار سے بڑھنے نہ لے اور آپ بھی گرم دوسروں سے انہی ناداروں کے مانند برد آزما ہوں۔

آپ نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ ایسا اسی صورت میں ممکن ہو سکے گا جب آپ کو بوسے طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ ناداروں اور غریبوں کی راحت کسافی کا کیا طریقہ ہے اور یہ کہ کن چیزوں سے اس طبقہ کے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ کس چیز میں یہ مگن رہتے ہیں۔ اور کن باتوں سے اپنے کو قسم کسیدہ سمجھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کوئی مفلس اور نادار آدمی نہ تھے۔ ان کی اپنی تجارت تھی اور خلافت کا بارگراں تجارتی مشاغل میں دخل انداز بھی نہ ہو سکتا تھا۔ یعنی اگر آپ چاہتے تو فارغ البالی سے زندگی گزار سکتے تھے اور اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے لئے آرام و زندگی کا سامان مہیا کر سکتے تھے لیکن آپ نے اپنے لئے حد و برہمعت اور دشمن زندگی اختیار کر رکھی تھی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ میکینوں اور قلاشوں کا کھانا کھاتے تھے اور اپنے مستحقین پر انتہائی کڑی نگرانی رکھتے تھے کبھی کبھی آپ ان سے یہ فرمایا کرتے:

”لوگوں کی نگاہیں تمہاری طرف ہیں اس لئے اگر تم میں سے کسی نے ذرا بھی قانون شکنی کی تو میں اسے دو گنی سزا دوں گا۔“

اپنے بیٹیوں کو آپ تلقین فرمایا کرتے تھے کہ انہیں حتی الوسع آپ اپنا کفیل بنانا چاہیے اور انہیں حتی الامکان آپ کو (مراد حضرت عمرؓ) اس بات پر مجبور نہ کرنا چاہیے کہ آپ ان کے مصارف برداشت کریں، عورتوں پر بے حد سختی فرماتے تھے یعنی ان معنی میں ان پر سختی فرماتے تھے کہ انہیں کھردی اور غیر نرم زندگی گزارنے پر مجبور کرتے تھے۔ جسے عورتیں عموماً پسند نہیں کیا کرتیں

باس اور غذا کے معاملہ میں ان عورتوں کو سختیوں کا عادی بناتے تھے۔ اور ان سے یہ توقع فرماتے تھے کہ وہ پوری زندگی جفاکشی میں گزار دیں۔ حضرت عمرؓ جس وقت اپنی بیویوں سے ملنے توہمہ پر تازگی کا نام نہ ہوتا۔ یہ بیان ایک خاتون کا ہے جنہیں آپ نے ایک بار شادی کا بیٹھام دیا اور انہوں نے اسی سخت گیری کے پیش نظر اسے ہانپھوڑ کر دیا۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے گئے۔ انہوں نے ملاقات کرنی چاہی اور شور بے کی قسم کی ایک چیز لاکر رکھ دی اور اس میں عموؓ سا روغن بھی ڈال دیا۔ باپ نے یہ کہہ کر غذا سے ہاتھ کھینچ لیا کہ ایک ہی برتن میں دو دو منے ہونگے میں میں ہرگز نہیں کھاؤں گا۔

حضرت عمرؓ کی اپنی ذات سے یہ ظہیر مسمومی سخت گیری عموؓ لوگوں کو اور آپ کی حکومت کے ارکان کو آپ کے ساتھ کھانا کھانے سے مجتنب رکھتی تھی۔ لوگ عموؓ اپنے گھروں میں لذت فرائض کھاتے تھے اور دوسری نعمتوں سے لذت اندوز ہوتے تھے۔ اس لئے جب کبھی انہیں حضرت عمرؓ کے ساتھ کھانا کھانا ہوتا تو وہ اس میں تکلیف کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ایک رفیق ان کے دسترخوان پر بہت ہی حقیر غذا رکھ کر ضبط نہ کر سکے اور لال اٹھے، آپ تو بہت ہی روکھی بھیکھی غذا کھاتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے لئے جو کھانا ہاں کا ہے اسے منگواؤں۔

حضرت عمرؓ نے کہا: یہ ایک بالکل بے معنی سی بات ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اچھی غذا کون کون ہے اور کون نہیں میں اور میں اگر چاہوں تو ان نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو سکتا ہوں۔ لیکن میرے پیش نظر قرآن کہیم کا یہ قول ہے۔

”تم لوگ اپنی دنیاوی زندگیوں میں اس دیرینہ نعمتوں میں مگن ہو گئے کہ تمہاری نیکیاں ذاتی ہی ہو گئیں۔“

حضرت عمرؓ جو اپنی ذات پر یہ ایشار کرتے تھے وہ اسی جذبہ کے ماتحت تھا کہ مبادا اللہ تعالیٰ کے یہاں انہیں جو نیکیاں اور اجر اور لانوال مسرتیں ملنے والی ہیں ان میں کسی دلت ہو جائے جس وقت آپ نے یہ طے کر لیا کہ تمام اشخاص کا ایک ریشتر بنایا جائے اور قبیلہ دار لوگوں کے نام نکھوا دیے جائیں۔ تو آپ کے اہل دفتر نے سب سے پہلے بنی ہاشم کا نام نکھا۔

یعنی آنحضرتؐ کے آدمیوں کا۔ پھر بنی تیم۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے آدمیوں کا پھر بنی عدی
 یعنی حضرت عمرؓ کے آدمیوں کا نام لکھا۔ اب حضرت عمرؓ نے جب اس دیوان (رجسٹر یا دفتر) کا
 معائنہ فرمایا تو کہا کہ بخدا میں تو بہت خوش ہوں گا کہ ترتیب یہی ہوتی لیکن عمرؓ اور ان کے قبیلے کے انہیں
 کا نام دیا ہونا چاہیے جہاں کا اللہ تعالیٰ نے انہیں مستحق بنایا ہے یعنی جو آنحضرتؐ سے جتنا قریب ہو
 اتنی ہی اسے اولیت اور تقدم ملنے چاہئیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اہل دفتر کی قائم کی ہوتی ترتیب کو تسلیم نہیں کیا اور انہیں
 اس کے اعادے کا حکم دیا اور یہ فرمایا۔

”قریش میں اسماء کی ترتیب از روئے قرابت نبوی ہونی چاہیے اور اس نقطہ نگاہ سے
 بنی عدی (آپ کے خاندان کے لوگ) جہاں بھی جگہ پائیں انہیں دیوان میں جگہ دینی چاہیے“
 ایک قول یہ بھی ہے کہ ترتیب اسماء میں نظر ثانی کے بعد بنی عدی کے لوگ حضرت عمرؓ
 کے ہاں آئے اور اس باب میں ان سے گفتگو کی اور کہا:۔

”حضرت ابوملک رول اللہ کے خلیفہ ہیں اور تم ابوبکرؓ کے خلیفہ ہو تو اگر دیوان کو حوں
 کا توں رہنے دو تو اس سے کیا حرج واقع ہو جائے گا“ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے
 کہا۔

”بہت خوب! میرے خاندان والے یہ چاہتے ہیں کہ میرے منصب سے فائدہ اٹھائیں
 اور میری نیکیوں کو زائل ہو جانے دیں۔ بخدا میں اپنے قرابت داروں کو صرف اس نسبت سے
 دیوان میں جگہ دوں گا جس نسبت سے وہ آنحضرتؐ سے قریب ہیں“

حضرت عمرؓ کی یہ شدت پسندی اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی فادات کے ساتھ یہ
 سخت گیری اور یہ ایثار پسندانہ سلوک محض اس لئے نہ تھے کہ آپ اپنی نیکیوں کو برباد نہیں
 ہونا دینا چاہتے تھے۔ اس کے سچے ایک اور جذبہ بھی تھا اور وہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ اس
 بات کو ذہن میں رکھنا چاہتے تھے کہ رسالت مآبؐ نے کس حد تک زندگی کی سختیاں اٹھائی
 تھیں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی زندگی انتہائی سخت زندگی تھی۔ مآری اعتبار سے
 اس درجہ تنگ کہ کبھی فائدہ کی نوبت آجاتی تھی۔ لیکن رسالت مآبؐ کس خندہ پیشانی

سے اس کٹھن زندگی کو نباتے تھے۔ جب میسر آجاتا تھا کھا لیتے تھے اور جب کھانے کو کچھ نہ ہوتا تھا تو روزہ رکھ لیتے تھے۔

اپنے دورانِ خلافت حضرت ابوبکرؓ کی زندگی بھی ہر قسم کے عیش و راحت سے دور تھی۔ ابوبکرؓ کی زندگی شدتِ ادرتگی کا ایک نمونہ تھی جس میں راحت اور آسائش کا دور دور نشان نہ تھا۔ فاروق اعظمؓ اس بات کو مستقل فرین میں رکھتے تھے اور جس بات کو حدِ درجہ ناپسند فرماتے تھے وہ یہ تھی کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ سے بہتر لباس پہنیں یا کھائیں۔ جن دنوں مدینے میں دولت کے انبار لگ رہے تھے اور حریمِ خلافت میں مالِ غنیمت لہلہ کے آتا تھا تو حضرت عمرؓ کو رسالتِ مآب اور خلیفۃ الرسولؐ کی نارادیاں اور سیم و زردے مطلق محرومیاں یاد آتی تھیں۔ انہیں یاد کر کے آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اور کبھی کبھی تو روتے روتے آپ کی پچھلیاں بندھ جاتی تھیں آپ کی اس گریہ و زاری سے اہلِ مجلس بھی متاثر ہوتے تھے۔ آپ کی زندگی کی مطلق بے سرو سامانی دیکھ کے بعض دوست بے تاب ہی تو ہو گئے اور اس باب میں ان لوگوں نے حضرت حفصہؓ سے درخواست کی کہ وہ اپنے فقرِ قریش والد سے آسائش کی زندگی کی سفارش کریں یا کم از کم اس بات کی کہ وہ اس درجہ ریاضت اور جفاکشی کو ترک کر دیں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ نے ایسا ہی کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس پیش کش کو بالکل قبول نہ کیا اور لٹے حضرت حفصہؓ کو آنحضرتؐ کی زندگی کی نارادیاں اور مصیبتیں یاد دلائی اور اس حد تک ان باتوں کا ذکر کیا کہ خود حضرت حفصہؓ رو پڑیں۔

حضرت عمرؓ نے یہ جو نفس کشی اختیار کی تھی اس سے ہماری سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے کہ انہوں نے اس سال جب جزیرہ نمائے عرب پر قحط کی مصیبت نازل ہوئی تھی اور لوگ مڑا رتک کھانے پر مجبور ہو گئے تھے یعنی چھوٹے وغیرہ کو ان کے بلوں سے نکال نکال کے کھانے تک — کیوں اپنی تاریخی ایثار پسندانہ اور جفاکش نہ روش اختیار کی تھی۔

یہ بلائیں وہ تو جینے تک رہا اور ان مہینوں میں حضرت عمرؓ نے ایک ایسی روش اختیار کی جس کی عالمی تاریخ میں کوئی بھی مثال نہیں ملتی۔ قحط کی وبا اکثر و بیشتر مختلف ملکوں پر نازل ہوتی ہے اور لوگ اکثر بھوک سے برباد اور ہلاک ہو گئے ہیں اور ان کے حکمرانوں نے

ان سے اس منوس مصیبت کی سستی بھی کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہیں تاہم یہ نہیں بتایا کہ ان حکمرانوں میں کسی نے کبھی خود بھوک میں بھی عام ان فوں کا ساتھ دیا ہو۔ حضرت عمرؓ نے جس طرح حجاز اور نجد اور تھامس کے لوگوں کا بھوک اور مصیبت میں ساتھ دیا ہے اور اس میں شرکت کی ہے اس کی ہمیں عالی تائیرخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

عام لوگوں کی طرح حضرت عمرؓ بھی عملی طور پر بھوکے رہتے تھے۔ اس مدت میں بونٹک سالی اور قحط کی قیامت خیز مدت تھی حضرت عمرؓ نے اپنے لئے راحت اور آرام حرام کر لئے تھے۔ حد یہ ہو گئی کہ وہ ایک زمانے میں زیتون کے پھلوں پر گزارہ کرنے لگے کبھی اسے یوں ہی کھا جاتے اور کبھی پکوا کے۔ آپ نے اس کثرت سے زیتون استعمال کی کہ بالکل پھجانے نہ جاتے تھے۔ مدینہ میں اور مدینہ کے باہر جو ہادیہ نشین لوگ تھے ان کے لئے آپ خود اپنی پیٹھ پر لا کر غذا کا سامان پہنچا آتے تھے۔ یہ کام آپ کسی دوسرے کو نہیں کرنے دیتے تھے۔ یہی نہیں آپ یہ اطمینان بھی پیدا کر لیا کرتے تھے کہ جن لوگوں کے لئے یہ غذا لے جانی جا رہی ہے ان تک یہ پہنچ بھی چکی ہے اور انہوں نے اسے کھا بھی لیا ہے۔ اطراف کے لوگ جب بہت تنگ آگئے تو اپنی جان بچانے کے لئے چاروں طرف سے کھانے کی تلاش میں مدینہ پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت عمرؓ نہیں چاہتے تھے کہ اہل مدینہ مزید پریشان ہوں اس لئے ان ہادیہ نشینوں کو آپ نے مدینہ کے نواح میں بگڑے دیے تھے۔ آپ انتہائی کوشش اس بات کی فرماتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کو ضروری غذا اور لباس میسر آتے رہیں۔ لیکن یہ نہ سمجنا چاہیے کہ آپ پر ان لوگوں کا جو قحط کی مصیبت پر صبر و شکر کئے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے تھے اور وہاں سے نکل کر نہ آئے تھے خیال منقطع نہ تھا۔ آپ نے مختلف صوبوں کے حاکموں کو لکھ دیا تھا کہ غذائی سامان بھیجیں۔

اس کے بعد آپ نے بہت سے آدمی اس بات پر مامور کر دیے تھے کہ ان غذائی سامانوں کو مرکز کی طرف سے وصول کر کے لوگوں کو کھلانے پلانے کا بندوبست کریں۔ یہی نہیں۔ انہیں آنا دے دیں کہ وہ بعد کی ممکنہ مصیبتوں سے بھی خبردار بنا سکیں۔

ان چند مہینوں میں کیا نزدیک کے لوگ اور کیا دور کے لوگ حضرت عمرؓ نے قلمرو کے تمام آدمیوں کا انتہا درجے کا خیال رکھا۔ نگہداشت کا حق ادا کیا اور ایسا کرنے میں اپنی ذات

پر اتنی تکلیفیں گوارا کیں کہ لوگوں کو آپ کی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔

بیان کیا گیا ہے کہ اس مدت میں حضرت عمرؓ نے ہر قسم کی آسائش ہر طرح کی راحت سب کچھ اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ محض عوام کے دردناک مسائل ہی نہ تھے جنہوں نے آپ کو خستہ حال اور کوفتہ کر رکھا تھا۔ آپ کے زہد اور بیدار ضمیر میں نئے نئے افکار پھیل رہتے تھے۔ آپ کو ڈر رہ تھا کہ کہیں آپ کی خلافت کے زلمے میں یا آپ کے ہاتھوں سے امتِ عمری ہلاک نہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ عموماً تمام دنوں میں زیادہ رات گزر جانے پر نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ لیکن جب عرب خشک سالی کی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمرؓ تہجد و طہیرہ صرف اس صورت میں پڑھتے تھے جب انہیں قوم کے مسائل فرمت دیتے تھے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا حضرت عمرؓ نے اپنے لئے وہ آسائش بھی حرام کر رکھی تھیں جو متوسط درجے کے لوگوں کو میسر تھیں۔ مثلاً گوشت و طیور اس وقت کھایا کرتے تھے جب ناچار اور انتہائی غریب لوگوں کے لئے کوئی بھیڑ یا بکری ذبح ہوتی تھی۔ اسی طرح گھی سے بالکل پرہیز کرنے لگے تھے۔ اسے اپنے اوپر حرام سا کر لیا تھا۔ اور زخموں پر گزارہ کرنے لگے تھے جب مستقل زخموں کے استعمال سے آپ کو تکلیف پہنچی تو آپ نے سوچا کہ اسے پکھلایا کریں تاکہ اس کی صورت کم ہو جائے۔ لیکن اسے پکوانے پر آپ نے اسے پکھلاد ہی ناقابل برداشت پایا۔ جب آپ اسے کھاتے تو شکم مبارک میں جانے کے بعد اس سے مروڑ سا پیدا ہوتا اور قرقری آواز پیدا ہونے لگتی۔

حضرت عمرؓ اس پر اپنے شکم پر ہاتھ مارتے تھے اور اس سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ "کہنے لگے شکم کچھ بھی ہو تجھے ہی کھانا پڑے گا اور یہ چیز اس وقت تک جاری رہے گی جب تک لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ان جہینوں میں آپ کی یہ سخت گیری محض اپنی ذات پر نہ تھی یہی بچوں پر بھی تھی۔"

آپ اپنے کنبہ والوں کو طقت کی اس عمومی تباہی کے موقع پر ہر قسم کی آسائش سے باز رکھنے کی کوشش کرتے تھے آپ ان سے فرماتے تھے:-

” ہم اس درد میں صرف اتنا کھائیں گے جتنا بیت المال سے عام سے عام مسلمانوں کے لئے بل سکتا ہے۔ اور جب بیت المال میں اس کی بھی سکت نہ رہ جائے گی تو ہم ہر ایک گھر پر ایک عدد دوسرے گھر کے افراد کے کھلانے پلانے کی ذمہ داری ڈال دیں گے تاکہ ان لوگوں کو جو کچھ میسر آئے اسے آپس میں بانٹ کھائیں۔ بنیادی طور پر یہ حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ عوام کی ضروریات کا بندوبست کرے۔ لیکن اگر حکومت ایسا نہ کر سکے گی تو پھر مختلف گھروں پر یہ ذمہ داری عائد کر دی جائے گی تاکہ اس رنج و مصیبت میں سب ہی برابر کے شریک رہیں۔ کم از کم تھوڑا تھوڑا کھا لینے سے لوگ مرنے سے تو بچ رہیں گے اور یہ قلیل مقدار میں کھانا اس بھوک سے بہر صورت بہتر ہوگا جو لوگوں کو مطلقاً ہلاک کر دے۔ حضرت عمرؓ اس بات کو کسی قیمت پر گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ سوساٹی کا ایک طبقہ آسودہ رہے اور ایک بھوک سے مر جائے۔ اس کے علاوہ اگرچہ حضرت عمرؓ کچھ لوگوں کو فاقہ کی موت سے نہ بچا سکے تھے۔ تاہم اندرونی علاقوں میں غذائی سامان بھیج کر آپ نے بڑی حد تک صورت حال پر قابو پایا تھا۔ بعض لوگ جو مدینہ کے فواح میں آکے پڑ گئے تھے فاقہ میں ہلاک ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ ان شورہ بختوں کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے اور ان کی قبروں پر بھی جایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے ضمیر اور کی یہ بیماری امت کے لئے یہ دلسوزی آسائش مردم کا یہ جان لیوا خیال ایک پوری بھوک قوم کو کھلانے کا یہ زبردست عزم ان تمام باتوں سے فاروق اعظمؓ کی ان چند ہمینوں کی زندگی کا ایک لفظ نہ کیا جاسکتا ہے۔ دراصل حضرت عمرؓ ان دنوں میں اپنی ہر شام کو شاہِ غم سمجھا کئے۔ اور ہر صبح کو صبح ہی کی طرح چاک گریباں دیا کئے۔ بیشمار موقعوں پر اس مدت میں آپ رونے بھی اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ امت کے سر پر اس آبی ہلا کو ٹال دے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ جب خشک سالی اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور امت محمدیؐ کرب و اضطراب سے مطلقاً نڈھال ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے اور آپ کے ساتھ تمام لوگوں نے استسقا کی نماز پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ سے بار بار رحمت کا مطالبہ کیا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ استسقا

ادا کرتے ہوئے آپ نے آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ان کے دیسے سے پانی کی دعا مانگی تھی اور ادھر دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ مطلع ابر الود ہو گیا تھا۔

حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے ”طلب آب“ کی روایت کا جعلی ہونا بالکل ظاہر ہے اس روایت کا مقصد بظاہر اس کے علاوہ کچھ اور نہیں معلوم ہوتا ہے کہ عباسی دور میں بعض محدثین دربار کی خوشامد کرنی چاہتے تھے۔

لیکن ایک بات بالکل یقین ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء اسی انداز میں ادا کی جس انداز میں رسالت مآبؐ ادا فرماتے تھے۔ اس نماز کے تھوڑے وقفے کے بعد یا شاید زیادہ وقفے کے بعد بارش ہوئی تھی۔ جس وقت بارش ہو گئی تو حضرت عمرؓ بے حد مسرور ہوئے اور آپ نے اس بات کی کوشش کی کہ در در سے آئے ہوئے بادیہ نشینوں کو ان کے وطن پہنچا دیا جائے تاکہ اس عظیم مصیبت سے پہلے لوگ جن جن مشغلوں میں منہمک تھے ان میں پھر سے لگ جائیں۔

باب

حضرت عمرؓ کی امانت اور درویشی

حضرت عمرؓ اپنی ذات اور اپنے نفس پر حدود و پابندیاں روا رکھتے تھے اور بیت المال کے معاملہ میں آپ کی یہ سخت گیری دوسروں کے لئے بھی تھی اپنی ذات اور اپنے متعلقین کے لئے آپ جو کچھ بیت المال سے لیتے تھے (جسے بعد میں آپ نے اپنے ترکہ سے کہہ کر ادا کر دیا) اس کا نہروست محاسب فرماتے تھے۔ آپ فرماتے تھے:-

”امت کی یہ دولت اسی طرح میری نگرانی میں رہے گی جیسے یتیموں کا مال جس کا ناجائز طور پر کھانا مطلقاً حرام ہے اس کے بعد آپ اکثر سورۃ نساء کے چند الفاظ دہراتے تھے جن کا مطلب یہ ہے:-“

”جو شخص آسودہ حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعی طور پر پرہیز رکھنا چاہیے اور جو بے مقدر ہو وہ مناسب طور پر یعنی بقدر خدمت کچھ لے لے“

سورۃ نساء آیت ۶

ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ میں بیت المال کی دولت کو مل-تیم کی طرح مقدس اور ناقابل خود برد گردانتا ہوں۔ جب مجھے شدید ضرورت پیش آئے گی میں اس میں سے لے کے کچھ کھاؤں گا لیکن اگر میرے پاس اتنا ہو گا کہ میں اپنا کام چلا سکوں گا تو میں ہرگز اس دولت کو نہ ہاتھ لگاؤں گا۔ کبھی کبھی حضرت عمرؓ اپنی مثال ایک ایسے شخص کی دیتے تھے جو چند لوگوں کے ساتھ سفر میں نکلا ہو اور اس کے پاس ان تمام لوگوں کا مال و

اسباب امانت رکھا دیا گیا ہو۔ اب اس شخص کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ بغیر ساتھیوں کی مرضی کے اس امانت کے مال میں خود ہرگز کرے۔ اس سخت گیری اور درویش منشی کے باوجود حضرت عمرؓ نے اپنے دوستوں سے اس باب میں کہ بیت المال سے وہ کتنا لے سکتے ہیں، مشورہ کیا تھا۔ کچھ لوگوں نے تو یہ کہا کہ آپ اس قدر لے سکتے ہیں جتنا کہ آپ کے لئے اور آپ کے متعلقین کے لئے ضروری ہو اور ان کے مصارف کو پورا کر کے، لیکن حضرت علیؓ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ صرف دو وقت کے کھانے بھر کی رقم لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ ہی کا مشورہ قبول کیا۔ چنانچہ آپ بیت المال سے صرف اس حد تک لیتے تھے جس کی واقعی ضرورت ہوتی تھی۔ اپنے اہل و عیال کو آپ اوسط درجے کے لوگوں کا کھانا کھلاتے تھے۔ اپنے پہننے کے لئے آپ بیت المال سے کچھ کپڑے بھی لیتے تھے۔ بس ایک جوڑا گرمی کے لئے اور ایک جاڑے کے لئے!

اس میں آپ اپنی ذات پر انتہا درجہ کا تشدد فرماتے تھے۔ کپڑے جب تک بالکل ہی پھٹ نہ جلتے تھے آپ دوسرے کپڑے نہ لیتے تھے۔ کبھی کبھی کیا اکثر کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔ مانگے لگاتے تھے۔ کبھی کبھی تو آپ ببول کے کانٹوں سے اپنے ہیرا سن خلافت کی دردیگی میں روف فرماتے تھے!

روایت ہے کہ ایک دن آپ کو جمعہ میں دیر ہوئی۔ لوگ بہت دیر تک منتظر رہے لیکن آپ نہ آنے لوگوں کا پیمانہ صبر لبریز ہوا ہی چاہتا تھا کہ حضرت عمرؓ خطاب کرنے کے لئے ممبر پر بیٹھ گئے اور دیر سے آنے کی معذرت چاہی۔ دیر سے آنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی قمیص دھوئی تھی جسے خشک کرنا چاہتے تھے وہ اب تک خشک نہ ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس اتنی دولت یقیناً تھی کہ وہ آسودگی اور فراغت میں بسر کر سکتے تھے لیکن آپ کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ لوگوں کو یہ بدظنی تک پیدا ہو سکے کہ یہ آسودگی اور خوشحالی بیت المال کی رقم کی بنیاد پر ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس زہد اور اس اتقا اور اس درویشی کا سبب یہ بھی تھا کہ آپ کو حضرت اور حضرت ابو بکرؓ کا طریق زندگی منظور تھا۔

آپ فرمایا کرتے تھے :-

” میرے دو رفیق ہیں ان دونوں نے ایک خاص انداز میں زندگی کے دن کاٹے ہیں اور میری یہ خواہش ہے کہ جو بہو ان کے طریقوں پر عمل کروں کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو بعد میں میری مثال سے دوسرے بھی آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کی روشوں سے انحراف کریں گے۔“

اس کے باوجود فاروق اعظمؓ بیت المال سے قرض لینے کو جانتے سمجھتے تھے۔ جسے وہ میسر آجانے پر واپس بھی کر دیا کرتے تھے۔ جب ادائیگی میں دیر ہوتی تو بیت المال کا منصم آکے تقاضا بھی کر دیا کرتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کوئی نہ کوئی صورت کر کے اس قرض کو ادا کر دیتے تھے۔ کبھی کبھی یہ فرض اس رقم سے ادا ہوتا تھا جو آپ کو اس عطیہ کی شکل میں ملتی تھی جو حکومت، قوم کے افراد میں بانٹی تھی۔

ذخمی ہونے کے بعد جب آپ کو اپنی موت کا احساس ہونے لگا تو آپ نے ان تمام رقموں کا حساب لگایا جو آپ کے نزدیک بیت المال کا قرضہ تھیں۔ یہ رقم آٹھ ہزار دینم سے کچھ زائد تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے کو حکم دیا کہ وہ اس رقم کو بیت المال کو ادا کر دیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ جب میں مراؤں تو پہلے میری دولت کا پھر میری اولاد کی دولت کا اندازہ لگاؤ۔ اگر ان کی دی ہوئی رقم سے کام بن جائے تو خیر ورنہ قریش سے بحیثیت قبیلہ اس رقم کا مطالبہ کرنا۔ لیکن بہر صورت اس پوری رقم کو مسلمانوں کے بیت المال میں پہنچ جانا چاہئے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات پر ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ یہ رقم ادا ہوگئی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عثمانؓ یعنی نئے خلیفہ سے، اس رقم کی ادائیگی کی رسید لے لی!

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے دراصل یہ قرض نہیں واپس کیا تھا بلکہ یہ اس تمام رقم کا مجموعہ تھا جو حضرت نے اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت کے لئے بیت المال سے لیا تھا اس میں آپ کا بسترہ اور تنخواہ وغیرہ تمام چیزیں شامل تھیں۔

اور ابوبکرؓ کی تقلید کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اسے بھی قرض ہی سمجھا تھا۔ گویا بحیثیت امیر المؤمنین کے آپ نے اپنا پورا دورِ خدمت اعزازی طویل گزارا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیت المال کو اپنی زمین دے ڈالی تھی تاکہ اس زمین کی پیداوار سے ان کے بیت المال سے لئے ہوئے تمام کے تمام بچتے اور الاؤنس ادا ہو جائیں۔ میرے نزدیک ہی حضرت عمرؓ نے بھی کیا تھا۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے قرض بالکل نہیں لیا اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ بیت المال کو اپنا قرض واپس کرتے وقت حضرت عمرؓ نے ان تمام رقم کو بھی شامل کر لیا جو آپ کو جائز طود پر بحیثیت امیر المؤمنین کے موصول ہوئی تھیں۔ اس میں جائزے گرمی کے ان درجوں سے کمزوری کی بھی قیمت شامل تھی جو آپ پہننے کے لئے بیت المال سے لیا کرتے تھے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :-

” میں چاہتا ہوں کہ جس وقت میں خلافت کی ذمہ داری اپنے جانشین کو سونپوں تو میرا خلافت پر یا خلافت کا (یعنی منصبِ خلافت کا) مجھ پر کچھ باقی نہ رہے۔ اور میرا حساب مطلقاً پاک اور صاف ہو۔“

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی آپ جب اس منصبِ جلیلہ سے فارغ ہوئے تو آپ کی طرف مقامِ خلافت کا، حکومت کا، کوئی حساب نہ تھا اس کے برعکس آپ کی ذات سے خود منصبِ خلافت مستفید ہوا تھا۔ امت پر آپ کے بے شمار اور زبردست احسانات کئے تھے۔ امیدوں اور غمزدگیوں، سب پر آپ کے احسانات تھے۔ آپ کی ذات سے عربوں کو ایک ایسا نظامِ سیاست متیسر آیا جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا تھا۔ ایسا معیار جس تک پہنچنے سے عالم انسانیت آج تک باوجود کوششِ بے بہم قاصر ہے۔

اگر حضرت عمرؓ کا پیش کردہ معیار بعد میں نہ رہ سکا اور مسلمان اسے برقرار رکھنے اور اس پر جمے رہنے سے قاصر رہے تو اس میں حضرت عمرؓ کا قطعاً کوئی قصور نہیں

سورۃ النجم کی آیت : ۳۶ - ۴۱ ملاحظہ ہو۔

”کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی اور ابراہیم کی جہنوں نے حق طاعت و رسالت کو پورا کیا اور یہ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا“

اب جن لوگوں نے اس نظام کو پس پشت ڈالا ہے اور سنت عمر سے گریزاں ہونے میں ان پر تلافی مافات کا فرض عائد ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو امت کی خدمت جلیلہ اور علیؓ اور امن اور مساوات کے سائے میں مسلمانوں کے لئے حصولِ عزت و سرزندگی کے لئے اللہ کے دربار میں مکمل صلہ عنایت ہو گا۔

اگلے ابواب میں حضرت عمرؓ کی زیر دست کاوشوں اور کوششوں کی جو انہوں نے اپنے در خلافت میں جو بقول ابن مسعودؓ ”سراپا رحمت تھا“ اسلام کی سرزندگی کے لئے کیں، تفصیل نظر آئے گی۔

www.jinnipak.com

باب

عراق میں تلخ تجربہ

اور

ابو عبید کی شہادت

خلافت کا بار سنبھالنے کے بعد حضرت عمرؓ کو فتوحات کی تکمیل کی مشکل پیش آئی۔ آپ کو اب یہ فیصلہ ہی کرنا تھا کہ عراق اور شام میں حضرت ابو بکرؓ نے جو فوجی دستے بھیج رکھے تھے ان کا موقف کیا ہو۔

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی شام میں بھیجی ہوئی فوج کے لئے جس کے مقابلہ میں ایک بھاری تعداد میں رومی جمع ہو گئے تھے اور جن کو شکست دینا مسلمانوں کے لئے ممکن نہ تھا۔ ایک تدبیر سوچ لی تھی۔ تدبیر یہ تھی کہ آپ نے خالد بن ولیدؓ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے آرمیوں کے ساتھ عراق کے محاذ کو چھوڑ کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں اور وہاں رومیوں کے مقابلہ میں سلامی لشکر کی کمان ہاتھ میں لیں۔ شام میں تو بڑے لشکر سلامی لشکر کو مدد مل گئی لیکن عراق میں جو سلامی لشکر باقی رہ گیا تھا اسے اب سخت خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ خالد بن ولیدؓ نے عراق پر حملے اور مختلف موقعوں پر ان کی کاپی اور عراقی عرب پر ان کے عمومی غلبے کے بعد ایران نے غیر معمولی احتیاط اور عزم کا ثبوت دیا۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے کمان حیرت انگیز کمانوں کا اثاثر یہ ہوا کہ عربوں کو عراق سے نکال دینے کے لئے پورا ایران بیدار اور تیار ہو گیا۔ ایران کو یہ گوارا نہ تھا کہ اس زمین پر جس پر ایک مدت سے ان کی بالاکستی قائم تھی عربوں کے قدم جم سکیں۔ اب منتقلی نے جو عراق میں حضرت خالد بن

کے ذہبی نائب تھے برعکس کیا کہ مسلمان ایک عظیم بحران سے دوچار ہیں۔ چنانچہ مشنی نے فرج کی کمان کسی دوسرے شخص کے سپرد کر کے انتہائی عجلت کے ساتھ مدینہ کا رخ اختیار کیا تاکہ صدیق اکبرؓ کو صورت حال سے واقف کریں۔ صدیق اکبرؓ مرض الموت میں گرفتار تھے اس لئے خود کچھ نہ کر سکتے تھے تاہم مشنی نے حضرت ابوبکرؓ سے عراق میں مسلمانوں کی پوزیشن واضح کی اور انہیں یہ بھی بتایا کہ مسلمان کتنے سخت مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اس سے زیادہ کچھ اور نہ کر سکتے تھے کہ عراق کی صورت حال سے اپنے باہمت جانشین کو آگاہ کریں اور ان سے اس بات کی سفارش کریں کہ عراق کی مہم کو پوری پوری اہمیت دیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خلافت کے پہلے ہی دن سے اس مہم کا آغاز کر دیا اور لوگوں سے عراق کی مہم پر معاند ہونے کی اپیل کی۔ تین دن براہِ حضرت عمرؓ نے قوم کو پکارا اور اسکیا اور آتشِ جہاد کو سبھو کا یا مسکران تین دنوں میں کوئی بھی تو آمادہ جہاد نہ ہوا۔ چوتھے دن ابو عبیدہ ابن مسعودؓ نے اپنے کو رضاکارانہ طور پر عراق کے جہاد کے لئے زبردست اصرار کیا۔ عمرؓ نے خطابِ رنگ لائی اور ایک ہزار آدمی عراق کی مہم پر جانے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے باوجود لوگوں کے اس اصرار کے کٹشکر کی کمان کسی سن رسیدہ، برگزیدہ گرم دسر زمانہ چشمہ، آزمودہ، صحابی کو عطا کی جائے۔ فرمانِ لشکر نوجوان مسعود کے سپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ابوبکرؓ کی سیاست سے انحراف کرتے ہوئے ان لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی جو ایک بار مرتد ہو چکے تھے اور جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے جہاد سے سزا کے طور پر محروم کر دیا تھا۔ یہ ہونا تھا کہ لوگ مشرقِ جہاد میں مرکز کی طمان ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ یمنی لوگوں کو بھی لشکر میں شریک ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ اب ابو عبیدہ اسلامی لشکر کو لے کے عراق کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں چلتے وقت احتیاط اور کمالِ اذیت کا حکم دیا۔ ابو عبیدہ عراق پہنچے اور مشنی ان کے ایک نائب کی حیثیت سے ان کے ساتھ ساتھ گئے۔ جو مسلمان وہاں پہلے سے موجود تھے وہ بھی اب نئے قائد کی سرداری اور فرمان میں آچکے تھے۔ ایران سے مقابلے کی تیاری شروع ہو گئی۔ ابو عبیدہ میں خرابی یہ تھی کہ ان کی جرأت اور شجاعت

ان کی بدمداری کو دبا رکھا تھا۔ ابو عبیدہ کے آدمیوں نے انہیں یہ مشورہ دیا تھا کہ دریائے فرات کو عبور نہ کریں تاکہ اگر اسلامی لشکر جیت جائے تو خیر لیکن اگر شکست پاجائے تو اس صورت میں دریائے فرات ان کے اور دشمن کے درمیان حائل ہو سکے اور انہیں مسلمانوں کے گروہوں سے جاملنے میں مدد دے لیکن ابو عبیدہ کی شجاعت ان کے تدبیر پر غالب آئی اور انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ مورخ، ایرانیوں کو مسلمانوں سے زیادہ بہادر تسلیم کر لے۔ چنانچہ دریائے فرات کا پل کاٹ دیا کہ بعد میں کئی مسلمان بجائے گا جیل دل میں نہ لاسکے، انہوں نے اپنے آدمیوں سمیت دریائے فرات کو عبور کر لیا۔ اس دور کی یہ بات ہے جب مسلمان فرسار سے زیادہ مکروہ اور قابل نفرت کسی چیز کو نہ سمجھتے تھے میدان کارزار میں ہر موقع پہلان کے پیشیں نظر سورہ انفال کی یہ آیتیں اور شجاعت خیز آیتیں رہتی تھیں:-

انفال آیت ۱۵-۱۶

”اے اہل ایمان! جب میدان جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لئے کھارے کھائے چلے یعنی حکمت عملی سے دشمن کو مارے یا اپنی زوج میں جا ملنا چاہے ان سے پیٹھ پھیرے گا تو سمجھو کہ وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔“

ان دونوں میں جب کبھی مسلمان شریک جہاد ہوا کرتے تھے ان کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ یا تو فتح یاب اور کامران ہوں اور ان کو قیامت کے دن اللہ کے کرم سے نوازا جائے یا وہ شہادت کا جام نوش کریں جس کے صلہ میں انہیں فریڈس بریں کا عطیہ ملے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

سورۃ توبہ آیت ۱۱۱

”خدا نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور اس کے عوض میں ان کے لئے بہشت تیار کی ہے۔ یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔ یہ توراہ اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے

جس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے اور خدا سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ تو جو سوا تم نے اس سے کیا ہے اس سے غور رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے یہ

مسلمان آگے بڑھے تو قرآن مجید کی ان دو ولولہ انگیز آیتوں سے مسلح تھے۔ قرآن مجید کی بقیہ آیات بھی اپنے عادلانہ اور جہاں پر درازہ فلسفہ کے ساتھ لشکر مسلم کے سپاہیوں کے لئے مشعل راہ تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے بے جگری سے جنگ کی اور ان کے قائد نے آگے بڑھے اور داد شجاعت دینے میں سب کو مات کر دیا۔ مصیبت یہ تھی کہ ایک تو ایرانیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی دوسرے وہ میدان جنگ میں ایک ایسی چیز لے کے آئے تھے جو عربوں نے جنگ کے میدان میں اس کا سامنا نہ کیا تھا۔

کہنا یہ ہے کہ ایرانی فوج میں ہاتھی بھی تھے۔ عربوں کے گھوڑوں نے جب ہاتھیوں کو دیکھا تو بھاگنا شروع کیا۔ ان ہاتھیوں کے آگے آگے ایک بہت ہی عظیم الجثہ ہاتھی تھا۔ یہ ہاتھی ابو عبیدہ پر چھپتا۔ ابو عبیدہ نے ہاتھی پر تیر چلایا لیکن ہاتھی نے جس وقت تیرا ٹخنہ کی جراحت محسوس کی تو غضب آلود ہو گیا اور ابو عبیدہ کو زمین پر دے مارا اور روند ڈالا۔ اس دن بے شمار مسلمان داد شجاعت دے کر ہلاک ہوئے۔ انجام کار اسلامی لشکر میدان چھوڑنے پر مجبور ہوا لیکن دریا ان کے پیچھے تھا چنانچہ ایک ایک کر کے وہ دریا میں گرنے لگے اور ڈوب گئے اب مثنیٰ اور ان کے ساتھی آگے بڑھے اور فرات کے کھال پر آئے اور پل بانڈھنے کی زبردست کوشش کی تاکہ باقی ماندہ مسلمان اس طرف آجائیں۔ اب مسلمانوں میں سکت بالکل نہ رہ گئی تھی۔ بے شمار مسلمان زخمی ہو گئے تھے۔ بہت سے منتشر ہو گئے تھے اور کچھ لوگ مدینہ لوٹ آئے تھے۔

شکست کی خبر حضرت عمرؓ کو دی گئی۔ حضرت عمرؓ خبر سنکر روئے اور فرمایا: "اللہ ابو عبیدہ پر رحم کرے۔ کاش وہ میدان چھوڑنے کے بعد اس طرف آسکتے تو میں خود ان کے ساتھ جا کے لڑتا۔ حضرت عمرؓ مار کے آنے والوں کو یہ یقین دلایا کرتے تھے کہ ان کا انجام ان لوگوں کا سا نہ ہو گا جو میدان جنگ میں پیٹھ دکھاتے ہیں اور قرآن کی رو سے شدید سزا اور دوزخ کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اس لئے کہ ان لوگوں نے میدان جنگ سے ایک خاص صورت حال کے پیش نظر اپنے کونکھانے کی کوشش کی تھی اور ان کا قصد یہ تھا کہ مسلمانوں سے مل جانے کے بعد اذ سر نو دشمن پر حملہ کریں۔

پہلے کے واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ پر شدید اثر ہوا اور انہوں نے ایران سے جنگ کی لازماً تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ آپ مدینہ سے باہر نکلے اور ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے اس ارادے کا اظہار کیا کہ ایران کی مہم کی قیادت آپ خود فرمائیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ چند لوگوں کی رائے تو یہ ہوئی کہ حضرت عمرؓ اپنے ارادے کی تکمیل فرمائیں اور جہاد کے لئے تشریف لے جائیں اس لئے کہ آپ کے جانے سے مسلمانوں میں ایک نیا دلاؤ اور جہاد پیدا ہو گا۔ لیکن صحابہ کی ایک بہت بڑی تعداد اس رائے کے خلاف تھی۔ اکثریت کا مطالبہ تھا کہ حضرت عمرؓ مدینہ ہی میں رہیں تاکہ اسلام آپ پر عبور نہ کر سکے اور آپ سلامی لشکروں کی مرکز سے ہر قسم کی مدد کر سکیں۔ مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس نازک مرحلے پر حضرت عمرؓ کی ذات گرامی سے محروم ہو جانے کا خطرہ مول لیں۔ اس لئے کہ آپ کی قیادت کے بغیر شاہ مسلمان آسانی سے پھر آلودہ جہاد نہ ہوتے چنانچہ طے یہ پایا کہ آنحضرتؐ کے صحابیوں میں کوئی ممتاز، شجاع اور آزمودہ کا صحابی اس مہم پر روانہ کیا جائے لوگوں نے حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا نام لیا حضرت سعدؓ اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے انہیں بلا بھیجا گیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنایا اور انہیں اس بات کی ہدایت کی کہ وہ سر دست مسلمانوں کو لے کر حلیہ وغیرہ نہ کریں اور عراق کے آباد علاقوں کے غیر آباد علاقہ کے درمیان اسلامی لشکر کو لے کر بیٹھ جائیں اور امداد کا انتظار کریں۔

حضرت سعدؓ راستے میں پٹنوں والے قبائل سے سپاہیوں کو بھرتی کرتے ہوئے گزرے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے بھی جہاں تک ممکن ہو سکا سعدؓ کی مدد کی۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ پچھلے حوادث کے اثر سے مسلمان شام میں جہاد کرنے کو

عراق میں جہاد کرنے پر ترجیح دیتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ عراق کو کسی حال میں چھوڑنے والے نہ تھے۔ بعض اوقات تو آپ نے مال و دولت کا وعدہ کر کے بھی لوگوں کو عراق کی مہم کے لئے آمادہ کیا۔ چنانچہ سعد بن زید نے فاروقی احکامات کے مطابق ایک بہت بڑے اسلامی لشکر کو لے کر عراق کے قریب لیکن سرزمین عرب سے قدرے نزدیک جگہ پر ڈیرے ڈال دیئے اور اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حضرت عمرؓ انھیں کب پیش قدمی کی اجازت دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن زید کو یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ انہیں ہر روز لشکر کے تازہ ترین حالات سے مطلع کرتے رہیں اور جب تک حضرت عمرؓ سے اجازت نہ ملے لی جائے۔ حضرت سعد بن زید کسی نئی جگہ نہ قیام کریں تاکہ انھیں تمام واقعات اور فوجی نقل و حرکت کی خبر ملتی رہے۔

www.jmmpak

باب ۶

حضرت عمرؓ کے سیاسی اور انتظامی اجتہادات

شام کے معاملہ میں بھی حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی سیاست کو قائم رکھنا مناسب نہیں سمجھا خلافت کا بار سنبھالتے ہی حضرت عمرؓ نے شام میں برسرِ پیکار سلامی فوجوں کو حضرت ابو بکرؓ کی وفات اور حضرت خالدؓ کی معزولگی کی اطلاع بھجوائی۔

شام میں صفِ آراء مجاہدوں کو بتایا گیا کہ حضرت عمرؓ اب نئے سرہ راہ مملکت ہیں اور ان کے حکم سے لشکر کی کمان خالدؓ سے لے کر حضرت ابو عبیدہؓ کے سپرد کی جا رہی ہے۔ ابو عبیدہؓ کو جواب امیرِ حبشہ سے حکم ملا تھا کہ ان مجاہدوں کو جو حضرت خالدؓ کے ساتھ ساتھ عراق سے آئے تھے۔ از سرِ نوا عراق کے صواعلی علاقوں پر، یعنی جہاں جہاں سے یہ لوگ آئے تھے۔ بھیج دیا جائے۔ ان لوگوں کے لئے، فرمان یہ تھا کہ یہ، عقبہ بن ابی وقاصؓ کی قیادت میں، سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کے ساتھیوں کی، ان کی جہم میں جو تارینخی اور سنگین تھی، مدد کریں۔

راویوں کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ کا وہ فرمان جس میں یہ تمام احکامات درج تھے ایک ایسی ات

کو لشکر میں پہنچا جب دوسرے دن صبح رومیوں سے مقابلہ کی صلاح ٹھہر گئی تھی۔ چنانچہ مصالحتاً حضرت ابو عبیدہ نے اس فرمان کو جس کی رو سے خالد بن ولید کی جگہ اب وہ امیر عساکر بن چکے تھے، اس لفظ نگاہ سے مخفی رکھا کہ مبادا اس سے خالد بن ولید کے جو خون جہاد میں، خصوصاً ایسی صورت میں کہ وہ اس تاریخی معرکہ میں امت کے لشکر کے سپہ سالار تھے۔ اور عام مسلمانوں کی تنظیم میں کمی فاقح ہو جائے۔

دوسرے دن مسلمان رومیوں سے ٹکر لے کر سخت اور شدید اور کمال جرات کا تھا۔ اس سے پہلے رومیوں سے جنگ کرتے ہوئے مسلمان اس قسم کے کسی معرکہ سے دوچار نہ ہوئے تھے۔ اس بے جگری اور کمال خلوص سے جنگ کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمان اللذ کے حکم سے فتیاب اور مظفر و کامران ہو چکے تھے اور رومی شکست یاب اور نا امید ہو چکے تھے۔ اب شام کی تمام مسدود راہیں کھل چکی تھیں اور مسلمان دمشق کی جانب واز ہو چکے تھے۔ بعض راویوں کا خیال ہے کہ یرموک کا یہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز معرکہ فتح دمشق کے بعد کا ہے۔ بہر حال ہمیں اس بحث میں زیادہ الجھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ مختلف واقعات کی تاریخوں کے تعین اور ان کے معرض ظہور میں آنے کی ترتیب کے بارے میں اس درجہ اختلافات ہیں کہ کسی متیقن نتیجہ پر پہنچنا تقریباً محال ہے۔

اور یہ محض شام کی مہم ہی کے بارے میں صادق نہیں، ایرانی مہم بھی اسی اختلافات اور عدم یقین کا شکار ہے۔

ایک بات یقینی ہے، مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ زبردست تھا۔ اور اس نے بہت طویل پکڑا۔ جہاں تک حضرت خالد بن ولید کا تعلق اس دوران میں نہ وہ خود سوسے رکسی کر سونے دیا۔ وہ تمام متوقع حوادث اور شہر کی جملہ تفصیلات سے متعلق ہمہ وقت چوکنے اور چوکس رہے۔ روایات کی رو سے ایک رات حضرت خالد کو معلوم ہوا کہ سامنے کی شہر پناہ اپنے محافظوں سے خالی ہو چکی ہے۔ شہر پناہ کے محافظ دستہ سے خالی ہو جانے کے جو اسباب بیان ہوئے ہیں وہ زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں۔ بہر حال حضرت خالد بن ولید بڑی تدبیروں سے دیوار پر چڑھ گئے پھر وہ اور ان کے

ساتھی ظہر میں اتر گئے، اس کے بعد یہ لوگ شہر کے اس دروازے کی طرف پہنچے جہاں سے اسلامی لشکر زیادہ قریب تھا۔ اب دروازہ پر متعین دربانوں اور پاس بانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور تکبیر کے نعرہ ہائے جاں نخبش و طرب انگیز بلند کرتے ہوئے۔ حال اللہ اور ان کے ولا در سپاہی شہر کے عین وسط میں پہنچ گئے۔

دوسری سمت سے حضرت ابو عبیدہؓ، صلح کرنے کے بعد شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ چنانچہ شہر کے عین وسط میں دونوں اسلامی لشکروں کا اجتماع ہوا۔ ایک لشکر تھا جو لڑتا ہوا آ رہا تھا، دوسرا صلح کرنے کے بعد آ رہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کے لشکر کو بھی صلح کا حکم دے دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق کی یہ فوج صلح کے ذریعہ حاصل کی ہوئی فوج ثابت ہوئی۔

کہا یہ گیا ہے کہ جب تک دمشق فتح نہ ہو لیا تھا حضرت ابو عبیدہؓ نے خالدؓ کو حضرت عمرؓ کا فرمان نہیں دکھایا تھا۔ اس کے بعد مسلمان زبردست مشکلات سے گزرے۔ جن پر قابو پانے کا نتیجہ یہ تھا کہ رومیوں کو متعدد مواقع پر منہ کی کھانی پڑی تھی۔ فلسطین پر فتح ہو چکا تھا اور اردن پر بھی تصرف حاصل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حمص اور شام کے دوسرے شہروں کی باری تھی۔ قیصر روم اب تک انطاکیہ میں بیٹھا رومی لشکروں کی نگرانی کر رہا تھا اور انھیں مدد بھی پہنچا رہا تھا لیکن اب جب ان مختلف اسلامی فتوحات کا اسے علم ہوا تو اس نے سورہ یعنی شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

فلسطین کے مکمل طور پر فتح ہو جانے کے باوجود مسلمان لشکر ابھی تک بیت المقدس پر قابض نہ ہو سکے تھے اور مدینہ مقدس کا محاصرہ کئے پڑے تھے۔ محاصرہ نے طول کھینچا اور جوں ہی مسلمانوں نے اپنے اندر مزید قوت کا احساس کیا انھوں نے شہر مقدس پر قابض ہونے کا قصد کیا۔ اب اہالی شہر نے صلح کی پیش کش کر دی اور ساتھ ہی یہ شرط لگا دی کہ یہ صلح اسی صورت میں مکمل سمجھی جائے گی جب صلح نامہ پر خود امیر المومنینؓ کے دستخط فرمائیں گے۔ یہ اطلاع حضرت عمرؓ کو بھی

دے ہی گئی چنانچہ آپ شام آئے اور صلحا امر کی تکمیل کے بعد فاتحانہ اور منظر منصور بیت المقدس میں داخل ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کتنی بار شام تشریف لے گئے۔ کتنی بار اس دیار میں جلوہ سگن ہوئے۔ راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن میرے نزدیک آپ کا کم از کم تین بار شام جانا یقینی ہے۔ پہلی دفعہ تو آپ وہی بیت المقدس کی صلح کی غرض سے گئے تھے۔ دوسرا موقع وہ آیا جب آپ کھلے شام اسی کے مقصد سے تھے لیکن سمرخ کے مقام پر پہنچنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ شام میں طاعون پھوٹ پڑا ہے۔ یہ وہی طاعون تھا جسے سلامی مورخ طاعون عموا سے کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ شام کے قصد سے نکلے تھے لیکن شام طاعون کی زد میں تھا!

اب حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ آگے بڑھیں یا نہ بڑھیں، سب سے پہلے آپ نے ہاجرین سے پوچھا۔ ان میں مختلف لوگوں نے مختلف باتیں کہیں۔ کسی نے کہا:-

”ہ آپ ایک مقصد کو لے کر نکلے ہیں اب لازم ہے کہ اس کی تکمیل کریں اور وہاں تک جائیں۔ ایک دوسری رائے یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کو خود اپنی جان گرامی اور اپنے رفقاء کی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔ انصار نے یہ مشورہ لیا گیا تو انہوں نے بھی یہی کہا جو کہ ہاجرین نے کہا تھا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے اس بات پر اصرار کیا کہ حضرت عمرؓ خطرہ مولیٰ لیتے ہوئے منزل مقصود تک جائیں خواہ کچھ ہو۔ اور قضا و قدر سے گریز نہ کریں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:-

”تعجب ہے کہ یہ تم کہہ رہے ہو اسے جو عبیدہؓ میں کیا قضا و قدر سے بھاگ رہا ہوں۔
رسائل میں تو قضا و قدر کے ایک دائرہ کا دوسرے دائرہ کا دیکھا جا رہا ہوں۔“

اس کے بعد آپ نے اس اہم مسئلہ میں مزید مشورہ لیا تو ہاجرین ہرجس کا اتفاق آرا یہ مشورہ ہوا کہ آپ مدینہ لوٹ جائیں۔ اتفاق سے وہیں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی آگے گو مشورہ کے وقت وہ رہے تھے۔ چنانچہ اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے انہوں نے

کہا :-

مجھے اس بارے میں علم ہے میں نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ جب کسی بستی میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو نہ قراس کے لوگ دہاں سے باہر جائیں اور نہ اس بستی سے باہر کے لوگ اس میں داخل ہوں، یہ سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے اطمینان اور قلبی تسخنی کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

تیسری بار حضرت عمرؓ نے شام تب پہنچے جب وہاں کا زور ختم ہو چکا تھا۔ اس دہاں میں مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اور آنحضرتؐ کے بعض منتخب صحابی ہلاک ہو گئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت معاذ بن جبلؓ بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے لوگ تھے۔ دہاں کے ختم ہو جانے کے بعد حضرت معاذؓ نے اپنے ساتھ حضرت ابو عبیدہؓ کے بعد شام کے امیر تھے، ایک زبردست مشکل آپڑی۔ مشکل یہ تھی کہ طاعون کی قربان گاہ پر جو بے شمار لوگ بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ ان کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب کو باقی ماندہ مسلمانوں میں کیسے تقسیم کیا جائے۔ آپؓ چاہتے تھے کہ اس مشکل کا حل نکالیں اور ورثوں کو ان کے مستحقین میں بانٹ دیں اس وقت شام سے آنے کے بعد حضرت عمرؓ اکثر یہ سوچا کرتے تھے کہ مملکت کے تمام علاقوں کا دورہ کر ڈالیں۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ ہر پر صوبہ میں کم از کم دو دو ماہ قیام کریں اور عملی طور پر واپس آئے حکمرانوں کو، اپنی مثال سے یہ سمجھائیں کہ صوبوں اور اضلاع میں کس قسم کی حکمت عملی کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ عوام کی مشکلات اور ان کے مخصوص حالات کا خود جائزہ لیں۔ ایک چیز جس سے حضرت عمرؓ بے حد ڈرتے تھے یہ تھی کہ کہیں حکام کے اخلاق و عجز جائیں۔ اس لئے آپؓ ہر امکانی کوشش کرتے تھے کہ انہیں ہر قسم کے ظلم و جور اور کوتاہیوں سے باز رکھیں۔ یہی سبب تھا کہ حضرت عمرؓ اپنے عمال بد بڑی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور ان کے کاموں کا جائزہ لینے کے لئے لوگوں کو بھیجتے تھے۔

آپؓ اکثر فرماتے رہتے تھے :-

رد میں جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں عام لوگوں کی شکایتیں اپنی جگہ پر فح ہونے

سے نہ رہ جائیں اور لوگ (حکام) ان کے تدارک کی طرف متوجہ نہ ہوں اور پھر لوگوں میں اتنی مسکوت ہی نہ رہ جائے کہ اپنی شکایات کو اور آگے بڑھائیں، اتنا کسی اور چیز سے نہیں ڈرتا۔
پہنانچہ آپ نے اپنے جس دورہ کا منصوبہ بنایا تھا اس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ممکنہ مقامی شکایات کا تدارک ہو جائے۔

حضرت عمرؓ ہر سال حج کے موقع پر گورنروں سے ملاقات فرماتے تھے اور ساتھ ہی زائرین حج سے بھی۔ تاکہ ایک طرف حکام سے رعیت کے بارے میں پوچھیں اور دوسری طرف رعیت سے کام کے بارے میں! حضرت عمرؓ ہمیشہ یہ چاہتے تھے کہ بنفس نفیس رعیت کی آسودگی حال کے بارے میں اطمینان پیدا کر لیں۔ زمانہ نے اس دورہ کی فرصت حضرت عمرؓ کو زدی گو آپ نے دل سے چاہا تھا کہ یہ دورہ مکمل کریں۔ حواریت روزگار اور مسابلی جنگ ایران تو موجودہ تھے ہی۔ موت نے ناوقت آ کے حضرت عمرؓ سے یہ موقع بالکل ہی چھین

لیا۔

www.jmmpak.tk

باب

بے مثال احتساب

ایران کی جنگ انتہائی مشکل جنگ تھی اور تھ ہی روز بروز طول بھی پکڑ رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس جنگ میں حضرت عمرؓ جو کچھ چاہتے تھے انہیں حاصل ہو چکا تھا۔ دراصل آپ کا مقصد جنگ نہ تھا آپ یہ چاہتے تھے کہ جو دنیا عرب اور شام اور عراق میں سب جگہ عرب بدیسی اقتدار سے محفوظ ہو جائیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو انہیں اسلام کے دائرہ میں رکھا جائے مگر جب ایک بار جنگ چھوڑ جانے تو پھر وہ پھیلتی ہی رہتی ہے اور کبھی کبھی تو ایک جیتنے والے انجام کا کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ اس بات میں کامیاب ہو گئے تھے کہ شام میں رومی سرحدوں پر جو جنگ ہو رہی تھی اسے بند کر دیں، آپ نے مسلمانوں کو بھی اس بات سے روک دیا تھا کہ بڑی بڑی ٹکڑیوں میں رومی حدود پر فوج کشی کریں۔ اسی اثنا میں حضرت عمرو بن العاصؓ مستقل طور پر حضرت عمرؓ سے اجازت مانگ رہے تھے کہ انہیں مصر فتح کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ جب مصر کی فتح مکمل کر لی گئی اور مسلمان اس قابل ہو گئے کہ مصر کی سرحدوں کو پار کر لیں اور مصر کے کچھ میں طرابلس اور برفہ میں جہاد کریں تو حضرت عمرؓ نے جنگ بندی کا حکم صادر فرمایا۔ اور حضرت معاویہؓ کی زبردست خواہش تھی کہ بحری جنگ لڑیں اور تبوص یا سائپرس فتح کر لیں لیکن حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں سخت اقدامات کی دیکھی دی اور امیر معاویہؓ کو

مزید پیش قدمی سے روک دیا۔

حضرت سعدؓ اب مکہ میں پڑاؤ ڈالنے رہے، صحرائی علاقہ سے قریب اور عراق کے اور تمدن علاقہ سے بھی نزدیک، جہاں کا حضرت عمرؓ نے ارضیں پابند بنا دیا تھا۔ ابھی سعدؓ، حکم عمرؓ کے منتظر ہیں ہی ڈیرے اٹالے ہوئے تھے کہ ایرانیوں کے ایک بڑے برد دست گرو نے ان پر حملہ کر دیا، یا کم از کم ان کے سامنے آگئے۔ اب اس جہم غمیز سے جنگ کے سوا چار نہ تھا۔ چنانچہ اب قادسیہ کا معرکہ پیش آیا۔ جس نے بہت طول کھینچا۔ اس معرکہ میں مسلمان شدید آزمائشوں سے گزرے لیکن بے شمار مصائب کے بعد اللہ کے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نواز دیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے دشمن کے بے شمار آدمی ہلاک کئے لیکن دشمن نے بھی اس موقع پر جنگ بہت سخت کی۔ اس معرکہ میں اس کامیابی نے مسلمانوں کو صدمہ بھرا دیا اور انہوں نے یہ چاہا کہ ایرانیوں کا پھینکا گیا جٹے اور ان سے ان کے گھر کی دیوار پر جنگ کی جائے۔ یہ بات جیسے حضرت عمرؓ اور ان کے مدینہ کے مشیریں اور خود سعد بن ابی وقاصؓ کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی کہ مسلمانوں کے لئے ایران کو مکمل طور پر شکست دینا اس وقت تک ممکن نہ ہو سکے گا جب تک کہ وہ ایران میں داخل ہو کے، یعنی ان کے گھر کے اندر ان سے جنگ نہ کریں گے اور ایران کا پائے تخت ہند اٹھن نران سے چھین لیں گے مسلمان کا خیال یہ تھا کہ جس وقت وہ ایران کے پائے تخت میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں سے کسریٰ کو جس کا نام اس زمانہ میں یزدجرد تھا، نکال دیں گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عرب کم از کم ایرانیوں کی جانب سے مطمئن ہو جائیں گے۔

اور پھر ایرانی، عراق سے بالکل ہی مایوس ہو جائیں گے۔ چنانچہ سعدؓ اپنے لشکر کو لے کے ہند اٹھن پہنچے اور اس قدیم پائے تخت میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور شاہنشاہ ایران شہر سے فرار ہو گیا۔ مسلمان اس بات پر قادر ہو چکے تھے کہ ایران کسہریٰ میں نازا داکریں!

ہند اٹھن کی فتح کے بعد سے حضرت عمرؓ برابر یہ چاہا کہ جنگ اس حد سے

تجاوز نہ کرنے پائے۔ ایک بار تو آپ یہ کہتے ہوئے سنے گئے

”میں چاہتا ہوں ہمارے اور ان کے (ایرانیوں کے) درمیان آگ کا ایک سپہاڑ

www.jamipak.tk

حائل ہوتا، ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا :-

” میں چاہتا تھا کہ ہمارے اور ایرانیوں کے بیچ میں آگ کے دریا حائل ہو جائیں تاکہ وہ ہم تک نہ پہنچ سکیں مگر ہوا تو ہوا کہ غرض کے لئے نہ تو کوئی آگ کا پہاڑ بنا اور نہ آگ کا دریا برنا ہوا۔ ایرانی جیسے یہ طے کر چکے تھے کہ جو کچھ ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اسے واپس لے کے رہیں گے۔ اور مسلمانوں سے اپنی شکست کا انتقام بھی لیں گے۔ چنانچہ اگر ایک طرف ان کے شیرازے کھرتے تھے تو دوسری طرف وہ اذیر نڈا کٹھے ہو جلتے تھے۔ مسلمان مجبور ہو جلتے تھے کہ ان کی پشیرازہ بندی قائم نہ رہنے دیں۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ ایک طرف وہ ایرانیوں سے محفوظ ہو جائیں گے اور دوسری طرف وہ اپنے تعزیرات میں اماند بھی کر سکیں گے۔ ہر دو اصل یہ رہا تھا کہ جیسے جیسے مسلمان کوئی حصہ فتح کرتے جاتے تھے ان کے اندر مزید حصوں کے فتوح کرنے کی خواہش پیدا ہوتی تھی۔

اسی طرح جلولاء کے مقام پر سلامی لشکر ہیرانیوں کے لشکر سے ٹکرایا اور فتح یاب ہوا۔ نہاوند کے مقام پر بھی رن پڑا اور میدان اسلامی لشکر کے ہاتھ رہا۔ حلوان کے مقام پر بھی فتح نے سلامی جیش کے قدم چومے، ان معرکوں کے بعد جو بڑے عظیم معرکے تھے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ جنگ رک جائے۔ عراق میں آپ نے دو مہر بسائے تھے اب آپ کی خواہش یہ ہوئی کہ سلامی لشکروں کو ان دونوں شہروں میں اتار دیا جائے تاکہ اس سے دشمن سے بچاؤ اور اس طرف کی مدد ہو سکے۔ ان دونوں شہروں کے نام تھے کوفہ اور بصرہ، رط ایران کے بادشاہ کا معاملہ تو ہر سلامی فتح کے بعد بادشاہ محاذ جنگ سے اور دور ہوتا جاتا تھا۔

اب مسلمانوں کو اس امر کا احساس ہو چلا تھا کہ جب تک ایرانیوں کے سریران کا بادشاہ موجود ہے جو ان کی شیرازہ بندی کرتا رہے گا اور انھیں جنگ پر اکساتا رہے گا اس وقت تک مسلمان ایران کی عظمت و شوکت کو کم نہ کر سکیں گے اور جیسا کہ چاہیے ان کی قوت کو نہیں تباہ کر سکیں گے۔ ادھر کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیوں میں سلامی قلمرو کو وسعت دینے اور قریب کی ایرانی سرزمین پر غلبہ پانے کی زبردست خواہش موجود تھی۔

اب تک کو فتنے ایرانی مملکت کے بعض حصوں کو فتح کرنے میں بصرہ کے مقابلہ میں زیادہ کارگزاری کی تھی۔ چنانچہ بصرہ میں اس خواہش کا زور کثافت رقی تھا کہ ان کی فتوحات کا یہی دائرہ وسیع ہو۔ اور وہ بھی بجز شہر مالِ طینیت سے بہرہ اندوز ہو سکیں یوں ہی اہل بصرہ کے سامنے جہاد کی فضیلت تھی، مدیہ ہوتی کہ ایک دن احنف بن قیس نے حضرت عمرؓ سے کہہ دیا کہ اہل کو فتنے کا مقابلہ میں ہماری زندگیوں قدر سے تنگی میں بسر ہوتی ہیں اور جب تک ہم ایران کو باطل ہی فتح نہ کر لیں گے ہم ان سے محفوظ نہ رہ پائیں گے، یہ بات اس وقت کہی گئی جب احنف ایک وفد کے ساتھ بصرہ سے آئے تھے، کو فتنہ اور بصرہ دونوں حضرت عمرؓ سے مستقل اصرار کرتے رہے اور ان پر زور دیتے رہے کہ مسلمان لشکروں کو ایران کے اندر گھس جانے کی اجازت دے دیں اور آخر کار دربار خلافت سے انھیں یہ اذن (حکم) مل ہی گیا۔ پہلے اہل بصرہ نکلے جنہوں نے شاہ ایران کا پیچھا کرنا شروع کیا اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں اور دوسرے شہر سے تیسرے شہر میں اس کا تعاقب شروع کیا یہاں تک کہ اسے خراسان تک سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ بادشاہ نے تنگ آ کر دریا پاکشا اور ترکوں کے یہاں پناہ گزیں ہو گیا۔

اب ایران کے بادشاہ نے ترکوں کے بادشاہ سے اپنے وطن سے مسلمانوں کو نکالنے کے سلسلہ میں مدد چاہی۔ ترک بادشاہ نے یہ درخواست قبول کر لی اور مدد کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن مسلمانوں نے اس موقع پر بھی اسی عزم و شہادت کا مظاہرہ کیا جیسا کہ انہوں نے اس سے پہلے ایرانیوں کے مقابلہ میں کیا تھا۔ مسلمانوں نے ترکوں کا پیچھا اس وقت تک کرتے رہنا لازم سمجھا جب تک ان کو ان کے قیس واپس جانے پر مجبور نہ کر دیا۔ چنانچہ اس دس سال اور چند ماہ کی تھوڑی سی مدت میں حضرت عمرؓ نے کسروں کی مملکت کو مکمل طور پر فتح کر لیا۔

یسنہ جو وہ روپوش ہو گیا اور مہا گاہا گا پھننا رہا۔ آخر کار حضرت عثمانؓ کے دور میں وہ اپنے ہی کسی ہم وطن کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔

مسلمانوں نے محض شام، فلسطین اور مصر اور برقعہ کی فتوحات پر اکتفا نہ کیا اور نہ مشرق میں کسریٰ کے تصرفات پر اکتفا کیا۔ بلکہ حالات نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا تھا کہ شام

کو غمخوار کھنے کے لئے جزیرہ کو بھی فتح کر لیں۔ چنانچہ اب مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان سوائے طبعی اور قدرتی سرحدوں کے کوئی چیز باقی نہ رہ گئی تھی۔ ان قدرتی سرحدوں پر بھی حضرت معاویہ کے زمانہ میں تسلط فنیہ کی فتح کے موقع پر مسلمانوں نے یورش کی لیکن یہ یورش کسی دوسرے مقالہ کا عنوان بنے گی۔

مکان ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں یہ جو فتوحات ہوئیں اور رومیوں اور ایرانیوں کو جو مسلمانوں نے زیر کیا تو اس لئے حضرت عمرؓ بے حد مسرور و خوشنود تھے۔ یا یہ جو ہجر جانب سے مدینہ میں غنیمت اور عس کی مدد کا مال و اسباب ڈھاکا پڑا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ پھولے نہ ساتتے تھے لیکن ایسا نہیں تھا۔ حضرت عمرؓ نہ ان فتوحات سے خوش ہوئے اور نہ ان مال و منال کی آمد پر مسرور ہوئے جس کی کثرت و بہتات تصور اور تخیل سے بھی پرے تھی! اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی پے پے فتوحات سے حضرت عمرؓ بے حد مسرور ہوتے تھے۔ اور اس بات پر بھی آپ مصر تھے کہ دنیا میں اللہ کا نور پھیل جاتے اور اسلام کا نام اور پیغام اور نعمت حاصل کرے۔ اسی طرح یہ بات بھی آپ کے لئے مسرت آگئی تھی کہ عس اور غنیمت کی شکل میں آئی ہوئی دولت و ثروت سے مسلمان سائز و بگ زندگی درست کر لیں اور تنگی اور غربت و افلاس کی زندگی کے بعد وہ فراغت اور عیش سامانی کا منہ دیکھیں لیکن اس جذبہ نشاط کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ دولت اور فتح و نصرت کے اس انجم میں اپنے اندر رنج و اہم کا بھی احساس لئے ہوئے تھے۔

فتح کے بعد حضرت عمرؓ محمود ہو گئے تھے کہ مشرق اور مغرب میں جنگ کی نگرانی کریں۔ اور پھر نگرانی بھی یوں کریں کہ:-

گویا آپ نقد ہی لشکر کی ہفتیں ہفتیں سپہ سالاری فرما رہے ہیں۔

اسی طرح اس فتح کے بعد آپ کو پورب اور گھم ہر طرف انتظامی امور دیکھنے پڑتے تھے اور ساتھ ہی مختلف علاقہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مسائل سے عہدہ برآ ہونا پڑا تھا۔ عمال اور حکام کے انتخابات میں آپ زبردست احتیاط برتتے تھے اور والیوں کے دور حکومت ختم ہوجانے کے بعد تو آپ کی مقصدانہ سمجھت گیری میں اور اضافہ ہوجایا کرتا تھا۔

دولت ہو مدینہ میں آ رہی تھی اور آپ کے پریشانی کا باعث تھی، جب کبھی غنیمت میں آئے ہوئے مال و منال پر آپ کی نظر پڑتی تو آپ کو خیال پیدا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری دولت و ثروت آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر کے احوال میں کیوں نہ بھیجی تھی اور آپ ہی کے وفد میں مسلمانوں کو یہ سب نعمتیں کیوں آئی تھیں۔

یہ سب سوچ سوچ کر آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ لیکن پھر آپ اپنے آپ سے پوچھتے تھے کہ وہ دولت جو پیغمبر اسلامؐ اور آپ کے جانشین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو میسر رہا اسکی بقیہ کوئی قابل قدر شے نہیں ہو سکتی۔

دنہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا دور دو صدیقی اور دوسرے نبوت کے مقابلہ میں قابل ترجیح نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد کی اس فراوانی دولت سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ وہ امدان کے دور کے لوگ دراصل ایک عظیم آنکش میں مبتلا کئے گئے ہیں۔

اس احتیاط کے باوجود حضرت عمرؓ جنگ، صلح اور ملکی دولت کے بارے میں اپنی ریاستوں سے مطمئن نہ تھے۔ آپ ہمیشہ اس بات سے خائف رہا کرتے تھے کہ کہیں اپنے کسی قول یا فعل میں یا کسی نئے یا چھوٹے معاملہ میں آپ حد اعتدال سے تجاوز نہ کر گئے ہوں۔ ادیرہ تجاوز ادیرہ وجود ان کے اس اعمال نامہ میں نہ ثبت ہو چکا ہو۔ جس میں ہر چھوٹا بڑا عمل ثبت ہو جایا کرتا ہے۔

اور جسے ہاتھ میں لے کے آپ کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنی ہوگی اور جس کی دُور سے اللہ تعالیٰ آپ سے شدید باز پرس فرمائے گا۔ آپ کے دن اور رات کے سبھی اوقات انہیں تفکرات عالیہ میں متلغ رہا کرتے تھے۔ یہ مسلمانوں کے مسائل میں آپ اس درجہ منہمک ہو کر تھے کہ آپ کبھی کبھی یقیناً ان انکار روز حساب سے سخات پامایا کرتے تھے مگر پتا تھا وہ خیال بہر وقت انگیز قرآن کے احکامات کے بارے میں آپ مشغول رہتے تھے۔ اپنی خلافت کی پاملااری کے لئے صبر اور صلوة کا سہارا لیتے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپ کو یہ کہتے رہنے سے کرا۔

دعا سے کام میں خلافت سے جب چھوٹوں نے خلافت کا لقب پر اور میرا خلافت پر کوئی بار نہ رہ جائے۔

کوئی چیز باز نہ رکھ سکتی تھی !

باب

حضرت عمرؓ کی مشکلات

حضرت عمرؓ کے سامنے دو اہم مسئلے آگئے، پہلا یہ کہ ان دوسرے مسائل کے بارے میں جو آپ کو پیش آئے اتنے پر ہیچ نہ تھے تاہم حل طلب ضرورت تھے اور انصافِ عظیم مدبر نے باسانی حل کر دیا۔ پہلا مسئلہ خلیفہ کے لقب سے متعلق تھا۔ میرا خیال کچھ ایسا ہے کہ حضرت عمرؓ اور عام مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ اس وقت آیا جب ایک طوط عراق کی سمت لشکر روانہ کر دیا گیا اور دوسری طرف اس فیصلہ کے پیش نظر کہ لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ سے لے کر حضرت ابو عبیدہؓ کو سوہنہ دی جائے، شامی لشکر کو افراتفری سے بچانے کی سبیل کی گئی اور اب سب یہ سننے کے لئے بے چین تھے کہ پورب، کھیم، اسلام کے جاں نثاروں نے کیا کارنامے انجام دیئے ہیں۔

مخالف اس موقع پر یہ سوال پیدا ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کیا لقب اختیار فرمائیں جس سے کہ انہیں پکارا جائے۔ لوگوں کی رائے یہ ہو رہی تھی کہ چونکہ حضرت ابو بکرؓ کو جنہیں آنحضرتؐ کی جانشینی نصیب ہوئی تھی خلیفہ رسول اللہؐ کے لقب سے پکارا گیا تھا۔ مناسب تھا کہ حضرت عمرؓ، خلیفہ رسول اللہؐ کے خلیفہ کہلا سکیں، لیکن مسئلہ یہیں ایک قباحت پیدا ہو رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے سوچا، کیا ان کے بعد آنے والے کو خلیفہ رسول کے خلیفہ کا خلیفہ خلیفہ خلیفہ رسول اللہؐ نہ کہنا پڑے گا۔ یوں یہ لقب اتنا لمبا چوڑا ہوتا جاتا کہ اس کا زبان سے ادا کرنا تک مشکل ہو جاتا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لقب کا مسئلہ آخر میں خود مسلمانوں نے حل کر دیا تھا کسی موقع پر دفعۃً ایک شخص بل اٹھا، ہم سب مومنین کا گروہ ہیں اور آپ ہمارے حاکم اور امیر ہیں، خلفا کا لقب امیر المومنین بن چکا تھا!

اس بحث میں الجھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ لقب کی مثل حضرت عمرؓ نے علیؓ کی تھی یا اس کے حل کرنے میں مسلمانوں کی عقل عمومیٰ کو دخل تھا۔ البتہ یہ بالکل یقینی امر ہے کہ امیر المومنین کا لقب سب سے پہلے آپ ہی نے اختیار کیا تھا۔

بعد میں تاریخ کے منظر عام پر کتنے بے شمار امیر المومنین آئے! مگر کیا یہ لوگ واقعی امیر المومنین تھے، کیا انہیں اس برگزیدہ لقب کے اختیار کا استحقاق حاصل تھا؟ یا یہ مقدس عنوان انہوں نے ذبردستی اور ظلم و ستم کر کے اپنے لئے حاصل کیا تھا؟

ظاہر ہے مسلمانوں کی قیادت حد درجہ مشکل شے ہے ہر شخص میں یہ صلاحیت نہیں ہوا کرتی کہ اس لقب کو اختیار کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کا حق بھی ادا کرے۔ یہ کام حد درجہ کٹھن کام ہوتا ہے۔ اس میں بڑے پارٹ بیلینے ہوتے ہیں۔ دکھ جھیلنے ہوتے ہیں۔ مسلسل محنت و مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ ایسی جفا طلبی کرنی ہوتی ہے جس سے سوا جفا طلبی کا تصور ناممکن ہوتا ہے، ظلم کا قلع قمع کرنا پڑتا ہے۔ زبردستوں کے مقابلہ میں زیر دستوں کی دستگیری کرنی پڑتی ہے۔

تمام انسانوں میں برابری اور عدل قائم کرنا ہوتا ہے۔ نزدیک اور دُور ہر جگہ کے مسائل دیکھنے ہوتے ہیں۔ امن اور نا امنی یا خلفشار کے دور میں، مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے مسائل سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ پھر ملک و ملت کو اتنا قوی اور زور مند بنانا پڑتا ہے کہ کسی کی، ملک کی سالمیت اور آزادی کی طرف آنکھ اٹھا کے دیکھنے کی ہمت تک نہ پڑے۔ اور سب سے بڑھ کر۔ ہر چیز سے بڑھ کر۔ یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مملکت کا رویہ خود امیر المومنین سے منصفانہ ہو اور اس کا مطالبہ انصاف میں امیر کی ذات سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ سخت گیری کا ہو۔ یہ ہیں مومنین کے سردار بننے کے لوازمات۔ اس کے تضامناً، اس کے مشکلات! اور حضرت

عمرؓ حقیقت میں امیر المومنین کہے جانے کے حقدار تھے یعنی اس بات کے مستحق تھے کہ مومنوں کے امیر ہوں۔ آپ کے بعد جو خلفاء آئے یا وہ آئے جنہیں خلفاء کا اقتدار نصیب ہوا، وہ اس امارت اور قیادت کے لئے کس قدر ناموزوں ثابت ہوئے تھے۔ دوسری مشکل جس سے حضرت عمرؓ باسانی عہدہ برآ ہو گئے تعین تاریخ کی مشکل تھی۔ اس وقت تک حضرت عمرؓ کے حکام و عمال اور قائدین لشکر جب کبھی آپ کو خطوط و عنبر و کھتے تھے تو ان پر صرف ہینڈوں کا ذکر ہوتا تھا مثلاً اگر ایک خط رمضان میں لکھا گیا ہے تو سیر فامس، موزع رمضان لکھا ہوگا (ستوں اور سالوں کا نہیں ہوتا بھی کیے۔ اب تک مسلمانوں نے اپنے لئے کسی قسم کی تقویر نہیں قبول کی تھی یہ بات حضرت عمرؓ کو بہت کھل رہی تھی۔ اس باب میں بھی آپ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ آخر میں یہ طے پایا کہ اس سال کو (اسلام کی تاریخ کا آغاز سمجھا جائے جس میں آنحضرتؐ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی۔ یہ ایک نہایت کامیاب انتخاب تھا۔ اس انتخاب کی موزنیت اس میں تھی کہ اس سال مسلمان ایک منظم جماعت کی حیثیت سے پہلی بار ابھرے تھے۔ اور اب آنحضرتؐ نے اس جماعت کے امور کی باضابطہ نگرہانی شروع کر دی تھی اور احکام الہی کی لکھنی میں اس پر حکومت فرمانے لگے تھے۔ گو اس میں آپ اپنی اور مسلمانوں کی ذاتی آراء کو قبول کرتے تھے۔ یہ قلیل سی جماعت بے کسی، بے بسی اور محدود اختیارات کے ساتھ، سامنے آئی تھی۔ لیکن اللہ نے اس کی قلت کو کثرت میں بدل دیا اور اس کو کشادگی بخش دی، ثروت و اقتدار سونپ دئے، جلد ہی یہ جماعت عرب کے جزیرہ نما پر چھا گئی۔

نہ صرف یہ بلکہ عرب کے حدود کے باہر بھی اس کا تسلط پھیل گیا۔ اب جو حضرت عمرؓ آنکھ لٹا کے دیکھتے ہیں تو وہ محض مدینہ ہی کے امیر المومنین نہ تھے۔ عرب کے بھی امیر المومنین بن چکے تھے اور آپ کی حکومت مصری اور شاہراہ عراق اور ایران تک پھیل چکی تھی۔ جب آپ قتل ہوتے ہیں تو ایران کی عظیم شہنشاہیت کا صرف ایک ٹھوڑا سا حصہ آپ کے سامنے سرنگوں ہونے سے

رہ گیا تھا سے بھی آپ کے لائق اور راشد جانشین عثمانؓ نے سلامی اقتدار کے ماتحت کر دیا حضرت عمرؓ نے اس وسیع اور عریض اڈا محدود حکومت کو حد درجہ عدل گستری اور حسن تدبیر سے چلایا۔ آپ کے پورے دور میں آپ سے کوئی ایک فعل بھی ایسا سرزد نہ ہوا جس پر آپ کی گرفت کی جاسکتی تھی۔ اسی طرح آپ کی مطلق اطاعت بھی کی گئی۔ یوں آپ حقیقی معنوں میں امیر المومنین تھے۔ اور آپ امیر المومنین کسی وقت بھی موضوع بحث نہ بنائی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اگر خلافت فاروقی کی بقیہ مشکلات بھی اتنی ہی سہل اہل ہوتیں جتنی یہ دونوں مشکلات تھیں تو شاید حضرت عمرؓ کی اس لیاقت اور قابلیت کا جس کی نظیر نہ صرف اسلامی تاریخ میں بلکہ عالمی تاریخ میں بھی نہیں ملتی، اظہار نہ ہوتا۔ اس لئے کہ اس قسم کی عظیم النظیر لیاقتیں اور اہلیتیں اسی صورت میں ظہور کرتی ہیں جب ایک شخصیت کو زبردست مشکلات اور حوادث سے ٹکرانا پڑتا ہے۔

یعنی حضرت عمرؓ کو اس بات کا احساس سا ہو گیا تھا کہ خلافت اور اس کے عظیم مسائل ان کے لئے آزمائش ہیں۔ آپ کو یقین تھا کہ اس گراں بار عہدہ کے ذمہ اللہ آپ کو آزمائش ہے اور اسی طرح آپ کے دور کی فتوحات اور کامرانیوں سے آپ کی رعیت بھی آزمائی جارہی تھی۔ اگر دفن ابوبکرؓ کے فنا بعد کی آپ کی تقریر پر غور کیا جائے تو یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ آپ کو اس آزمائش کا بڑا ہی قوی احساس تھا۔ آپ کی اس تاریخی تقریر کی ابسترا یوں ہوئی تھی!

وہ اللہ نے چاہا ہے کہ تم پر حکمران بنا کر میری آزمائش کرے اور مجھے تم پر حاکم کر کے تمہاری بھی آزمائش کرے! تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ کا پورا دور خلافت آزمائش تھا آپ کے لئے نہیں، آپ کی رہایا کے لئے بھی!

اب اس آزمائش کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ ابھی آپ اپنے مختصر تاریخی ادا فستاحی خطبہ خلافت اور اعلان سلطنت سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ کو ایک طرف عراق میں ایرانیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے مسلمانوں کو آمادہ جہاد کرنا پڑا، دوسری طرف بعض دوسرے امور کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ یہ امداد یہ تھے۔

شام میں اسلامی فتوحات کی تکمیل، عراق کی سرحدوں پر مشنئی کے لشکر بے یار
مددگار کی مصیبت کا حل، ایسا کہ وہ اپنے کام کو پورا کر سکے۔ اس لشکر کی تیاری میں
مدد دینا جو اسلام کے ہاتھ سے نکلے ہوئے عراق کی ناویب اور گوشمالی کر سکے۔

اس سے پہلے، پورب اڈہجیم میں مسلمانوں کی شدید آزمائشوں کا اور ایران اور
رومہ پر ان کے تسلط کا ذکر آہی چکا ہے مگر یہ آزمائشیں بھی زیادہ سے زیادہ انی بربست
اور حیرت انگیز حوادث کی جھلکیاں ہیں جن سے ذور خلافت عمرؓ بھرا ہوا ہے۔ یہ حوادث
اس وقت تک پر فروش رہے جب تک کہ حضرت عمرؓ اپنے رفقاء گرامی آنحضرتؐ والوبکرؓ
سے نہ جا ملے۔

www.jmmmpak.com

باب ۹

نئی مشکلات اور ان کا حل

یہ عبادت سہم ایسے تھے کہ اگر حضرت عمرؓ کا تمام کا تمام وقت ان عبادت سے نبرد آزما ہونے ہی میں لگ جاتا تو تعجب کی بات نہ تھی لیکن لطف کی بات یہ تھی کہ ان عبادت کے چلو میں نئی مشکلات بھی آ رہی تھیں اور یہ مشکلیں کم خطر ناک نہ تھیں۔ میری مراد ان مشکلات سے، مشرق و مغرب میں فرج کشی کی مشکل سے یا فوجوں کی تنظیم اور ان کی دیکھ بھال کی مشکل سے یا مستقل طور پر یہ دیکھتے رہنے کی مشکل سے کہ ہمیں مجاہدین، جنگ کو ایک بار نہ سمجھ بیٹھیں یا کسی دوسری طرف نہ متوجہ ہو جائیں، میسری مراد ان مشکلات سے نہیں ہے۔ میں جن مشکلات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ان کا ظہور مسلمانوں کی ان فتوحات سے ہوا تھا جو جنگ کے میدانوں میں انھیں حاصل ہوئی تھیں۔ فتح یاب اسلامی لشکروں کو غنیمت کا جو مال و منال میسر آتا تھا اسے احاطہ تحریر میں لانا تقریباً غیر ممکن ہے۔

نہ اس مال کی کثرت کا کوئی اندازہ لگا یا جاسکتا ہے اور نہ قیمت کا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مال و منال کی تقسیم میں کمال احتیاط اور انتہائی وقت نظر سے اسٹاک حکم نافذ ہوتا تھا۔ چنانچہ عین اس نظام شرعی کی رو سے جو حضرت کے زمانہ میں رائج ہو چکا تھا غنیمت کا چار خمس یعنی چھ حصہ تو مجاہدوں میں بانٹ دیا جاتا تھا اور قائدین لشکر ان لوگوں کو جو خاص طور پر داد و شجاعت دیتے تھے ان سے بھی انعامات اور عطیات دیتے تھے

اور غنیمت کا ہانچوال حصہ خود حضرت عسکرنے کے پاس روانہ کر دیا جاتا تھا۔ یہاں تک ٹوٹیک تھا لیکن اب اس کے بعد سے ایک مشکل پیدا ہو جاتی تھی۔ مال غنیمت ہمیشہ قابل انتقال نہ ہوتا تھا کہ اس کا ہانچوال حصہ امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیا جائے۔ اکثر مجاہدین اسلام کو غنیمت کی شکل میں قطعاً زمین ملتے رہتے تھے اور یہ حضرات ان لوگوں پر جو اپنے پرانے مذہب پر قائم رہنے کو ترجیح دیتے تھے، جبر نہ لگا دیتے تھے، حضرت عسکرنے خاص طور پر اس بات پر اصرار کیا تھا کہ زمین کو تقسیم نہ کیا جائے۔ بلکہ اسے انہیں لوگوں کے تصرف میں رہنے دیا جائے جو پہلے سے اس پر قابض تھے۔ تاکہ یہ لوگ اسے کاشت کرتے رہیں اور اس کا ٹیکس ادا محصول ادا کرتے رہیں۔

اس طرح حضرت عمرؓ کی خدمت میں مندرجہ ذیل اقسام کی رقوم آتی تھیں :-

۱) اسلامی لشکر کی فتح و نصرت کی صورت میں غنائم و غنیمت کی جمع کا ہانچوال

حصہ۔

۲) اس زمین کا لگان یا محصول جو مفتوحہ زمینوں پر بدستور کاشت کرنے والے غیر مسلم،

معادہ کی رو سے ادا کرتے تھے۔

۳) جو زمین جو ان لوگوں پر عائد ہوتا تھا جو نئے دین میں داخل ہونے سے انکار کرتے

تھے۔

یہ مال دس سال جو آتا تھا توقع سے کہیں زیادہ ہوتا تھا اور دس سال مسلمان سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب اتنی دولت مدینہ میں آ رہیگی حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب غنائم کے یہ ہانچوال حصے آتے تھے یعنی ارشاد کے نکتے کو فرد کرنے کی جنگوں کے سلسلہ میں، تو اس وقت ان کا طریق کا سب سے حدیثی ہوتا تھا۔ آپ مال غنیمت میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ہانچوال حصہ محفوظ کر لیتے تھے اور بقیہ تمام حصہ کو تمام مسلمانوں میں، بغیر ان کے مرتبوں یا منسختوں کا یا ان کی خدمات کا لحاظ کئے ہوئے تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اس تقسیم کے عمل میں آپ آزادوں اور غلاموں میں کوئی امتیاز نہ دیتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے سورہ انفال کی آیت: اَمْ تَحْسِبُ اَنْ تَرٰجِعَ حَسَبَ ذٰلِ

۴۔

” اور جان رکھو کہ جو مال تم کو شکست خوردہ کفار سے دستیاب ہو اس میں سے پانچواں حصہ خدا کا اور اس کے مرسلوں کا اور اہل قرابت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں اور سائلوں کا ہے۔ اگر تم خدا پر اور اس نعمت پر ایمان رکھتے ہو، جو حق و باطل میں فرق کرنے کے ان ریشی جنگ بدر میں جس دن دونوں فرحوں میں مدبھیر ہوئی اپنے بندے محمدؐ پر نازل فرمائی اور خدا ہر چیز پر قادر ہے“

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام اور عراق اور ایران سے خمس کی مد میں جو مال و منال آتا تھا وہ قیاس اور گمان سے بھی زائد تھا۔ چنانچہ ایک طرف خمس کی مصیبت تھی اس نقطہ نگاہ سے کہ وہ کثرت و قیمت کے لحاظ سے قیاس و گمان سے بھی سوا تھا اور اس کی تقسیم ایک اہم مسئلہ تھی اور دوسری جانب جزیبہ اور حجاج کا مسئلہ تھا۔ یہ دولت مجموعی طور پر اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ اس کی تقسیم ایک مشکل بات تھی۔ اس میں دراصل خطروں بھی تھی۔ اس میں ایک امکان یہ بھی تھا کہ لوگ ان رقوم کی توقع میں اور اپنے اپنے ان حصول کی امید میں جو انہیں خمس اور جزیبہ اور حجاج سے مل سکتا تھا کام کرنا ہی چھوڑ دیں اور بالکل کا اہل ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ طے کر لیا تھا کہ اس مشکل کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں گے۔ اس ارادے نے خصوصیت کے ساتھ اس وقت تقویت حاصل کی جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کا لشکر ایران کے پاسے تخت صدائون میں داخل ہوئے اور وہاں سے حاصل شدہ غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ روانہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے مشیروں سے اس دولت کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کی روش کو قائم رکھتے ہوئے اس تمام دولت کو تقسیم کر دیں اور ہر سال جو بھی مال جمع ہو سکے اس میں بغیر کچھ باقی رکھتے ہوئے سب کا سب لوگوں میں بانٹ دیں۔

حضرت عثمانؓ کی رائے حضرت علیؓ کی رائے سے مختلف تھی۔ آپ نے فرمایا:۔

و دولت بہت زیادہ مقدار میں آتی ہے اور میری رائے یہ ہے کہ اس دولت میں تمام لوگوں کا حصہ ہو
اب اگر ایک قسم کی مردم شماری ہو جائے تو یہ باسانی معلوم ہو سکے گا کہ کسے ملاء کسے ملا، ورنہ تو
معاذ بگڑ جائے گا۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی خواہش یہ تھی کہ مالِ غنیمت کی تقسیم منظم انداز
میں ہو۔ اس طرح کہ سب اس مال سے سہرہ انداز ہوں۔ کوئی بھی محروم نہ رہنے پائے۔

بہر حال حضرت عثمانؓ کی رائے صرف اس حد تک اور آگے بڑھی تھی کہ آپ چاہتے
تھے کہ دولت کی تقسیم یوں عمل میں آئے کہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ نہ ملنے پائے لیکن یہ بات
حضرت عثمانؓ ذوالنورین (ذوالنورین یعنی دوروشنیوں والے اس مناسبت سے کہ آپؓ کے
عقد میں یکے بعد دیگرے رسالتِ ناک کی دو صاحبزادیاں، یعنی حضرت فاطمہؓ کی بڑی بہنیں
حضرت (قیسہ) اور حضرت اُمّ کلثومؓ، آئی تھیں) نے بھی نہیں فرمائی تھی کہ حضرت عمرؓ
بیت المال میں تھوڑی یا زیادہ رقم باقی رہنے دیں۔

اس میں شک نہیں عثمانؓ نے خود مندرجہ وقت نظر اور جدتِ فکر کا ثبوت ہم پہنچایا
تھا۔ مردم شماری اور تمام شہریوں کے اعداد و شمار کا جمع کرنا ایک ایسے نظام کو لانا تھا جسے
اس سے پہلے عربوں نے بالکل نہ دیکھا تھا۔ اس نظام سے امیر المؤمنین کے لئے اس بات کا
امکان پیدا ہو چلا تھا کہ مال کی تقسیم میں کسی کو اس کے حق سے محروم نہ رکھا جائے اور ہر محتاج
کو اس کا حق دلایا جائے۔

قریش میں ایک شخص تھا حضرت عمرؓ کے اعزہ میں۔ ولید بن ہشام ابن
المغیرہ۔ ان صاحب نے ایک مشورہ دیا جو عین صواب تھا۔ اور شاید یہ پہلا موقع تھا
جب مسلمان عربوں نے غیر عرب لوگوں کی تقلید کی تھی۔ ولید نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا تھا
کہ شام میں انصوں نے سلاطین کو دفاتر قائم کرتے ہوئے اور ساتھ ہی لشکر کو
آراستہ اور منظم کرتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک دفتر مرتب کیا۔ یعنی
بڑے پیمانے پر ایک سیکرٹیریٹ قائم کیا اور اسی طرح ایک فوج بھی منظم اور آراستہ کی۔
ولید بن ہشام کی رائے پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے قریش کے مین مستاز

آدمیوں کو جو لوگوں کے حسب نسب سے خوب واقف تھے اس بات پر مقرر کیا وہ آنحضرتؐ کی قرابت کے پیش نظر بنی ہاشم سے ابتدا کرتے ہوئے تمام لوگوں کے نام قبیلہ دار لکھ دیں۔ یہ حضرات تھے :-

۱۔ عقیل بن ابی طالب مخزومہ بن نوفل اور جسی بن مطعم
 ولید کی رائے کا اصل مقصد یہ تھا کہ مال و دولت کی تقسیم بغیر کسی وجہ اور سبب کے نہ ہوئی چاہیے بلکہ جب کبھی حکومت اسلامی کی جانب سے کوئی رقم صرف کی جائے تو اس کا کوئی خاص مقصد بھی ہو۔ اور یہ مقصد لشکر کی تنظیم اور اس کو اسلحہ سے آراستہ کرنا تھا لشکر کے منظم اور مسلح اور مرتب ہو جانے کے بعد امیر المؤمنینؑ نہ صرف اس بات کے مکلف رہ جاتے تھے کہ اہل لشکر کو اس رقم سے تنخواہیں وغیرہ دیتے رہیں اور بعد میں بھی جب مال غنیمت آئے اور انھیں ان کا حصہ ملے۔ یعنی ان کے نام کے حصص چھوڑ دئے جائیں۔

ظاہر ہے حالت امن میں فوج کے افراد تنہا نہیں رہتے تھے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بہتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کے بھائی بھند اور ماں باپ ہوتے تھے۔ جس وقت مجاہد لوگ لشکر کی راہ میں لڑنے کے لئے اپنے ان متعلقین کو چھوڑ کے چلے جاتے تھے اس وقت ان لوگوں کی گزر اوقات کے لئے کچھ ہونا ضروری ہو جاتا تھا۔ اب لشکر کو، لشکر کے خاندانوں کو اور دوسرے ضرورت مندوں کو دینے دلانے کے بعد بھی امیر المؤمنینؑ کے پاس کچھ نہ کچھ ہی رہتا تھا۔ یہ باقی ماندہ رقم خلیفہؑ کے پاس محفوظ رہنی چاہیے تھی۔ تاکہ اس رقم سے ایک طرف نئے عبادت کا مقابلہ کیا جائے اور دوسری طرف اہل حاجت کو حاجت برآری کی جائے۔

ولید کی اس تجویز سے جس میں بڑی جدت تھی مقصد محض یہ نہ تھا کہ مالی اور دارائی لفظ نگاہ سے تنظیم عمل میں آجائے۔ دراصل اس تجویز کی رو سے فوج کا حق مال غنیمت کے علاوہ رقم متذکرہ صدر میں بھی تسلیم کیا جائے۔ اور فوج جس وقت میدان کارزار میں ہو اس وقت اس کے متعلقین اور دوسرے ضرورت مند مسلمانوں کے مصارف کا بار سنبھالا جائے

اور اس کے بعد بھی بہت املاں میں کچھ نہ کچھ باقی رہنے دیا جائے، تاکہ حوادث کا مقابلہ کیا جاسکے۔ حضرت عمرؓ نے عہد کی تنظیم کہ وظائف اور عطیات اس وقت دئے جائیں جب تمام لوگوں کے ناموں اور قبیلوں کا ایک رجسٹر تیار ہو جائے اپنے اندر جمع رکھتی ہے۔ اس تنظیم کی دوسرے تمام لوگوں کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا گیا بلکہ ان کی طبقہ بندی کی گئی تھی۔ اس کی دوسرے مختلف چیزوں کو ذمہ میں رکھا گیا تھا۔ مثلاً ستد و بن دیوان اور تنظیم دفتر میں سب سے پہلے بنی ششم سے ابتدا کی گئی تھی۔ اس کے بعد اس قبیلہ کا نام رکھا گیا تھا (شاید بنی زہرو کا۔ اس لئے کہ بنی زہرو میں آنحضرتؐ کی نہیالی تھی۔ مترجم ابو بنی ہاشم کے بعد آنحضرتؐ سے قریب تھا اس کے بعد، اسی قرابت کے پیش نظر اور اسی معیار کے مطابق دوسرے قبیلوں کے لوگوں کے دفاتر تیار کئے گئے۔ اس سے پہلے کہیں جہاں ہر چکر کا ہے کہ جس وقت کا تین دفاتر اور دیوان مرتب کرنے والوں نے بنی ہاشم کے بعد اترتیب بنی تیم اور بنی عدی کے نام حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے قبیلوں کے نام لکھے تھے اسے حضرت عمرؓ نے منظور نہ کیا اور فرمایا :-

”عمرؓ کو وہ مقام ملنا چاہیے جہاں میں اللہ نے عطا کیا ہے۔“

میرے نزدیک ایک بات پانچ تئیس کو پہنچ چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے محض اپنے ہی قبیلہ کو مؤخر نہ کیا تھا یعنی اسے تیسرے نمبر سے ہٹا کر اس نمبر پر نہ رکھ دیا تھا جہاں از دوسرے قرابت نبوی اسے ہونا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ قرابت نبوی کے احترام کا ایک اور ثبوت دیا گیا کہ عطیات کی تعداد کے تعین میں بھی اسی رسول اللہؐ سے زیادہ قریب زیادہ مستحق ہے، کے معیار کے پیش نظر رکھا گیا۔ چنانچہ اعرائے قریبی رسولؐ کو بیتیہ بنی ہاشم پر ترجیح دی گئی۔ اس کے بعد لوگوں کے نام اس لحاظ سے ترتیب دیئے گئے کہ کون پہلے اسلام لایا اور کون بعد میں، اسی طرح اسلام کے لئے صبر و استقامت کا مظاہرہ قرآن کی آیات کا حفظ، جس کی اس زمانہ میں غیر معمولی اہمیت تھی، یہ تمام چیزیں بھی وجہ ترجیح تھیں۔ چنانچہ طے پایا کہ مسند رجب و مشرحتہ ذیل ارباب کے لئے ذیل کی رقوم عطا ہوں :-

۱۱) جو لوگ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کر گئے تھے ان کے لئے تین ہزار درہم فی کس، اس میں آزاد اور غلام کی تقصیص بدتمی - گویا معیار نصف ہجرت قبل از فتح، تھا۔

۱۲) ان مجاہدوں کے لئے جو معرکہ بدر میں شریک ہوئے تھے، پانچ ہزار درہم سالانہ فی کس۔

۱۳) حبشہ (موجودہ ایتھوپیا) ہجرت کر کے جانے والوں اور اُحُد کے معرکہ میں شرکت کرنے والوں کے لئے چار ہزار درہم سالانہ۔

۱۴) جہا جبرین اولین اور غازیان بدر کے بیٹوں کے لئے جو ان معرکوں میں حاضر تھے تین ہزار درہم فی کس۔

حضرات حسنؓ و حسینؓ کو اس سلسلہ میں مستثنیٰ قرار دیا گیا اور ان کو ان کے عالی مرتبہ والد کے مانند پانچ پانچ ہزار درہم کا مستحق گردانا گیا تھا۔ اسی طرح اسامہ بن زیدؓ کو بھی جہا جبرین کے بیٹوں کے گروہ میں امتیازی حیثیت دی گئی اور انھیں تین ہزار کے بجائے چار ہزار درہم کا وظیفہ عطا ہوا۔

لطیفہ یہ ہے کہ اسامہ بن زیدؓ کو جب چار ہزار درہم کا مستحق مانا گیا تو حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہؓ نے احتجاجاً کہا :
"آپ نے میرے لئے تین ہزار مقرر فرمائے لیکن اسامہ بن زیدؓ کے لئے چار ہزار کا عطیہ مقرر کیا؟" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

میں نے انھیں اس لئے ترجیح دی کہ آنحضرتؐ کی نگاہوں میں وہ تم سے زیادہ محبوب تھے اور ان کے والد حضرت زیدؓ بھی تمہارے والد کے مقابلہ میں منگ و مر سولے میں زیادہ مقبول تھے۔ عمر بن ابی سلمہ کے چار ہزار درہم مقرر ہوئے تو اس پر محمد بن عبد اللہ بن جحش نے بھی احتجاج کیا :-

آخر آپ نے ابو سلمہؓ کے بیٹے کو کیوں ترجیح دی ہم لوگوں پر؟ آخر ہم لوگوں کے والدوں نے ہجرت بھی کی اور معرکوں میں بھی شریک ہوئے! حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں نے انھیں یعنی عمر بن ابی سلمہؓ کو اس قدرت کی بنا پر ترجیح دی ہے جو انہیں سرورِ دو جہاں

سے حاصل ہے۔ اب جو صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ انھیں کسی چیز سے محروم کیا گیا ہے اور وہ اس امر کے منتظر ہیں کہ ان کی دُجوئی کی جلے یعنی ان کا وظیفہ زائد کر دیا جائے تو وہ حضرت ام المومنین اُمّ سلمہؓ کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک تھیں) کی سی معزز اور محترم ماں لکے دکھائیں۔ اگر کوئی ایسا کر سکتا ہے تو میں بھی اس کی رضایت خاطر کی کوشش کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی بھی اوروں پر فضیلت تسلیم کی اور ان کے لئے پانچ ہزار درہم مقرر کئے۔ حضرت کی ازواجِ مطہرات کو تمام دوسرے لوگوں پر، جہاں بن اولین، غازیانِ مبدل و احد سب پر استثناء تزیج دی۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک کے لئے بارہ ہزار درہم مقرر کئے۔

یہ سب اس نقطہ نگاہ سے تھا کہ ہر معاملہ میں مرکزی شخصیت رسالتِ مآب کو تسلیم کیا گیا تھا۔ مترجم) اس کے بعد لوگوں کی مزید طبقہ بندی ہوئی۔ اور بے شمار لوگوں کے لئے پندرہ پندرہ سو درہم منظور کئے۔ اس کے بعد دو ہزار درہم، یہ سب کچھ ہو چکا تو مزید حلقہ بندی ہوئی۔ یہاں تک کہ آخری اور سب سے معمولی عطیہ ساتین سو درہم کے حساب سے منظور ہوا۔ ساتین سو درہم سے کم کسی کو نہیں دیا گیا۔ ہر اس بچے کے لئے جس کا دودھ چھٹ چکا تھا، ایک سو درہم کی رقم منظور ہوئی۔ جس وقت بچہ کچھ اور بڑھ جاتا تھا یہ رتسم ایک سو سے بڑھ کر دو سو ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد جب بچہ سن بزرگ کو پہنچ جاتا تھا تو وہ جس طبقہ کا ہوتا تھا اس کے مطابق اس کا سرکاری وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا کہ حضرت عمرؓ نے وفاتِ اطفال کا یہ نظام بدل دیا۔ ہوا یہ کہ آپ نے ایک عورت کے بارے میں یہ مشاہدہ کیا کہ اس نے محض اس خیال سے کہ سرکاری وظیفہ بندھ جائے گا اپنے کسی بچے کے دودھ کے چھڑانے میں عجلت برتی۔ حضرت عمرؓ اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے۔ ہل گئے۔ سہم گئے۔ جس رات آپ نے یہ منظر دیکھا تھا یعنی عورت کو دودھ چھڑاتے۔ تاکہ وظیفہ مقرر ہو جائے اور بچے کو دودھ کے لئے بلکتے ہوئے تو اس رات آپ تمام رات بیدار رہے ساری رات کرب و اضطراب میں کاٹ کے آپ نے فجر کی نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے خود ہی اپنے کو لکارا :

مد نظر کا براہوار سے اس نے تو مسلمانوں کے بچوں کو مار دیا ۵

اس کے بعد ہی آپ نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ عورتیں بچوں کا دودھ چھڑانے میں عجلت نہ کریں انھیں اطمینان سے معینہ مدت تک دودھ پلائیں اور اب ہر مسلمان بچہ کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا۔ یہی احکامات صوبوں کے گورنروں کو بھی بھیج دیئے گئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس دن سے ایک بچہ پیدا ہوتا تھا اس کا ولی اور نگوں (والدہ، والدہ یا اور کوئی بزرگ) اسی دن سے اس کے نام کا وظیفہ سرکار سے آسے لے لیتا تھا۔ لاوارث بچوں کے لئے بھی سنو درہم مقرر ہوئے۔ جسے لاوارث لڑکے یا لڑکی کا ولی حکومت سے لے لیتا تھا اور پھر اس کے لئے جمع رکھتا تھا۔ بچے کی مدد پلائی اور غذا کے لئے ولی کو بیت المال سے علیحدہ رقم ملتی تھی۔ جب یہ لاوارث بچہ بڑا ہو جاتا تھا۔ تو اس کے وظیفہ میں اضافہ کر دیا جاتا تھا اور اسے عام مسلمانوں کے لوگوں کے مانند سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے بیوہ خواتین کے لئے بھی وظائف مقرر کر دیئے تھے۔ چنانچہ حضرت صفیہ بن عبدالمطلبؓ کے لئے جو رسالت پناہ علیہ السلام کی پھولھی تھیں ایک ہزار درہم مقرر ہوئے۔ اسی طرح اسماء بنت عمیس، زوجہ حضرت ابوبکرؓ اور والدہ عبداللہ بن مسعودؓ کے لئے بھی ہزار ہزار درہم منظور کئے گئے۔ حضرت عمرؓ ان عطیات اور وظائف کو خود مدینہ میں لوگوں میں تقسیم کرتے تھے۔ کبھی کبھی مدینہ کے نزدیک اور دور کے قبیلوں میں حضرت عمرؓ مختلف لوگوں کی رقوم اور مال لے کے دوڑتے ہوئے سبایا کرتے تھے۔ تمام لوگوں کو اور مستورات کو، ان کے عطیات ان کے ہاتھوں میں عنایت فرما دیتے تھے۔ اپنے عمال کو حضرت عمرؓ یہ حکم دیتے تھے کہ مقرر کردہ اصولوں سے مطلق انحراف نہ ہو۔ جب تک غلام آزاد نہ ہوتے تھے اس وقت تو خیر لیکن جوں ہی انہیں آزاد کر دیا جاتا، انھیں بھی اتنا ہی ملتا جتنا ان کے آقاؤں کو۔

یہ تقاضا وظائف جسے حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا۔ یہاں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ اس کی بنیاد روایات ہیں۔ میرے نزدیک ان میں بعض یقیناً محتاج تحقیق ہیں۔ لیکن بدقسمتی کہیے کہ قابل اعتماد ماخذ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

باب

وظائف

عطیات کا یہ نظام جسے حضرت عمرؓ نے قائم کیا تھا، ہر اعتبار سے نیا تھا۔ قدیم مل میں کوئی قوم بھی، جو عربوں سے پہلے تمدن آشنا ہوئی تھی، نہ صرف اس نظام سے واقف نہ تھی اس سے ملتی جلتی کوئی چیز بھی اس کے تصور میں نہ آئی تھی مہم جانتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں بعض قوموں میں اس کا رواج تھا کہ سپاہیوں اور فوجیوں کو بھرتی کیا جاتا تھا، اور انہیں اس مال و دولت میں ساجھی بنا دیا جاتا تھا جو فوج کے ہاتھ لگتے تھے۔ اسی طرح بعض قوموں میں سپاہیوں اور فوجی سرداروں کو زمیںیں دے دی جاتی تھیں جس کے غلہ سے وہ اپنی گزارن کرتے تھے لیکن ایک چیز جس کی مشمل قدیم اور جدید دونوں تمدنوں اور تہذیبوں میں مفقود ہے کسی حکومت کا تمام رعایا کے لئے غذائی ذمہ داری کا قبول کرنا ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تمام مسلمانوں کے کھلانے کی ذمہ داری خود حکومت نے لے لی تھی۔

موجودہ تمدن صرف بعض ملکوں میں اور وہ بھی ابھی حال میں، اس قابل ہوا ہے کہ وہ سوشل سیکوریٹی کا سلسلہ شروع کرے اور آج کی حکومت لوگوں کو یہ ضمانت دے سکے کہ انہیں وہ اس شرط پر کسی خاص زمانہ میں کھلائے گی کہ بعد میں یہ قوم اسے واپس دے دی جائیں گی (تلقاوی قرضوں کی بھی یہی صورت ہوتی ہے) لوگوں کو بیماری کا علاج کرنے، بیکاری کے دور میں بوڑھوں، کمزوروں اور پابھول کی مدد کرنے، پیشہ کے حقوقی احاطہ کرنے، اور ملازموں کو ملازمت کی ضمانت دینے کے سلسلے میں یقیناً حکومتوں نے کارخانے

انجام دئے ہیں اور دیتی ہیں، لیکن عسکری کے زلمے سے آج تک یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی حکومت تمام افراد مملکت کے لئے حکومت کے خزانہ سے معین مقدار میں وظائف بھی مقرر کر دیئے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ روش حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں صرف ایک خاص مدت تک قائم رہی۔ بعد میں جب لوگوں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ حضرت عثمانؓ نے بعض لوگوں کو خطیر وظائف دیئے، تو انھیں، انہیں لوگوں کے پلے بہ پلے مطالبہ پر ان وظائف کو صرف اہل لشکر اور بزرگ اصحابِ نبیؐ کے لئے مخصوص کر دینا پڑا۔ (اجل صحابہ کو مستثنیٰ کرنے کی وجہ ظاہر تھی یہ وہ لوگ تھے جو معرکوں میں خود شریک ہوئے تھے فسح و نفرت میں خود حصہ لیا تھا اور گروہ صورت دین سے جنگ کی تھی۔ حضرت عثمانؓ اعتراض کرنے والوں کے مطالبات ماننے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اور آپ کو اعلان کرنا پڑا تھا کہ بجز سپاہیوں اور مخصوص اصحابِ نبیؐ کے عام لوگوں کے وظائف بند کئے جاتے ہیں۔ دراصل جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا تھا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ مال ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے لئے شریک جہاد ہوئے ہیں اس مسئلہ پر ہم نے کہیں اور روشنی ڈالی ہے۔

باب

رفاہی حکومت کا قیام

جدید تمدن میں بعض قومیں بچوں کی پیدائش کے ہی دن سے ان کے لئے رات بوقت مقرر کر دیتی ہیں یہ گھومنا اس زمانہ میں ہوتا ہے جب کسی ملک میں کسی خاص جنگی مصیبت وغیرہ کی بنا پر بچوں کی تعداد کم ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

بچوں کی اس نگہداشت اور ان کے لئے رات بوقت یا وظیفہ مقرر کرنے کا یہ سبب

نہیں ہوتا کہ حکومت اسے اپنا فرض گردانتی ہے۔ بلکہ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ بچوں کی

تعداد بڑھانے میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاسکے کیونکہ یہی بچے ایک ملک کی

پبلک زندگی اور کسی بڑے خطرے کے موقع پر اس کے دفاع کے کام کو انجام دیتے

ہیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کام کو حکومت کا فرض اور بچوں کا حق جان کر کید شروع

میں حضرت عمرؓ نے یہ چاہا تھا کہ قوم کے بچوں کے لئے وظائف کا اجراء اس وقت

عمل میں آئے جب ان کا دودھ چھڑایا جائے۔ لیکن جب لوگوں نے دودھ پھیلانے میں

عجالت کرنی شروع کر دی یعنی قبل از وقت بچوں کو ماں کے دودھ سے محروم

کرنے لگے تو حضرت عمرؓ جیسے ہنسل سے لگے اور پیدائش کی ابتدا اور ہی سے

وظائف کے اعطاء کا اعلان کر دیا۔ ہم یہ بات اس سے پہلے ہی بیان کر چکے ہیں۔

لاوارث بچوں کی نگہداشت بھی حضرت عمرؓ کی جدت طرازی ہے۔ میرے

خیال میں جدید طرز کی حکومتیں بھی ان لاوارثوں پر وہ توجہ نہیں منبذول کرتیں جو حضرت

عمر نے مزید فرمائی تھی۔ آپ کے حیرت انگیز کارناموں میں یہ بھی ایک کا نام ہے کہ ان گزر گاہ حیات پر بے کس عالم میں پڑے ہوئے اطفال کی، دین اور عمومی تربیت کے لئے آپ نے باضابطہ ادارے قائم کر دیئے تھے۔ آج کی تمدن آشنا حکومتیں ان بے خطاؤں کے لئے حکومت کے خزانے میں کوئی سہی نہیں تسلیم کرتیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ تک کیا تھا کہ لاوارث بچوں کو کچھ مدت تک تو وظائف ملتے تھے اور اس کے بعد جب وہ سن سہا شد کو پہنچتے تو انہیں کچھ جمع شدہ رقم مل جاتی تھی جس کی بنیاد پر وہ کوئی کاروبار شروع کر دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ ہی اس اجتماعی نظام کے بھی موجد ہیں جس کی تو سے حکومت کے خزانے کو عام لوگوں کی معاش کی ضمانت دینی پڑتی تھی۔ حضرت عمرؓ کا یہ ایک مستقل خیال تھا جس پر وہ سختی سے قائم تھے کہ حکومت جو وظائف دیتی ہے یہ عوام پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ یہ کم دینیں افراد قوم کا خزانہ قوم پر جاتی ہے۔

آپ سے یہ قول بھی منسوب ہے کہ ہر مسلمان کا خزانہ سلطنت پر جاتی ہے جو اسے ملنا چاہیے۔ آپ فرمایا کرتے تھے :

”اگر میں زندہ رہ گیا تو ایک چرواہے کو بھی اس سے پہلے کہ اس کا چہرہ اپنے مقررہ عطیے کے نہ ملنے سے سرنج ہو جائے، اس کا حق بیت المال سے مل جایا کرے گا۔“
 ”آپ یہ کہنا یہ چاہتے تھے کہ آپ کی حکومت یہ عزم کر چکی تھی کہ لوگوں کو ان کے حقوق بغیر کسی سرگردانی اور درد و سوچ کے خواہ وہ مرکز سے قریب ہوں یا دور مل جایا کریں۔“
 بعض لوگوں نے حضرت عمرؓ سے یہ بدگمانی کی ہے کہ وہ عطیات کے بارے میں شخصیتوں کو بھی دیکھتے تھے بعضوں کو بہت دیتے تھے بعض کو کم۔ گویا وہ طبقاتی نظام کے قائل تھے۔ لیکن ایسا سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کبھی طبقاتی نظام کو ترجیح نہیں دی۔ اشخاص کو اشخاص پر فوقیت نہیں دی۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ اسلام کے نظام فکر کی صریح اور علانیہ مخالفت کی جرأت ہو سکتی تھی۔ قرآنی تصور کے بموجب تمام انسانوں میں مساوات مطلق پائی جاتی ہے۔ الا یہ کہ ایک شخص از روئے خوف الہی، دیانت و طہارت

دانش و خرد و عزم اور احتیاط یعنی تقویٰ، دوسروں سے بڑھ جائے۔ وہ شخص جو غریبوں کے مقابل میں امیروں کی پرواہ بالکل نہ کرتا تھا۔ کمزوروں کی خاطر یا اثر لوگوں سے بھرا جاتا تھا اور جسے اپنے عمال اور امرا سے ادنیٰ سا بھی خطرہ نہ تھا یعنی انکی ذرا سی بھی پرواہ نہ کرتا تھا اس کو طبقاتی نظام مسلط کرنے کے الزام سے کسی صورت، مستہم نہیں کیا جاسکتا۔

در اصل بات یہ ہے کہ بہت المال میں مزاج اور محاصل، جزیہ اور مال غنیمت کی جو مقدار آتی تھی وہ اتنی نہ ہوتی تھی کہ تمام مسلمانوں کو اس میں سے دیا جاسکے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ جو عمر کے بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دیں۔ اس سلسلہ میں معیار یہ تھا کہ کس نے پہلے اسلام قبول کیا تھا۔ کس نے اسلام کی خاطر مصیبتیں زیادہ جھیلیں اور کون نبی اعظم سے رشتہ کی رو سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت عمرؓ اس بات کے سختی سے قائل تھے کہ عربوں کو جو بھی فضیلت مل گئی تھی وہ تمام تر آنحضرتؐ کی ذات کا طفیل تھی۔ اس لئے جو آپ سے جتنا قریب تھا وہ اتنا ہی فضیلت ماں تھا۔

حضرت عمرؓ ان لوگوں کو سب سے مقدم جانتے تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے لئے اپنی جانیں نیک خطرے میں ڈالی تھیں۔ رنج و مصیبت اور تنگی کے دور میں آپ کے ساتھ رہے تھے۔ آپ کے دشمنوں اور اسلام کے دشمنوں سے جنہوں نے رسولؐ کو اٹھی کے خلاف سازش کی تھی اور صرف اس وقت اسلام قبول کیا تھا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا، جنگ کی تھی، اس کے باوجود حضرت عمرؓ فرماتے تھے اگر خزانے میں مزید رقم آگئیں تو میں عطیات میں اضافہ کر دوں گا۔ اور اگر یہ دولت کچھ اور زیادہ ہو گئی تو میں آخری فروامت تک ان عطیات کو پہنچا دوں گا۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کو کم از کم چار ہزار درہم ملیں۔ ایک ہزار گھوڑے اور خچر کے لئے، ایک ہزار ہتھیار کے لئے، ایک ہزار اہل و عیال کے لئے، اور ایک ہزار اپنی ذات کے لئے، لیکن موت نے انہیں فرصت ہی نہ دی۔ آپ کے حوصلوں کا اور امت سے محبت و محبت کا عالم یہ تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا :-

”اگر دولت میں اضافہ ہو گیا تو مسلمانوں کو مال کر دوں گا ان کے لئے اجناس

قول دون گا اور انہیں علی الحساب دون گا۔“

حضرت عمرؓ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ مجاہدین اسلام اور اسلام کی خاطر سینہ سپر ہونے والوں اور ان لوگوں میں جنہوں نے اسلام کی کاشمکش کے دور میں عافیت کی زندگی بسر وار دیگر کی زندگی کو ترجیح دی تھی، فرق نہ کریں، یونہی آپ ابتدا میں اسلام لانے والوں اور اور مجبوراً مسلمان ہونے والوں اور اسلام پر مستقل طور سے قائم رہنے والوں اور مردوں میں جو اگر بعد میں اسلام کی طرف پلٹے بھی تو ضمنیہ و سناں کے اثر سے، فرق اور امتیاز برتنے پر مجبور تھے۔

پس حضرت عمرؓ سے مساوی تقسیم دولت کا یہ مطالبہ صحیح نہ تھا۔ اگر حکومت کے پاس اتنی دولت آ بھی جاتی کہ تمام مسلمانوں میں دولت مساوی طور پر تقسیم ہو جائے تو بھی حضرت عمرؓ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ عام لوگوں کو ایک سطح پر لاکے عطیات سلطنتی میں برابر کا شریک کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ شروع کے مسلمان جنہوں نے اسلام کے لئے بڑی آزمائشیں اٹھانی تھیں اپنے مرتبے سے گرنے نہ پائیں۔ حضرت عمرؓ کے نزدیک ان بزرگوں کی حیثیت کو بہر صورت قائم رکھنا ضروری تھا یہ تربیت یافتگان مکتب نبویؐ اور بوریا نشینانِ مسند بے نیازی متقی بھی تھے معلم بھی تھے۔ عام لوگوں کے دینی رہنما اور قائد بھی تھے۔ ان کی زندگیوں میں انہیں بہر صورت رہنما بنانا ضروری تھا۔ ان کے دنیا سے آٹھ جانے کے بعد تمام لوگوں کو ایک سطح پر لایا جاسکتا تھا اور کسی کو کسی پر فضیلت لاحق نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اگر حضرت عمرؓ کے بعد آنے والے خلفائے ان کی روش پر چلنا پسند کیا ہوتا اور ان کے مرتبہ کو وہ نظام کو چلایا ہوتا تو امت بے مدافع میں رہتی۔ لیکن ابھی حضرت عمرؓ کے انتقال پر تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ لوگوں میں دولت جمع کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس سلسلہ میں وہ ایک دوسرے کے رقیب بن گئے۔

پھر یہ بڑا کہ نفسیت کا ایک نیا معیار بنا جو یہ تھا خلیفہٴ وقت کے نزدیک کون زیادہ مقرب ہے کون کیم مقرب ہے۔ خلفاء نے بھی بیت المال سے حسب مشاغل لینا دینا

اپنی ہی سمجھنا شروع کیا۔ بیت المال سے خلفاء اپنے لئے اور اپنے مقرروں کے لئے رقم لینے لگے۔ خود حضرت عثمانؓ نے ایک مرتبہ شاہی خزانے سے مروان ابن حکم کو ایک بہت بڑی رقم دے دی۔ حضرت عبد الرحمن ابن عوفؓ نے کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مروان سے یہ رقم چھین کے مدینہ کے غریب لوگوں میں بانٹ دی۔ معاویہؓ نے جب عثمانؓ حکومت سنبھالی تو خود کو خلیفۃ اللہ فی الارض سمجھ بیٹھے انہوں نے مال اللہ کو اپنی ذاتی دولت سمجھ لیا جس پر حسب منشا تصور کیا جاسکتا تھا۔

معاویہؓ کی حضرت علیؓ سے مال ہی کی خاطر جنگ ہوئی تھی۔ چنانچہ واقعہ ہے کہ معاویہؓ نے اکثر صحابہؓ کو گراں قدر رقم دے دے کر اپنی طرف توڑنے کی کوشش کی۔ جب موصوف کا (حضرت معاویہؓ کا) جنھوں نے آنحضرتؐ سے ملاقات کی تھی اور آپؐ کی صحبت اٹھائی تھی یہ حال ہوا تھا تو ان خلفاء کا تو پوچھنا ہی کیا جو آنحضرتؐ کی صحبت کے شرف سے محروم رہے۔ ان خلفاء نے امت میں طبقاتی نظام رائج کر دیا اور وہ یوں کہ یہ لوگ، لوگوں سے امتیازی برتاؤ کے قائل ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کبھی اس قسم کی کوئی بات نہ سوچی اور نہ آپؐ کے ذہن میں یہ تصور آیا تھا اور آپؐ کی فطرت یہ بات قبول نہیں کر سکتی تھی۔

آنحضرتؐ کی مہکل پیروی کرنے میں تمام امت میں آپؐ سے زیادہ کوئی آرزو مند نہ اسی طرح آپؐ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ آپؐ کا ایک قول جسے حضرت حسن بصریؒ بھی دہرایا کرتے تھے یہ تھا :-

”میرا خواہش ہے کہ جب میں دنیا سے نکلوں تو میرا اور دنیا کا حساب صاف رہے اور میں اس دنیا سے صرف صالح عنصر قبول کروں اس کی نجاستیں اور کثافتیں اسی کے لئے چھوڑ دوں۔“

باب ۱۲

اُمت کے لئے دل سوزی

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے لئے عطیات دینے اور انہیں سکون زندگی بخشنے ہی کو کافی نہ سمجھا تھا۔ اسلام کی بڑی تاریخ میں حضرت عمرؓ سے بڑھ کر اُمت کی ولاری اور دل سوزی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوا۔ آپ انہیں حتی الوسع آرام اور راحت بھی پہنچانا چاہتے تھے۔ آپ گھوڑوں اور اونٹوں تک کو خود تیار کیا کرتے تھے تاکہ بعد میں بہب جھلا کا موقع آئے تو یہ چست اور تیز قسم کی سواریاں ثابت ہوں۔ آپ شام اور عراق میں اسلامی لشکروں سے جاننے والوں کو تیار ہونے میں مدد دیتے تھے جو لوگ ان علاقوں میں روزی کلمے کی غرض سے جانا چاہتے تھے ان کی بھی آپ مدد کرتے تھے۔ مکہ کے حاجیوں کو بھی آپ سامان سفر سے لیس کرتے تھے۔ جب آپ کسی کو سواری دیتے تھے تو زاد راہ بھی عنایت کرتے تھے۔

سورۃ توبہ اور سورۃ الانفال میں مالِ فینت اور صدقات کے بارے میں جو آیات ہیں ان کو عملی شکل دیتے ہوئے آپ یہ سب مصارفِ جن کا بھی ذکر ہوا صدقات

ہی کی رقم سے کرتے تھے۔

اسی پر بس فرماتے ہوئے حضرت عمرؓ مدینہ اور اس کے نواح میں عام لوگوں کے دوزخ کے مسائل سے بھی واقف ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت برآری فرماتے تھے اور اس میں رات دن لگے رہتے تھے اور حکومت کے افسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو ہمیشہ اس بات کا خوف لگا رہتا تھا کہ مبادا ان کے احکامات کی بجا آوری میں عمال حکومت، قساہل، بزمن اور اس بات سے تو آپ بہت ہی ڈرتے تھے کہ کہیں وعدہ و نذر کے علاقوں میں رعیت کی ضرورتیں پوری ہونے سے وہ جائیں اور حاجت مند آپ تک نہ پہنچ سکیں اور اس طرح اللہ آپ سے باز پرس کرے آپ کہتے رہتے تھے۔

”کہ اگر فرسات کے کنارے تک بھی ایک اونٹ بلا سبب ضائع ہو جائے گا تو اللہ مجھ ہی کو اس کا ذمہ دار قرار دے گا“ جب صدقہ کے اونٹ آتے تھے اور ان میں کسی کے جسم پر زخم ہوتا تھا تو آپ خاص زخم پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتے تھے: ”میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس اونٹ کی اس تکلیف کے بارے میں بھی مجھ سے سوال نہ کیا جائے۔“

صدقہ کے اونٹوں کی آپ بنفس نفیس دیکھ بھال کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو ایک دفعہ اسی عالم میں چھلپاتی دھوپ میں ایک اونٹ پر مالش کرتے ہوئے دیکھا۔ عالم یہ تھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی کھڑے تھے۔ آپ حضرت علیؓ سے کچھ کہتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ سے سن کر حضرت عثمانؓ کہتے جاتے تھے اور اس موقع پر حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا تھا کہ یہ شخص (مراد حضرت عمرؓ) ان ہی صفات سے ممتاز ہے جو حضرت شعیبؓ کی صاحبزادکا نے حضرت صولسیؓ میں دیکھی تھیں۔ حضرت صولسیؓ کے بارے میں بنت شعیبؓ نے یہ بیان دیا تھا۔

(يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَعْتَبْنَا بِكَ مِنْ أُمَّةٍ أَعْتَبْنَا بِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ)

یعنی

”بابا اس شخص کو ضرور رکھ لیجئے۔ اب تک اس سے بہتر شخص آپ کی مزدوری میں نہیں کیا ہے۔ یہ بازو اور قوی بھی ہے اور دیانت دار اور قابل اعتماد بھی۔“

ملاوے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں راتوں کو گشت لگایا۔ رات اُن کے بعد آپ ایک دفعہ تنہا مدینہ کا گشت لگاتے تھے اور ایک دفعہ اپنے ساتھ اپنے کسی آدمی کو ساتھ لے لیتے تھے۔ ان مشب گھریلوں میں بسا اوقات بڑے بڑے لطائف پیش آجاتے تھے۔ جن سے انسان محفوظ بھی ہوتا ہے اور مرعوب بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات کو آپ نے ایک عورت کو کہتے ہوئے سنا۔

”کیا شراب پینے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے یا کوئی سلسلہ ایسا نکل سکتا ہے کہ میں نصیر بن حجاج تک پہنچ جاؤں!“

صبح ہونے پر حضرت عمرؓ نے جب نصیر بن حجاج کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ ”قبیلہ سلیم کا ایک شخص ہے۔“

آپ نے اسے حاضر کے جلنے کا حکم دیا۔ اب جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو وہ ایک خوبصورت اور جوان ریشا کی حیثیت سے سامنے تھا۔ اس کے بالوں میں بھی سن تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس کے بال ترشوا دیئے جائیں۔ بال کٹوا کے جب یہ شخص آیا تو اس کا حسن و جمال اور نکھر آیا۔ گویا وہی معاملہ پیش آیا جس کی طرف عسجدی کا یہ مصرع اشارہ کرتا ہے کہ

ہ آراستن سرد نہیر استن است

اب اس شخص کو عمامہ باندھنے کا حکم ہوتا ہے لیکن اس دور کے فیشن اور ملاق اور لباس کی دوسے اس سے بھی اس کے بائپن اور تیکھ پن میں ہی ہوتا گیا، کمی نہ واقع ہوئی۔ یہ دیکھنے کے بعد حضرت عمرؓ نے قسم کھالی کہ اس جاملزب شخص کو مدینہ میں

بنے زریں گے۔ چنانچہ آپ فی الفور اس جوان رعنا کی جانب متوجہ ہوئے اور اسے سپاہی کی حیثیت سے بھرتی کر کے بصرہ بھجوا دیا!

ایک رات اور اسی قسم کا دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمرؓ گھنگت لگاتے لگاتے ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ یہاں چند خواتین آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ موضوع یہ تھا کہ :-

”مدینہ میں سب سے زیادہ حسین اور صلیب (جس میں صباحت ہو) کن شخص ہے۔“

اس پر ایک نے کہا اپنا وہ شغال (گیڈر) ہے نا! دوسرے دن صبح خلافت کی جانب سے ہارسٹ ہوئی۔ یہ کون بزرگ ہیں جن کا لقب شغال (گیڈر) ہے۔ شغال صاحب بھی قبیلہ سلیم کے نیکے حسن و جمال اور مولانا بانگن لئے ہوئے، ان کے ساتھ بھی باری باری سرمنڈکانے اور پگھکی پہنوانے کا عمل ہوا، مگر حسن تھا ان کا کہ نکھرتا ہی گیا گویا (بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا کی)!

چنانچہ ایسے خطرناک معشوق فریب کو بھی فوجی دردی پہنادی گئی یعنی شہسورگری اور عشوہ طرازی کی زندگی سے نکال کے انہیں خارشگانی اور جفاطبی کی زندگی کی طرف لایا گیا۔

سہراہیت ہے کہ اس غریب نے جب یہ سنا کہ اب اسے سپاہی بننا پڑے گا اور دینے کی گیلیاں اس سے چھوٹ جائیں گی تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے بھی وہیں بھجا جلائے جہاں اس کا چچرا بھائی نصر بن حجاج بجا چکا ہے یعنی بصرہ!

ایک رات کو ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس رات حضرت عمرؓ نے شہر کا آنا جسد دیکھا تھا کہ تقریباً شہر کے باہر نکل گئے تھے۔ وہاں آپ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک شخص ایک مکان کے سامنے تن تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ البتہ اس نے اپنے سامنے ایک چراغ روشن کر رکھا ہے۔ اجڑے نگر میں جیسے جلتے ہے چراغ ایک!

حضرت عمرؓ نے اجازت لے کر اس شخص کے پاس پہنچے ہیں پہلے اسے سلام کرتے ہیں پھر سوال فرماتے ہیں

” اتنی رات گئے تم تن تہا یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ ابھی سٹوری ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت عمرؓ کے کالوں میں گھر کے اندر سے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ شخص جو اکیلا بیٹھا تھا اس نے بتایا کہ اس کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے پاس نہیں ہے اور وہ اس وقت اس کے لئے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔

یہ سب سن کر حضرت عمرؓ فوراً پلٹ آئے اور اپنے مکان پر پہنچ کر اپنی بیوی اُم کلثوم سے کہا۔
 ” تمہارے لئے ثواب کمانے کا ایک وسیلہ ہاتھ آیا ہے، ’لولو‘ اس سے فائدہ اٹھاؤ گی؟ اور اُم کلثوم نے جب تشریح چاہی تو ’صہ و پروینہ‘ کے امیر نے کہا کہ دراصل میں ایک دکھ کی ماری عورت کی حالت دیکھ کے آ رہا ہوں، اس وقت وہ تن تہا دردِ زہ کی مصیبت میں مبتلا ہے، امیر المومنین کی بیوی فوراً پل پڑیں۔ اب میاں بیوی رات کی تاریکیوں میں بیابان میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں ایک چھوٹے سے مکان میں ایک لاپچارا درخس عورت دردِ زہ میں مبتلا تھی اُم کلثوم اندر گئیں، عورت کی مدد کی، اور نسوانی نگہداشت برتی۔

دیکھا عورت کے یہاں ایک بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ یہ خوش خبری دیتے ہوئے۔ اُم کلثوم نے اپنے شوہر سے کہا کہ بچے کے والد سے کہہ دیں کہ اسے اللہ نے ایک لڑکا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن اُم کلثوم نے اپنے شوہر کو امیر المومنین کہہ کے مخاطب کیا تھا! اب تو باپ صاحب (جو ابھی ابھی باپ بنے تھے) گھبرائے پٹائے۔

” آپ نے پہلے کیوں نہ فرمایا کہ آپ امیر المومنین ہیں؟“ مرد صحرانے کہا۔
 ” صبح ہی دن صبح سے حضرت عمرؓ کی مستعد اور فرض شناس حکومت نے ”مرد صحرانے“ کے حالات یکسر بہتر بنا دیئے تھے!

ایک اور رات کا قصہ ہے حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو، جس کا تعلق مدینہ سے تھا اور جسے آپ پہچانتے تھے، پینے پلانے کا شغل کرتے دیکھا!
 دوسرے دن صبح آپ نے اس شخص کو بلا بھیجا اور فرمایا۔

” تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پینے کی ممانعت فرمائی ہے، اس شخص نے سرتو اثبات میں بلا دیا لیکن تمہا منہ چھٹ کہنے لگا۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا، اور جب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پہلی رات آپ نے خود اسے شراب پیتے دیکھا تھا تو اس آدمی نے کہا:

”مگر یہ بتائیے کہ اسی اللہ نے جس نے شراب سے روکا ہے، لوگوں کے میوب ٹٹلنے سے نہیں روکا ہے؟“

اب حضرت عمرؓ خاموش تھے اور اللہ سے طالبِ غفور ہو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا، مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک شفقانہ، محض دینہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کی پیٹ میں نزدیک اور دور، سب جگہ کے لوگ آتے تھے۔ باہر کے علاقوں سے جہاں کہیں کوئی شخص دینہ پہنچتا تھا۔ حضرت عمرؓ اس سے عام لوگوں کے مسائل اور مصائب کے بارے میں ضرور دریافت فرماتے تھے۔ یہی نہیں کہ آپ کو صرف یہ فکر ستاتی تھی کہ مسلمانوں کی زندگی جوں توں گزر جائے، آپ مسلمانوں کے مستقبل، ان کی اُخرویٰ فلاح تکسکی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔

خالد بن عرفطہ نام کے ایک شخص ریک بار علق سے آئے ان کو دیکھتے ہی امیر المؤمنین نے پہچان لیا کہ وہاں لوگوں کا کیا حال ہے۔

”سب آپ کو درازنی عمر کی دعا دیتے ہیں امیر المؤمنین! اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ خود ان کی عمروں میں سے کچھ حصہ آپ کی عمر میں شامل ہو جائے“ خالد بولے

قادیسیہ، ک جنگ میں جس جہاد نے برائے نام بھی شرکت کر لی تھی اسے دُؤ ہزار یا ڈیڑھ، ڈیڑھ ہزار عطا ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہزیمہ اور ہزیمہ کے لئے سو درہم ماہوار اور دو ہجریب الگ بندھے ہوئے ہیں۔ بالغ مردوں کو بھی پانچ چھ سو مل جاتے ہیں، اب جب ایک شخص کو اتنا اتنا مل جاتا ہے اور اس کے مصارف بھی کچھ ایسے سنگین نہیں ہوتے مثلاً بعض گھرانوں میں تو کھانے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں فضول خرچی اور اسراف کے بھی امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

خالد کی یہ سب باتیں سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

”کوئی مضائقہ نہیں یہ سب لوگوں کا حق ہی تو ہے جو انہیں ملتا ہے۔ دراصل مردینے

والا پروردگار ہے۔ اور مجھے لینے سے زیادہ عطا کرنے اور بخشنے میں لذت ممتی ہے اور ضروری نہیں کہ اس پر مجھے مستحق شمار ٹھہرایا جائے۔ ممکن ہے اگر یہ سب دولت میرے والد خطاب کی ہوتی تو میں ایسا بے دریغ نہ صرف کرتا۔ پھر جب فلاح مملکت کے لئے صرف کرنے کے لئے رقوم محدود ہیں تو انہیں روکے رکھنے سے کیا حاصل۔

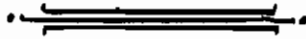
ان لوگوں کو چاہیے کہ جب انہیں ان کے سرکاری عطیے میں تو مثلاً کچھ بیٹریں خرید لیں، ان کی پرورش کریں، پھر مزید عطیات ملنے پر جانوروں کی مزید سلاہیں خرید لیں۔ یوں ان لوگوں کے پاس کچھ سرمایہ اکٹھا ہوتا جائے گا۔ بہت ممکن ہے میرے بعد جو حکمران آئیں وہ اس نظام کو قائم نہ رکھیں۔ اب ایسی صورت میں یہی سرمایہ ان طرحوں کے کام آئے گا اور اس کی بنیاد پر لوگ زندگی کاٹ سکتے ہیں۔

اندلسیہ خالد یہ جو کچھ میں تم سے، کہ تم میرے دو بیٹے بیٹھے ہو کہہ رہا ہوں اس کا مخاطب میں اس شخص کو بھی سمجھ رہا ہوں جو اسلام کی فلسفہ کے آخری سرسے پر بیٹھا ہوا ہے اور یہ اس لئے کہ میں اسے مطلقاً اپنی ذمہ داری گردانتا ہوں۔ اور میرے سردار کا فرمان ہے "جو حکمران اپنی رعایا کی خبر گیری سے غافل رہتا ہے اسے فردوس کی بڑ تک نہیں نصیب ہو پاتی۔"

نزدیک اور دور رہنے والوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی یہ مدگستری اور ان کے فلاح و صلاح اور بہبود مطلق کے لئے یہ تڑپ اور یہ دلسوزی یہ سب اس پیمانہ وفا کے مظاہر تھے جو ابو بکرؓ کی تدفین کے بعد آپ نے اپنی پہلی اور اقتصادی تقریر میں کیا تھا۔ اس تاریخی تقریر میں آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے جو مسائل کہ بالکل سامنے موجود ہوں گے اور جن کا حل مرکز ہی میں ممکن ہوگا انہیں اور ان میں سے ایک ایک کو، آپ خود ہی حل کریں گے، البتہ وہ مسائل جنہیں آپ بنفس نفیس نہیں حل کر سکتے، ان کے لئے آپ بہترین امانت دار اور قابل افسران معقد کریں گے اور ان حکام میں سے جو لوگ احکامات کی بجا آوری اور مملکت کی فلاح میں تساہل برتیں گے، ان کے خلاف سخت تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

خلافت کے پورے دور میں حضرت عمرؓ اس وعدے سے نہیں پھرتے؛
 ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک عامل کو لوگوں کے سرکاری عطیات
 انہیں دے دینے کے لئے لکھ بھیجا۔ عامل نے تعمیل حکم کے بعد لکھا۔
 عطیات دینے والے کے بعد بھی زنج رہے ہیں۔ اس پر ویکر عدل و
 مروت نے عامل کو یہ پھر کھا۔

یہ جو کچھ زنج دہا ہے اسے بھی عوام میں بانٹ دو۔ یہ دراصل غنیمت ہے جو
 اللہ کی جانب سے ان لوگوں کے لئے آگیا ہے کوئی عمرؓ یا آل عمرؓ کا مال تو نہیں۔



www.jmmp

باب ۳

والیوں اور حکام سے مخصوص طرزِ عمل

یہ زہی، ادریہ انصاف پسندی، کہ حق، حق دار کو دلایا جائے، خواہ کچھ بھی ہو، یہی ان صفتیں تھیں جنہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنے ولیوں پر اتنا سماعت بنا دیا تھا۔ آپ ہر والی کے تقرر سے پہلے اس کے ملوکہ سامان کی فہرست بنواتے تھے، اپنا دورِ جسم کرنے کے بعد اگر کسی والی کے پاس فہرست سے کچھ زیادہ نکلتا تھا تو حضرت عمرؓ اسے لے لیتے تھے۔ اور بیت المال میں ڈال دیتے تھے۔

خالِدِ بْنِ وَلَیْد کے معاملہ میں حضرت عمرؓ کی سختی معروف چیز ہے۔ ولیوں کے ایک پورے گروہ کے اموال، ان کے، ان کے عہدوں سے نکلنے جانے کے بعد چھین لئے گئے تھے۔ اسی صورت سے دورانِ عہدہ بھی آپ ولیوں سے کڑی باز پرس کرتے تھے۔ آپ عوام کی شکایات کی ہمیشہ تحقیقات کرواتے تھے۔

کبھی کبھی آپ ان شکایات کی تحقیقات کے لئے صحابہ کرامؓ میں سے بعض افراد کو روانہ فرماتے تھے۔

مثلاً عمرو بن العاصؓ کے خلاف، مصر سے جو شکایاتیں آئی تھیں ان کی تحقیقات کے لئے آپ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجا تھا۔

انہیں بزرگی کو آپ نے کوڑھی روانہ کیا تھا۔ کیوں کہ وہاں کے حاکم سعد ابن ابی وقاصؓ کی شکایت آئی تھی کہ موصوف نے دارالامارۃ کے سامنے ایک باب کھرا کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کی ہدایات نصیب کہ حکومت کے اعلیٰ حکام اپنے یہاں درباروں کا سلسلہ شروع کر دیں جس وقت حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ سعد نے بازار کے شور و شغب سے بچنے کے لئے قصر امارت کے سامنے ایک استقبالیہ عمارت (آج کل کے ریسپشن روم کے مانند) بنوا لی ہے اور ان سے ملنے کے لئے آنے والوں کو پہلے وہاں پوچھ گچھ سے گزارنا ہوتا ہے۔ تو آپ نے اپنے نمائندہ خاص (محمد بن مسلمہ) کو حکم دیا کہ ا۔

و کوڑھ پیچھے ہی اس سے پہلے کہ سعد نے سے گفتگو تک ہو، اس عمارت کو جلا دیا جائے۔“ مسلمہ نے ایسا ہی کیا۔

بعض راوی کہتے ہیں کہ سعد نے ابن مسلمہ کو کچھ رسم بھی پیش کرنا چاہی تھی جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کیا تھا۔ مدینہ واپس لوٹ کے ابن مسلمہ نے حضرت عمرؓ کو ہر بات بتلائی۔

ادھر کچھ لوگوں نے سعدؓ کی مبارک مزاجی سے طور پر شکایت بھی کی۔ اس پر محمد بن مسلمہ کو پھر بھیجا گیا۔ اس بار مسلمہ کو ہدایت کی گئی کہ عوام اور خواص سب سے کوفہ کے والی کے طرز عمل کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے۔ چنانچہ ابن مسلمہ نے یہی کیا۔ مگر اس تفصیل کے باوجود انہوں نے ہر شخص کو سعدؓ کا مداح پایا۔ کچھ لوگوں نے البتہ یہ کہا کہ سعدؓ نماز میں بڑی عجلت کرتے ہیں۔ بعد میں حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر سعدؓ نے یہ جواب دیا تھا کہ شروع کی رکعتوں میں تو وہ ضرور طوالت برتتے ہیں لیکن بعد کی رکعتوں میں وہ ایسا نہیں کرتے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو الزام سے بری کر دیا تھا۔ تاہم ان کی دولت بحق حکومت ضبط کر لی تھی۔ بعد میں جب زخم لگنے کے بعد حضرت عمرؓ نے وصیت فرمائی کرنے قائم کے انتخاب کے لئے چھ آدمیوں کی کونسل مقرر ہو تو اس میں حضرت سعدؓ کا بھی

نام لیا گیا۔ یہ بہر حال طے ہے کہ سعدؓ کی معزولی خیانت یا نااہلی کی بنا پر نہ تھی۔

حضرت عمرؓ ایک بات اپنی رعیت سے ہمیشہ کہتے رہتے تھے اور اسے بار بار کہنے کے باوجود نہ ٹھکتے تھے، وہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے حکام کو لوگوں کی کھالیں اھیٹنے یا ان پر ظلم کے لئے نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ اس لئے بھیجا تھا کہ وہ امت کو دین کے نظام اور اس کے ارفع مقاصد سے آشنا کریں۔ اور آنحضرتؐ کے طرز عمل کی ترویج اور اشاعت کرتے رہیں۔ ساتھ ہی غنیمت میں آئے ہوئے مال کو بھی لوگوں میں تقسیم کرتے رہیں۔ آپ نے اکثر اپنے عمال سے یہ فرمایا تھا کہ وہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں اس سے ان کی ذلت ہوتی ہے۔ انھیں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ مسلمان بکیدہ خاطر یا کمزور نہ ہونے پائیں، آپ جب بھی کسی اسلامی لشکر کے سپاہی سے ملتے تھے تو اس کے بارے میں اور فوج اور اس کے سرداروں کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔

آپ یہ بھی پسند کرتے تھے کہ کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد عرب، وہاں بہت دن قیام کریں اور اس طرح تمدنی زندگی میں ملوث اور صحرائی زندگی کی جھنجھٹوں سے محروم ہو جائیں۔

باب

مسلمانوں کی دو چھاؤنیاں کوفہ و بصرہ

اور

ملکی انتظام

حضرت عمرؓ نے بعض ان افراد کو دیکھنے کے بعد جن کے ذلیعہ مدائن فتح ہوا تھا محسوس کیا کہ ان کے چہروں کے رنگ اڑ چکے ہیں۔ اس تغیر رنگ کے بارے میں جب ان لوگوں سے پوچھا گیا تو ان لوگوں نے کہا اس کا سبب ایسی آفت ہوا اور غذا ہے جس کے ہم عادی نہ تھے، ہمارا واسطہ پڑنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو لکھا کہ عرب اسی ماحول میں خوش رہ سکتے ہیں جس میں ان کے اونٹ خوش رہتے ہیں۔ لہذا بہتر ہے کسی خشک ساحلی علاقہ کو منتخب کر کے انہیں وہیں بسا دیا جائے۔

سہاویات بیان کرتی ہیں کہ سعدؓ نے چند لوگوں کو اس بات پر مامور کیا کہ حضرت عمرؓ کے پیش نظر جس قسم کی جگہ جو جگہ تلاش کی جائے۔ چنانچہ تلاش کنندگان نے تلاش شروع کی اور زمین کے اس بڑے قطعہ کو تلاش کر لیا جس پر بعد میں کوفہ کا شہر بسایا گیا جس قسم کے احکامات سعدؓ کو موصول ہوئے تھے ویسے ہی عتبہ بن غزوہ ان کو بھی موصول ہوئے۔ ان ابن غزوہ نے بھی ایک قطعہ تلاش کیا جس پر بصرہ شہر آباد کیا گیا۔ ایرانی جنگوں میں جو مسلمان شریک ہوتے وہ انہیں دونوں شہروں میں قیام پذیر

ہوتے تھے۔ علاوہ بریں، شہر مسلمانوں کی چھاؤنیاں بھی بن گئے۔

ہر شکر اپنی اپنی چھاؤنی میں رہتا تھا۔ اور اسی چھاؤنی سے نکل نکل کے فوجی دستے دشمن سے جنگ آزما ہوتے تھے۔ لڑائی کے لئے نکلنے والے دستوں کا چھاؤنی سے باہر جانا ایک باضابطہ تنظیم کے ماتحت ہونا تھا۔ سپاہیوں کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ تعمیر کریں یعنی کسی موقع پر چھ مہینے سے لائد کی مدت کے لئے چھاؤنی سے غائب رہیں۔ حضرت عمرؓ نے انہی وجوہ کی بنا پر، ملکوں اور صوبوں کی تنظیم اور تشکیل اسی دور کی اصطلاح میں کی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنی مملکت کو مندرجہ ذیل بڑے صوبوں میں منقسم فرما دیا تھا۔

کوفہ ، بصرہ ، شام ، جزیرہ ، موصل ، مصر ، یمن ، بحرین اور مصر ہر (صوبہ) کا ایک والی یعنی گورنر ہوتا تھا۔ ہر صوبہ اضلاع میں تقسیم ہوتا تھا۔ انتظامی نقطہ نگاہ سے گورنر صوبہ اور صوبہ میں واقع اضلاع کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ اضلاع کے حکام گورنر کے حکم سے مقرر ہوتے تھے یا کبھی کبھی براہ راست حضرت عمرؓ کے حکم اور آپ کی ایما سے یہ تقرر عمل میں آتا تھا۔ حکام اضلاع اپنے اپنے دائرہ کار میں خود مختار تھے۔ یہی لوگ زمینوں کے مصل اور ذمیوں سے وصول کیا جانے والا جزیہ بھی مقرر کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جزیہ کا نظام اس انداز میں قائم کیا تھا کہ اسے ایک مکمل نظام کہا جاسکتا ہے۔ گورنر اور حکام اس نظام کی خلافت ورزی نہ کر سکتے تھے۔ ہر مالدار ذمی کے لئے سالانہ اڑتالیس درہم کی رقم دینی واجب تھی۔ متوسط طبقہ کے لئے یعنی ذمیوں کے متوسط طبقہ کے لئے چوبیس درہم اور ذمی ناداروں کے لئے بارہ درہم سالانہ کی رقم واجب الادا ہوتی تھی۔

حضرت عمرؓ یہ فرماتے تھے کہ ان لوگوں میں یعنی غیر مسلموں میں جو اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری میں آئے ذمی ہو جاتے تھے ہر شخص، خواہ وہ کتنا ہی نادار ہو ایک درہم ماہوار تو دے ہی سکتا ہے۔

میرا خیال ہے حضرت عمرؓ نے نہ راجی ٹیکسی کا نظام مفتوحہ ممالک میں ویسا ہی رہنے دیا جیسا کہ ایرانیوں اور رومیوں کے عہد میں تھا۔ ضلعی حکام یا داخلی علاقوں کے حکام

ان لگانوں اور ٹیکسوں کو وصول کر کے گورنروں کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ صوبوں کے گورنران رقوم سے عوام کے وظیفے اور سرکاری وسیعے دیا کرتے تھے اور امیر المومنین کی مقامی طور پر نیابت کرنے کے سلسلہ میں جو ضروری مصارف ہوتے انہیں عمل میں لاتے اور باقی رقوم غنیمت کے پانچویں حصے کے ساتھ ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ اور حضرت عمرؓ ان تمام رقوم کو یعنی صوبوں سے آئی ہوئی رقوم اور صدقات کی مد میں آئی ہوئی رقوم کو امت کی فلاح و بہبود کی خاطر صرف کر دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک میں یہی نظام جاری کیا۔ ہر گورنر کے ساتھ ساتھ آپ ایک متولی بیت المال (آج کل کی اصطلاح میں وزیر خزانہ) بھی روانہ فرماتے تھے۔ چنانچہ والی (گورنر) عوام کی دینی قیادت، ان میں ان کے سرکاری عطیات و وظائف کی تقسیم اور ان کے دوسرے بنیادی اور اہم معاملات کی نگہداشت کے ذمہ دار ہوتے تھے اور عامل حضرات خزانہ کا اہتمام و انصرام سنبھالتے تھے اور ضلعوں کے محصل قبول کرتے تھے۔ وصول کرتے تھے۔ یہ لوگ وایوں کو عطیات و وظائف کی مدد ذاتی مصارف کی مدد کے لئے رقوم دیتے تھے اس کے بعد جو رقم باقی بچتی تھی اسے برائے حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیتے تھے اور تمام مصارف کا حساب بھی بھیجتے تھے۔

یہ سب اس لئے کہ حضرت عمرؓ حکومت اور دولت سے متعلق جملہ امور سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور حکومت کی آمدنی اور اس کے مصارف کی جزئیات تک آپ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ آپ کی حکومت کے وزراء خزانہ اور صوبائی بیت المالوں کے اصناء اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ جمع شدہ رقوم کے صرف میں مکمل ترین احتیاط کریں۔ اور امیر المومنین کو کوڑی کوڑی کا حساب لے دیں۔

یہ حضرات شاید یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت عمرؓ میں تمام امور متعلقہ سے واقفیت بہم پہنچانے کی حیرت انگیز اور کرشمہ ریز اہلیت موجود ہے اور آپ وایوں سے مصارف اور آمدنی دونوں کا رتی رتی کا حساب لے لیں گے اپنی خلافت کے سال اول کو چھوڑ کے جس میں حج کی امارت حضرت عبد الوہاب بن عوف

کہ سونپی گئی تھی، آپ ہر سال حج فرمایا کرتے تھے۔ حج کے لئے نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپ والیوں کو کہلا بھیجتے تھے کہ اپنے اپنے صوبوں کے زائرین حج کی امیری اور زیارات سنبھالتے ہوئے حج کے لئے آئیں۔

یوں حضرت عمرؓ کے لئے ایک موقع فراہم ہوتا تھا کہ ایک طرف والیوں سے ملاقات کریں اور دوسری جانب رعیت کے وفود سے، چنانچہ والیوں سے آپ رعیت کے بارے میں پوچھتے تھے اور رعیت سے والیوں کے بارے میں!

والی جب اپنی رعیت پر ظلم و ستم ڈھاتے تھے تو حضرت عمرؓ دادی کرتے تھے اور والیوں کو تنبیہ کرتے تھے بلکہ ان سے ان مظالم کا قصاص و لو اتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس معاملہ میں آپ سے بحث تک کی لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا کرنا عین رسالت مآب کی تقلید ہے اور اس میں قطعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ والی بے شک رعیت کو تنبیہ کریں لیکن انھیں ظلم کا کوئی حق نہیں حاصل۔

آپ اکثر رعیت کے لوگوں — یعنی عوام سے کہا کرتے تھے —
 ”کوئی بھی حاکم ہو اگر وہ کسی شخص کو تکلیف پہنچائے تو وہ مجھ سے شکایت کرے۔
 میں اس کی پاداش میں اس حاکم کے سربراہ والی کی فہاشش کر دوں گا“

یوں، ایک عرب شخصیت کے ذریعہ، جسے مکمل طور پر یا معمولی طور پر بھی بدسی تمدنوں کا کوئی علم نہ تھا ایک ایسی حکومت قائم کر دی گئی جس سے ایک طرف عوام کے تمام کے تمام مطالبات پورے ہو رہے تھے دوسری طرف لوگوں کے لئے عدل و انصاف کی ضمانت بھی ہو رہی تھی اور اسلامی اصولوں اور بدسی طرز ہائے حکومت کی روشنی میں ان کی بنیاد پر رہی تھی۔ لیکن اسلامی اصولوں سے ذرہ برابر انحراف بھی نہیں ہو رہا تھا اور نہ عوام کے مفاد کو نقصان پہنچ رہا تھا۔

حضرت عمرؓ کی زبردست خواہش تھی کہ غیر مسلموں کے حقوق کسی حال پامال نہ کئے جائیں اور ان سے جزیئہ ما اور خراج کی رسوم انصاف کے ساتھ، یعنی ذرا بھی ان پر زیادتی کئے بغیر، وصول کی جائیں۔

والیوں کے مستقل طور پر یہ جتلیا جاتا تھا کہ انھیں ذمیوں کے باب میں بہت عطا رہنا پڑے گا اور انھیں ان کے ساتھ انصاف کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھنا چاہیے۔ اس لئے کہ ان غیر مسلموں کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسولؐ پر عائد ہوتی ہے۔

سلام دراصل غیر مسلموں سے اس بات کا معاہدہ کرتا ہے کہ وہ انھیں ان کا جائز حق دلائے گا۔ ان سے انصاف کرے گا اور ان کی ہر قسم کی حفاظت کرے گا۔

سورۃ نحل کی آیت ۹۱ میں :-

”اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایفائے عہد کا حکم دیتا ہے۔

چنانچہ غیر مسلموں کی حفاظت کا عہد بھی ایک اسم عہد ہے جسے پورا ہونا چاہیئے“

آیت کا مطلب اور مفہوم

عہد کرنے کے بعد اپنے عہد اور وعدے پورے کرو اور ایک بار جب قرار دیا جائے کہ اس پیمانہ بندھ لیا جائے اور اس پیمانہ بندگی میں اللہ تعالیٰ کو کفیل بنایا جائے تو اسے ہرگز نہیں شکست کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ امت مام انسانی افعال سے باخبر ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت میں بسنے والے غیر مسلموں کا اس عالم میں بھی ذکر کیا جب آپ پیغام مرگ سن رہے تھے اور آپ کے لئے بزم جہاں سے رخصت ہونے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

حضرت عمرؓ نے والیوں کے لئے صرف یہی ضروری سمجھا تھا کہ وہ اپنے اپنے صوبوں میں عدل قائم کریں۔ آپ نے یہ بھی ضروری سمجھا تھا کہ ان والیوں کے صوبوں میں اہل قضا بھی جائیں اور خداوندی احکامات نافذ کریں۔

” آپ چاہتے تھے کہ عدلیسہ مطلقاً آزاد ہو۔“
 اور بجز کتاب کے کسی چیز سے بھی متاثر نہ ہو۔ قضاۃ (جمع قاضی یعنی جج) کو
 یہ حکم تھا کہ انصاف قائم کرنے کے سلسلہ میں سب سے پہلے کتاب و سنت
 کی طرف رجوع کریں اور اگر متعلقہ اور زیر غور مسئلہ میں کوئی قرآنی حکم صراحت سے
 نہ موجود ہو تو عدل و انصاف تک پہنچنے کے لئے خود اجتہاد کریں۔
 جوں کو حکم تھا کہ کسی صورت میں بھی گورنروں کی ماتحتی اور زیر دستی تسلیم نہ
 کریں۔ قاضی مقرر ہو جانے کے بعد ہر ایک شخص محض کتاب و سنت کا پابند
 ہوتا تھا۔



www.jmmpa

باب

سُرخ آنڈھیوں کا سال

سالہ کے اواخر میں جس وقت کہ لوگ تازہ تازہ حج سے واپس آئے تھے سُرخ آنڈھیوں کا سال آگیا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ حجاجنا، تھامنا اور نجبل شدید خشک سالی کی لپیٹ میں آئے۔ بارشیں جیسے روٹھ کے کہیں چلی گئی اور زندگی مطلقاً دھنڈار ہو گئی یہ خوفناک اور تباہ کن سلسلہ نہ ماہ کی مدت تک جاری رہا۔ زمین کالی پر گئی۔ اس سال کو سُرخ آنڈھیوں کا سال کہتے ہیں۔

اس شدید آزمائش میں جس میں اُمت مبتلا ہوئی تھی حضرت عمرؓ کی شخصیت بہت نمایاں طور پر ابھر آئی تھی۔ اس محرکہ میں حضرت عمرؓ کا عزم بھی ظاہر ہوا اور ایک خاص انداز میں حضرت عمرؓ کی اس صفت کا ظہور ہوا جسے ناسازگار اور مخالف اور کرشکن حالات سے پورے عزم اور صبر کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی صفت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس نازک موقع پر فاروق عادلؓ نے ملت کی پوری پوری پاس واری فرمائی اور رات دن غیر معمولی تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مشغول اور کوشاں رہے، تاآنکہ قوم نے از سر نو آسودگی اور فراغت حاصل کی حضرت عمرؓ تمام دن مہنگ رہتے تھے۔ پھر کافی دیر سے عشاء کی نماز ادا کرتے پھر گھر جاتے اور مزید عبادت کرتے تھے اور محض تھوڑی دیر سونے کے بعد پھر جاگ

اٹھتے تھے۔ جب آپ بیدار ہوتے تو ابھی رات باقی رہتی تھی اس کے بعد آپ کا معمول تھا کہ گھر سے باہر آجاتے تھے اور مختلف راہوں سے گزرنے کے بعد مدینہ کے اطراف میں پہنچ جاتے تھے اور وہاں ان بادہ نشینوں اور صحرا افروزدوں کو دیکھتے سمجھتے تھے جو محض بھوک سے تنگ آکے اور محض روفی کی خاطر مدینہ کے اطراف میں آکے پڑ رہے تھے۔ پناہ گزیں ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ ان آفت کے ماروں کے گھروں میں رات کے پھلے سرگشت لگاتے تھے جس گھر میں بھی آپ لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا پاتے، مثلاً اگر آپ یہ دیکھتے کہ کچھ لوگ پیاسے ہیں یا بھوکے ہیں تو فوراً اس کا تدارک فرماتے،

اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمرؓ اپنے غلام کے ساتھ ساتھ آٹا اور زیتون کا روغن جس کے ساتھ بادہ نشین عرب وٹی کھاتے ہیں اس لئے پھیری اس لگاتے رہتے تھے۔ ادھر آپ نے کسی کو بھوک سے بے گل پایا اور ادھر آپ نے فوری طور پر اس کا تدارک کر دیا۔ کبھی کبھی تو آپ خود ہی کھانا پکادیتے تھے اس مشقت طلب کام کے بعد آپ پھر گھروں آتے تھے اور صبح کی نماز گھر آکے ادا کرتے تھے۔

خشک سالی جب بہت شدید ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے گزروں کو کھد بھیجا کہ اولین فرصت میں فلاکت زدوں کے لئے رکھیں اور غذائی مواد کا انتظام کریں۔
 مراد یوں نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ والی مصر کو مندرجہ ذیل خط لکھا تھا :-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - عمر - امیر المؤمنین کی جانب سے۔

عاصی ابن عاصی (عاصی یعنی گنہگار) کے نام :-

۱۰ کیا تم مجھے اہل یہاں کے سب لوگوں کو ہلاک ہوتے دیکھتے رہو گے اور

خود تم اور اہل مصر مرنے سے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ والی مصر! مدد۔ مدد۔

مدد!

مروایت کی رو سے عمرو بن العاصؓ نے مہلت طلب کی اور یقین دلایا کہ

جلد از جلد ایک ایسے کارواں کے ساتھ مل دے اور ان کریں گے جس کا پہلا اونٹ مصر اور دوسرا مدینہ میں ہو گا۔

مگر اس سلسلہ میں بعض راویوں کا خیال ہے کہ خشک سالی کے سال تک مصر فتح ہی نہ ہوا تھا۔ ان حضرات کے قول کے مطابق مصر سلسلہ میں فتح ہوا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ کے عمرو بن العاصؓ کو لکھنے یا ان کے مدینہ میں مدد بھیجنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا۔ مگر ابن سعدؓ بار بار حضرت عمرؓ کے عمرو بن العاصؓ کو لکھنے اور وہاں سے مدد آنے کی روایت دہراتے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں ا۔

”عمرو بن الخطابؓ پہلے شخص ہیں جن کے دَر میں غذائی سامان بھری آستے سے آیا۔ یعنی مصر سے بھر قلعہ م کے راستے آیا۔

ایک بات جو یقینی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے گورنروں نے ان کے پاس کافی مقدار میں غذائی سامان روانہ کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے چند لوگ اس بات پر مامور کر رکھے تھے کہ وہ پہلے اس سامان کو جمل کے اپنی تحویل میں لیں اور پھر اسے لیکر بادہ نشینوں کے علاقوں میں جائیں، ان کے لئے اونٹ ذبح کریں۔ انہیں آٹا دیں اور پھینے کے لئے کپڑے دیں اور ہر قبیلہ کو اس کی ضروریات کے مطابق ضروری چیزیں فراہم کر دیں۔ ان لوگوں کو یہ حکم تھا کہ ایک متحرک اور ستیا رمد دی پارٹی کی طرح راستہ میں سبھی حاجت مندوں کی حاجت براری کرتے جائیں۔ یعنی بھوکوں کو غذا بانٹتے ہوئے اور ننگوں کو کپڑا تقسیم کرتے ہوئے۔ حضرت عمرؓ ہر روز بعیر میں ذبح کراتے اور پھر اعلان کر دیتے تھے سبھی کھانا میسر نہ آ رہا ہو وہ آج لئے۔ حاجت مندوں کے لئے صلہ لئے عام تھی۔ اور کھانا کیا تھا گوشت اور اس میں بھیگی ہوئی روٹیاں یعنی شریب۔

امیر المؤمنین کے پاس کچھ آدمی اس لئے مامور تھے کہ گوشت کو بنائیں اور کائیں اور کچھ اسے بعد میں بھونتے اور پکانے پر مامور تھے۔ اس کے بعد گوشت میں روٹی بھگو دی جاتی اور اس پر زیتن کا روغن ڈال دیا جاتا تھا۔ یہ تھی امیر المؤمنین کی دعوتِ شہداء

بھی، شش سالی کے دور میں ہزاروں نے قبول کیا تھا۔ کھانے کے بعد لوگ بھری بچوں کے لئے بھی سامان غذا اے جلتے تھے۔

حضرت عمرؓ کسی حال تیار نہ ہوتے تھے کہ اپنی ذات کو کس معاملہ میں بھی دوسروں پر ترجیح دیں۔ چنانچہ مخصوص غذا تو درکنار آپ عام لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے یعنی وہی نان خشک اور دخن زیتون! پھر وہ در بھی آیا جب روشن صفت عمرؓ نے اپنے اوپر ساری لذتیں حرام کر لی تھیں گوشت، گھی اور دودھ، سب حرام کر لی تھیں۔

دخن زیتون کھاتے کھاتے حضرت عمرؓ اس کی گرم تاثیر کا شکار ہو گئے، اپنے غلام سے کہہ کر بعد میں آپ نے اس تیل کو آگ پر گرم کروانا اور پکوانا شروع کر دیا تاکہ اس کی جدت اور حرارت میں کمی واقع ہو جائے۔ مگر تیل نے پیکنے کے بعد اور بھی گل کھلائے امیر المؤمنین کے لئے یہ تیل مردوڑ اور نفع لے کے آیا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فاروق عادلؓ کا شکم مبارک جب بولنے لگا تو آپ اپنا ہاتھ پیٹ پر مارتے اور فرماتے :-

”اے شکم! تیری فراہم نہیں سنی جائے گی۔ اور کھانے کو تجھے بھی تسلیل بلتا ہے گا۔ البتہ جب امت کو زندگی کی آسائشیں میسر ہو جائیں گی تو دیکھا جائے گا!“

کبھی کبھی تو حضرت عمرؓ خود اپنے شکم پر ہاتھ مار کے یہ کہتے ہوئے سنے گئے :-

”تجھے اسی روٹی سوکھی غذا کا اس وقت تک عادی رہنا پڑے گا جب تک لوگ از میر نو زندگی کی افراط عیش حاصل نہ کر لیں گے۔“

اپنے گھر کے ارکان اور کنبہ کے افراد پر اس پوری مدت میں آپ نے حد درجہ سخت گیری فرمائی کہ عام حالات میں بھی یہ سخت گیری جاری رہتی تھی لیکن اس دور میں تو، اس تصور سے کہ لوگ بعد کے ہیں کھانے پینے اور پہننے کے معاملہ میں آپ اہل وعیال کی ذرا پروا نہ کرتے تھے۔ عام لوگ جس مصیبت میں مبتلا تھے اس سے آپ گہرے رنج و غم میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس حد تک کہ آپ کے دوست آپ کا یہ عالم دیکھنے کے سوچنے لگے تھے کہ کہیں یہ دل سوزی اور جاں کاہی آپ کے لئے جان لیوا ثابت نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کا رنگ جو اب تک سرخ سفید تقاسیہا پر چکا تھا اور چہرہ پر جو سیاہی دوڑ گئی تھی کثرت سے تھیل کھانے اور بھوکے بہنے کا نتیجہ تھی۔

حضرت عمرؓ اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے رہتے تھے کہ امت محمدیؐ کم از کم ان کے امیر المؤمنین ہوتے ہوئے تباہ و برباد نہ ہو۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن آپؐ نے مسجد میں تقریر شروع کی اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ وہ اپنے اعمال کی بنیاد خوفِ الہی کو بنا لیں اور سب سے پہلے اپنے دلوں کی آلودگیاں ختم کریں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ یعنی یہ قحط اور یہ خشک سالی کی تباہ کاریوں کا سلسلہ یہ سب ربِ دو عالم کا غضب ہے البتہ انہیں یہ نہیں معلوم کہ اس میں خاص ان کی ذات معنوب ہے یا امت محمدیؐ کے افراد ہیں کہ غضب کا شکار ہیں۔ یہی خیالات تھے جن کے پیش نظر آپؐ عام لوگوں سے بار بار اس بات کی اپیل کرتے تھے کہ وہ اپنے گناہوں اور خطاؤں سے تائب ہوتے رہیں اور پاکبازانہ زندگی کی طرف مستقل گامزن ہوتے رہیں۔

ابن سعدؒ کا قول ہے کہ حضرت عمرؓ نے نماز استسقاء ادا کی لیکن یہاں ابن سعد اور دوسرے محدثین در چیزوں میں غلط بحث کر دیتے ہیں!

پہلی بات تو یہ ہے اور میں نہیں کہہ سکتا یہ بات کس حد تک صحیح ہو سکتی ہے، کہ مدینہ میں کسی شخص نے اپنی ایک بکری ذبح کر ڈالی۔ اس بکری کو ذبح کرنے پر اس شخص کے لوگوں نے بھوک سے تنگ آ کر اصرار کیا تھا۔ بکری تو ذبح ہوئی لیکن ذبح ہونے پر اس میں سوائے ہڈیوں کے کچھ بھی نہ نکلا۔ اس شخص نے یہ دیکھ کر آغوشِ گریہ کے نام نائی کو پکار کر فریاد کی چہند دن بعد اس شخص نے رسالتِ مآب کو خواب میں دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ آنحضرتؐ اس سے فرما رہے ہیں کہ عمرؓ سے میرا سلام کہو اور کہو الکیس الکیس یعنی کبیر زار، (دوسروں کی قیامت) صبح ہونے پر اس شخص نے یہی کیا۔ یعنی حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور یہ خواب بیان کیا۔

ابن سعد نے اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ خواب سننے کے بعد حضرت عمرؓ کا پتہ ہونے باہر نکل آئے اور کچھ بیان کرنے کی غرض سے آ کے منبر پر تشریف فرما ہو گئے لوگ بھی جمع ہو گئے حضرت عمرؓ نے صبح سے پرچنا شروع کر دیا تھا کہ آیا ان کے طرز عمل میں کوئی گناہ

کوئی بات قابل گرفت نظر آئی ہے؟ لوگوں نے ہم آغاز ہر کے کہا۔۔۔ "نہیں" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہیں ایک شخص نے ایک عجیب قسم کا خواب سنایا ہے اور بظاہر وہ خوب نہیں ہے، لیکن عجیب ہی ہے میں ایک شخص جسے جمل اٹھاناب کی قبیح صفت ہے، یہ حضرت حکمؓ سے کہتا ہے کہ نماز استسقاء ادا کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے طلب آپ کی دعا کی جائے چنانچہ ایک خاص دن مقرر ہوا جس دن حضرت عمرؓ نے مدینہ میں اور عمال حکومت نے مملکت کے دوسرے حصوں میں نماز استسقاء ادا کی۔ اس دن کے بارے میں عمال کو پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دن استسقاء کی نماز ادا کرنے کی غایت سے نکلے تمام لوگوں نے بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ گود گڑا گڑا گڑا کے دعا مانگی کہ خشک سالی کا دوسرا ستم نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ سے نبی کے چچا کے وسیلے سے خشک سالی کی ہولناکی مہیبت سے نجات چاہی۔ روایت کی رو سے ایسا کرتے وقت عالم یہ تھا کہ حضرت عمرؓ اور پوری قوم زار و قطار رو رہے تھے تمام راہیوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ چند ہی دنوں کے بعد جمل قتل ایک ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو کسی کے خواب میں دیکھنے والی روایت کے بارے میں تو میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس حد تک درست اور صحیح ہے البتہ عباس بن عبد المطلب کے توسل کا قصہ میری رائے میں مطلقاً افتراء و کذب ہے ظاہراً اس روایت کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد عباسیہ کے حکمرانوں کو خوش کیا جائے۔ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں نہ تھے کہ اللہ تک رسالت کرنے کے بلکے اس سہارا کسی کی سفارش طلب کرتے۔ ایک بات قطعی اور تحقیق کے محکم آتشین پر پوری اتری ہوئی ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے طلب آب کی نماز ادا کی تھی۔ اور اس نماز کی ادائیگی کے بعد وہ کسی کو خوش نہ کیا اور اللہ کے حکم سے بارشیں آگئیں تھیں اور جمل قتل ایک ہو گئے تھے۔ حضرت عمرؓ جب مدینہ میں آئے تو بارشیں نے قحط پر غلبہ پالیا ہے اور لوگ میرا بچہ چھوئے ہیں تو آپ نے اب ان بادیشینوں اور دشت و جبل کے مکینوں کو جو مدینہ کے اطراف میں آگئے تھے ان کے اپنے اپنے مقاموں پر روانہ کرنا شروع کر دیا لیکن ان لوگوں کو کہہنا وہ گویں تھے۔ ہمارے میں آپ پوری پوری احتیاط برت رہے تھے۔

خشک سالی کے ان قہر انگیز اور ہلاکت خیز ہینڈل میں حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے

بھی مدینہ سے آدی ارسال نہیں کئے۔ دوسرے سال حضرت عمرؓ نے اپنے محصل رواد کئے، یہ انہیں ہدایت دی گئی تھی کہ اس سال دگنا محصول لیں لیکن آدھا دیں قیدلہ کے ناداروں میں بانٹ آئیں۔ آدھا اہل بیت واپس لے آئیں۔ ان واقعات سے حضرت عمرؓ کا ایک باطل صحیح تصور ذہنوں میں قائم ہو جاتا ہے۔ ان واقعات سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو امت کے گونا گوں مسائل، ان کے حل کا۔ ان کے لئے ہر جہت سعی کرنے کا کس درجہ خیال تھا۔ ان واقعات سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی ذات گامی اور جان کو قرقر کس قدر ایشا رکھتے تھے۔ کچھ یہ بھی نہیں کہ خدا انخواستہ آپ تکلیف سے ہمہ سول ادبہ ایشا بر بنائے مجبوری تھا۔ یہ ایشا اس جذبہ عالیہ کے ماتحت تھا کہ آپ یہ نہیں پسند فرماتے تھے کہ لوگ تو بھوکوں مرتے رہیں۔ ہلاکت کا شکار رہیں مصیبت میں گرفتار رہیں اور امیر المؤمنین اہل ان کے مدینہ کے رفقا فریاضت میں بسر کریں!

اس مرد افگن دور میں حضرت عمرؓ ایک بات بار بار فرمایا کرتے تھے اور ان کے سہل سے عدل و مساوات اور انسانوں کی مطلق برابری پر ان کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: پہلے تو ہم اس بات کی کوشش کریں گے کہ بیت المال کے غذائی ذخیروں سے قوم کو کھلائیں۔ اگر ہم اس میں ناکام رہے تو ہم ہر گز میرے اس گھر کے افراد کی تعداد کے برابر لوگوں کو کھلانے کی ذمہ داری ڈال دیں گے۔ یعنی گویا ہر آدمی اور مشرف سے کو اپنے کھانے میں ایک اور آدمی کو شریک کرنا پڑے گا۔ اس طرح ہر شخص کو آدھا پیٹ ملے گا اور آدھا پیٹ کھا کے مر کوئی بھی نہیں سکتا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ یہ چاہتے تھے کہ جس وقت حکومت کے غذائی ذخائر جواب دے جائیں تو مدینہ اور دوسرے شہروں کے امداد اپنے اور ناداروں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری قبول کریں تاکہ یہ نہ ہو کہ آسمان کے نیچے ایک طبقہ آسودہ حال سمئے اور دوسرا بھوک سے مرجائے۔ اسلام کی پوری اور تابناک تاریخ میں ایک غلیظ یا ایک بادشاہ بھی ایسا نہیں ہوا جس نے اس عظیم کردار کا یا اس سے ملے جلتے کردار کا جس کا ثبوت حضرت عمرؓ نے پیش کیا، مظاہرہ کیا ہو۔ بلکہ میرے خیال میں تو قدیم اور جدید دونوں ادوار میں پوری انسانی اور عالمی تاریخ کا کوئی نمونہ یا ناچار اپنے معاصر ہم مذہبوں اور غیر ہم مذہبوں سے اس رواداری و فیاضی حسن سلوک اور انسانیت کا ثبوت نہیں دے سکا۔

باب

دانشمندانہ وقت اور امامت کی جھلکیاں

اپنی خلافت کے دور میں حضرت عمرؓ نے امامت کے زیادہ سی سال ہی کی جانب توجہ نہ کی تھی بلکہ ان کے دینی امور کی طرف بھی پوری توجہ کا ثبوت بہم پہنچا رہے تھے چنانچہ مدینہ میں آپ مسلمانوں کو دینِ مبین کے مختلف مسائل سے واقف بھی کراتے رہتے تھے۔ ہر روز آپ جھیلے وقت گھر سے باہر آجاتے اور منبر پر بغرض تقریر بیٹھ جاتے۔ آپ کی ان حکیمانہ مجلس آرائیوں کی بات دھرد نزدیک ہر جگہ پھیل جاتی اور روز دین بماننے اور عقل و حکمت کے موتی لوٹنے کی غرض سے لوگ حقوقِ مدہوق پہنچ جاتے تھے۔ آجکل کی اصطلاح میں حضرت عمرؓ ایک عملی انسان تھے چنانچہ اپنی ان گہر ریز اور آتشیں تقریروں کے ذریعہ آپ محض دینی مسائل ہی نہ بیان کرتے تھے۔ دراصل آپ یہ سی کرتے تھے کہ دین و دنیا کے ہر سنگامہ خیز مسائل میں تطبیق قائم کی جائے اور عوام لوگ یہ سمجھ سکیں کہ اپنی مذہب و زندگی کو کس طرح الہی احکامات اور خداوندی فرامین کا منظر بنا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ ان مجلسوں میں مفسرِ قرآن کی حیثیت سے قرآنی آیات کا مفہوم اس طرح واضح کر کے رکھ دیتے تھے کہ وہ لوگوں کی عملی زندگی سے تطابق پیدا کر سکیں، اسی تقریر ہی کے دوران فاروقِ اعظمؓ امامت کے افراد کو قرآن و سنت کی روشنی میں ہدایت اور ادب اور معرفت نفس اور قول و عمل اور گفتار و کردار میں اللہ کی رضا جوئی کی راہِ رشد دکھاتے تھے۔ عمری ادب گاہ دین و دانش کا دیستان برتی تھی۔

صوبوں میں آپ چیدہ چیدہ لوگوں کو امیر شریعت بنا کے بھیجتے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو روحانی اور فکری طور پر تندرست رکھنے کی خاطر ان کے لئے باجماعت نمازوں کی تنظیم کریں انہیں شریعت حقہ کے اصول سمجھائیں، ان میں عدل و مساوات کی روح جو جانِ سلامت ہے، نافذ کریں اور ان میں رہ کر ایسے کدوار کا ثبوت دیں جو مکمل طور پر سلام کی محترم تعلیم کا عکس ہو۔ کبھی کبھی ان امیران شریعت کے ساتھ ساتھ اصحاب رسولؐ بھی بھیجے جلتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ یہ امت کو دین کے اسرار سمجھائیں اور کتاب اللہ سے اس کا تعلق مستقل طور پر برقرار رکھیں اور اس کے اخلاق سدا جاریں۔ حضرت عمرؓ نے اس پر بس نہ کیا تھا آپ نے دین کے جملہ امور کو مکمل طور کا مستحق سمجھا تھا تمام جزئیات دین پر آپ کی نظر فائزادہ پڑتی تھی نہ کہ طائرانہ، یکیمانہ پڑتی تھی نہ کہ طیرانہ۔ یہی سبب تھا کہ آپ بعض ایسی دینی پابندیوں کے موجب ثابت ہوئے جو اپنی موجودہ شکل میں آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کے اظہار میں نہ تھیں۔

مثلاً عشاء کی نماز کے بعد، رمضان میں صلوة تراویح کی سنت آپ ہی کے زمانہ سے رائج ہوئی اور یہ پابندی محض مردوں ہی کے لئے نہ تھی، عورتوں کے لئے بھی تھی۔ مردوں کے لئے ایک مرد قاری ہوتا تھا جو ان کے لئے تراویح میں قرآن پڑھتا تھا اور عورتوں کے لئے ایک ایک عورت قاری ہوتی تھی۔ یہ رواج آپ کے زمانہ میں تمام عالم اسلام پر مسلط ہو گیا۔ آپ نے احکامات صادر کئے کہ پوری امت اس طریق کو قبول کرے۔

شراب خماروں اور بادہ آشاموں کو حضرت عمرؓ نے کڑی سزا میں دیں۔ آپ سے پہلے شراب خمر کی شرعی سزا مقرر ہوئی تھی۔ جہاں تک نص قرآنی کا تعلق ہے شراب بے شک حرام ہے لیکن شراب پینے کی سزا متعین نہیں۔ صرف یہ ہے کہ اللہ کے ادا مرد لوہا ہی کی پروانہ کرنے والوں کو قیامت میں جو عذاب ملے گا انہیں ہی میں میوزار اور بادہ گسار بھی شامل ہوں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرتؐ کے کسی بھی فعل میں ادنیٰ سا بھی اضافہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ مسلمان عدد و نزدیک پہنچ رہے ہیں۔ اقلیم و کشور فتح کر رہے ہیں ممکن ہے مرکز سے یہ دعویٰ اور یہ لہجہ انہیں ادا مرد لوہا ہی کے باب میں تغافل شعار بنا دے تغلیل میں اجتہاد کا رنگ بھریا اور خالص اسلام کی خاطر کچھ نیسی منتیں رائج کریں۔

مدینہ میں جس وقت عمرؓ عادل و ذرف میں نے دولت کی بہتات دیکھی تو آپ کو یہ خوف لاحق ہونے لگا کہ کہیں اس کثرت مال و دماغ کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ لوگ اپنی بد فطرت کی جانب مائل ہو جائیں اور ایام جاہلیت کی بزم نوشا نوشی پھر سے آراستہ ہو جائے۔ چنانچہ اس خیال کے پیش نظر آپ نے اس معاملہ پر سخت کڑی نگاہ ڈالی اور مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ شراب پینے والے کے لئے کیا سزا رکھنی چاہیے۔

مشرکین نے بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا مشورہ یہ تھا کہ چونکہ جب ایک آدمی شراب پی لیتا ہے تو وہ مدہوش ہو جاتا ہے اور عالم مدہوشی میں وہ بے تکلف لوگوں پر تہمت دہستان لگا سکتا ہے اس لئے علماء شراب خورد بہتان تراشی کے مساوی مجرم ہوا۔ لہذا اس کی سزا بھی وہی اسی کوڑے، یعنی بہتان لگانے والے کی سزا کے برابر ہونی چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی یہ صاحب رائے قبول کر لی اور پہلے اسے مدینہ میں عملی طور پر نافذ کیا پھر اپنے گورنروں کو لکھ بھیجا کہ شراب خوردوں کو اس سزا دی جائے۔

روایات حاکی ہیں کہ چند مسلمان جو شام کی فتح میں شریک تھے اور دمشق میں اس لشکر کے ساتھ داخل ہوئے تھے، جن میں خود حضرت ابو عبیدہؓ تھے، دمشق کی زبردست انجمن از جمیل زندگی سے متاثر ہو گئے اور شراب سے شوق کرنا لیا! حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو واقعہ کی اطلاع لے دی۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر کیا کہ شادین خمسا سے مسجد میں سب کے سامنے پوچھا جاوے کہ وہ شراب کو حلال سمجھتے ہیں یا حرام۔ اگر وہ اسے (شراب کو) حلال بتادیں تو ان کی گردنیں مار دی جائیں اور اگر حرام بتائیں تو بھی ان پر حد شرع جاری کی جائے یعنی ان میں سے ہر ایک کو ساسی اسی کوڑے مارے جائیں۔ میخواسی کی یہ شرعی سزا چھپ کر یا خفیہ نہیں دی جاتی تھی بلکہ دوسروں کی عبرت کے لئے کھلے بندوں دی جاتی تھی۔

بہر حال حضرت ابو عبیدہؓ نے ان لوگوں سے عمری ہدایت کے مطابق سوال کیا کہ وہ شراب کو حلال جانتے ہیں یا حرام؟ ان لوگوں نے جواب دیا: "حرام" بس پھر کیا تھا تمام مسلمانوں کے لئے یہ شرعی حد جبری کی گنتی یعنی ان میں سے ایک ایک کو اسی اسی کوڑے مارے گئے۔ اتفاق سے ان شراب پینے والوں میں قریش کے ایک معزز شخص بھی تھے جنہوں نے دین کی خاطر سختیاں

سہی تھیں اور فتح مکہ سے پہلے پہلے اسام قبول کیا تھا۔ ان کا نام ابو جندل بن زبیل بن عمرو تھا۔

ابو جندل پر جب شراب خوری کی علت میں حد جاری کی گئی تو ان پر اس دہرہ ندامت اور نجات کے جنہات طاری ہوئے کہ وہ گھر بیٹھ رہے۔ لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا۔ ابو جندل نے ان کے بارے میں حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجا اور ان سے گزارش کی کہ ابو جندل کو دو دفعہ لکھ بھیجیں تاکہ ایک طرف واقعہ حد شرعی پر ان کے اُسوہ لہجھے جا سکیں اور دوسری جانب ان کے لئے اُمید کے بند کوڑا از سر نو کھل جائیں۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابو جندل کو ابو عبیدہؓ کی درخواست کے مطابق ایک خط لکھا جس اور اس میں ایک طرف ان کی اشک ثوبی کی دوسری جانب انہیں مایوسی اور ناامیدی سے مدہننے کا مشورہ دیا۔ اس تحریر میں سورہ زہر کی آیت ۵۳ کو زیب عنوان بنایا گیا تھا۔ آیت کا مفہوم یہ ہے۔

”آپ فرما دیجئے اے رسولِ معظمؐ کہ ان اصحاب کے لئے جن سے کچھ زیادتیاں سرزد ہو گئی ہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی رحمت انہیں از سر نو اپنے دامن میں لے سکتی ہے وہ تمام کے تمام گناہوں کو بخش سکتا ہے وہ تو حد درجہ کرم گستر اور نڈہ نواز ہے۔“

اس دل نشیں حکیمانہ نامے کو پڑھنے کے بعد ابو جندل کا ابر غم چھٹ گیا اور وہ حسب معمول امت کے دوسرے افراد سے ملنے جلنے لگے۔

حضرت عمرؓ کے بیٹے عبدالرحمن الاوسط ابی نعمہ کا واقعہ معروف و مشہور ہے۔ اس واقعہ سے اس بات کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ یہ جو حضرت عمرؓ کے باب میں کہا جاتا رہا ہے کہ وہ خدا کے معاملہ میں کسی بھی بدنامی کی ادنیٰ اسی پر راہ نہ نکرتے تھے یہ حرف بجزرف صحیح ہے۔

ہلوا واقعہ یہ ہے کہ یہ لڑکا مصر میں تھا وہاں اس نے کسی دست کے ساتھ بیٹھ کر شراب پنی لڑکوں نے شراب تو پی لی لیکن بھڑ میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا چنانچہ دونوں والی کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ پسند نہ کیا کہ امیر المؤمنینؓ کے بیٹے پر برسوا حد جاری کی جائے چنانچہ حد تو جاری کی گئی مگر گورنر کے مکان کے صحن میں؛ یہ خبر حضرت عمرؓ تک پہنچ گئی اور داخلی علاقوں کی کون سی بات تھی جو گوش حق نبیوش عمرؓ تک نہ پہنچ رہی تھی؟ حضرت عمرؓ نے عمرو

بن العاصؓ کو اس بات پر کہ انہوں نے امیر المؤمنینؓ کے بیٹے سے خصوصی برتاؤ کیا، شدید تنبیہ اور فہمائش کا خط لکھ بھیجا۔ اس خط میں محض تنبیہ ہی پر اکتفا نہ کی گئی تھی اس میں یہ حکم بھی درج تھا کہ امیر المؤمنینؓ کے بیٹے کو ایک ننگے اذنٹ کی پشت پر سوار کرا کے مدینہ روانہ کر دیا جائے تاکہ اس بڑکے کے لئے سفر اذی و دشوار ہو جائے۔ عمرو بن العاصؓ نے امیر المؤمنینؓ کے احکامات کی پیروی کی لیکن ساتھ ہی لکھ بھیجا کہ انہیں بے حد افسوس ہے کہ غلط فہمی ہوئی اور ان کے بیٹے کو جو سزا دی گئی تھی اس میں کوئی رعایت نہیں برتی گئی۔ تمام سزائیں یوں ہی والہ کے صحن میں دی جاتی ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ جھلاکب کسی کی ملنے والے تھے والی کے عذر کو بالکل قبول نہ کیا اور اب بڑکے کا انتظار کرنے لگے جس وقت یہ لوجان مدینہ پہنچا تو بالکل بیمار اور شکستہ سا تھا۔ سفر معدد روز نے اس کی یوں ہی گت بنا دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس بڑکے کی بیماری کی پر راہ کی اور نہ رنج سفر کی۔ اسے دیکھتے ہی تمام مسلمانوں کے روبرو اس پر حد جاری کرنی شروع کر دی۔ یعنی اسے کوڑوں کی انٹی ضربیں مارنے کے ارادے سے کوٹھے لگانے شروع کر دیے۔ بیٹے نے باپ سے فریاد بھی کی لیکن فاروقؓ نے عادلانہ ذرا بھی ملتفت نہ ہوئے اور جب بڑکے نے یہ کہہ دیا کہ تم میرے قاتل ہو تو اس پر بھی حضرت عمرؓ متاثر نہ ہوئے اور بھر پور ضربیں مارنے کا عمل جاری رکھا۔

عدایت ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے بیٹے کو بالکل ہی موت کے دہانہ پر دیکھا تو اس سے صرف اتنا کہا۔

”رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہو تو کہنا کہ تمہارا باپ ان کی لائی ہوئی شریعت کے نفاذ کے لئے حدیں جاری کرتا ہے“

یہ لڑکا مر گیا۔ مگر کیا باپ نے اس موت پر کسی قسم کے رنج و غم کا اظہار کیا؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے محض شراب پینے کے جرم میں شرعی حدیں نہیں نافذ کی تھیں بلکہ شراب فرشتوں کو بھی آپ انتہائی کڑی سزائیں دیتے تھے۔ ایک بار تو آپ نے رشید تقی نامی شخص کا اس علت میں مکان ہی جلوا دیا اور اسے شہر بید کر دیا۔ یہ شخص پہلے تو خیر صراحتاً گیا پھر وہاں سے دیار روم میں پہنچ گیا جہاں اس نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔

آپ کی نظر ان تمام لوگوں اور ان تمام خطا کاروں کو بیچھا کرتی تھی جس میں کسی نہ کسی قسم کی ذہنی مداخلت پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ ایک خط لگ گیا جس میں لکھنے والے نے کسی کو ایک شعر لکھا تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ حضرت عمرؓ سے اس بات کی ضمانت چاہتا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ایسے انتظامات ہونے چاہیں کہ اس کی ناموس پر کوئی آپریشن نہ آنے پائے۔

مکتوب الیہ بنی سلیمہ کا رہنے والا ایک سپاہی پیشہ تھا جس کا نام جعدہ تھا اور جس کی عادت یہ ہو گئی تھی کہ وہ ان سپاہیوں کی بیویوں کے لئے جو جنگ پر گئے ہوئے تھے کچھ غلط ارادے رکھتا تھا یعنی انہیں دغلانے کی کوشش کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس شخص کو یعنی جعدہ السلمی کو بلا بھیجا اور اس کے بعد اسے سو کوٹے رسید کروائے اور اسے اسلامی سپاہیوں کے غیب میں ان کی مستورات سے ملنے سے روک دیا۔

یوں اپنے ابتدائے عہد خلافت سے انتقال تک حضرت عمرؓ دینی امور میں حد درجہ شدت برتتے رہتے تھے۔



باب

نماز تراویح

اور

حضرت عمرؓ کی فقہی احتیاط

رمضان میں نماز تراویح کا آغاز کرانے کے سلسلے میں حضرت عمرؓ پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح شراب خوردہ پر مشروط حد جاری کرنے پر بھی، بلکہ اس سے حضرت عمرؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ میرے نزدیک اس عمل سے یقیناً، حضرت عمرؓ نے اللہ کی خوشنودی حاصل کی ہوگی اور ان کی خدمات جلیلہ کے صلہ میں انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید نوازنے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ یقیناً یہ خدمت ان عظیم خدمات میں اضافہ تھی جو حضرت عمرؓ نے نبیؐ اعظمؐ کی رفاقت اور حضرت ابوبکرؓ کی مشیوری کے سلسلے میں اتنے نمایاں طور پر انجام دی تھیں۔ امت کے مسائل سے گہرا رلط، ناداروں اور امیوں کے لئے یکساں دسوزی، اسلام کی فتوحات کے دائرے کی وسعت، جو آنحضرتؐ اور ابوبکر صدیقؓ کے ادوار میں اس درجہ نہ پھیلی تھیں۔ یہ خدمات بھی کم اہم نہیں رہیں۔ انہیں بھی ذراں میں رکھنا چاہیے۔

ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکروہ ہے وہ یہ ہے کہ قائدین امت کسی ایسی نئی اور انوکھی بات کو شروع کریں جس کا اسلامی نقطہ نگاہ سے جواز نہ ہو۔ یا یہ کہ امت کے مسائل سے تغافل برتا جائے، اسی طرح قائد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی ذات کو مسلمانوں یا اسلامی

مملکت میں بسنے والے غیر مسلموں پر ترجیح دے۔

جب صورت حال یہ ہے اور اسلامی نقطہ نگاہ سے امیر اور اصحاب کے فرائض اتنے مہرازا ہیں تو حضرت عمرؓ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کسی غیر اسلامی بدعت کا آغاز کریں گے۔ حضرت عمرؓ تو ہمیشہ اپنے اندر ایک شدید آرزو اس بات کی رکھتے رہے کہ مسلمان خوش حال رہیں۔ اور غیر مسلموں سے بھی انتہائی نرمی کا برتاؤ کیا جائے اور سب خوش دلی اور آسودگی میں زندگی گزاریں۔ ان سے یہ توقع کی بھی نہ جاسکتی تھی کہ وہ خدائی احکام کی خلاف ورزی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ منزل میں نبی صلعم کو قیام لیل کا یعنی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔

”اے محمدؐ جو کھڑے میں لیٹ رہے ہو رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے زیادہ۔ اور قرآن کو عظمہ ٹھہر کر پڑھا کرو۔“

چنانچہ مسلمانوں کے لئے ترویج کی سنت رائج کر کے حضرت عمرؓ نے دراصل ایک ایسی سنت کا اجراء کیا تھا جس کا مطالبہ خدا نے اپنے رسولؐ سے پہلے ہی کیا تھا۔ ایسا کرنے میں حضرت عمرؓ انتہائی سختی سے قرآنی احکامات کو پیش نظر رکھے ہوئے تھے۔

صحابہؓ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک دن رات کو مسجد میں قیام فرمایا یعنی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن مجید پڑھا اور لوگوں نے اسے سنا۔ آنحضرتؐ کی اس مخصوص نماز میں جیسے آپ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے شریک ہونے کے لئے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ دوسرے دن بھی آنحضرتؐ نے پھل شب کی طرح قیام فرمایا اور پھر لوگوں کا ہجوم ہو گیا اس کے بعد لوگوں کا ہجوم بہت بڑھنے لگا اتنا کہ مسجد اٹ گئی۔ جب آنحضرتؐ نے یہ دیکھا تو آپؐ نے عشاء ہی کی نماز پیر اکتفا کی اور قیام لیل مسجد میں نہیں گھر میں فرمایا۔ جب لوگوں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا:

”میں نے مسجد میں مزید قیام لیل سے اس لئے گریز کیا کہ مجھے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے اور تم لوگ اسے نباہ نہ سکو۔“

اب ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کیا کہ آنحضرتؐ ہی کے ایک

طریقہ کو جو آپ نے رمضان میں اختیار کیا دوبارہ رائج کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شراب کو حرام قرار دیا ہے اور اس کی تحریم میں بڑی سختی برتی ہے اور جس وقت شراب کی حرمت سے متعلق آیات سنائی گئیں تو پوری قوم نے اللہ اور رسول کے فرمان کے آگے سر جھکا دیا تھا۔ مگر آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اور کچھ مزید عرصہ کے گزرنے کے بعد بعض لوگ اپنی فطرت پر لوٹ آئے اور شراب پینے کے جواز میں طرح طرح کے بہانے تراشنے لگے۔ اب اگر حضرت عمرؓ نے حتی الوسع اس بات کی کوشش کی کہ لوگ خدا اور رسول کی نافرمانی نہ کرنے پائیں تو اس میں آپ پر کوئی الزام نہیں عائد ہوتا۔ یوں بھی ایک امام کا اور خصوصاً دینی اور ذہنی دونوں امور میں اُمت کے قائد کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ قوم کی تربیت کسے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے شراب کے سلسلہ میں شرعی ححد جاری کر کے کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ جابر بن عبد اللہ اور انصار سے باقاعدہ مشورہ بھی لیا گیا تھا اور وہ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق بھی ہوئے تھے حضرت علیؓ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ شراب پینے والے کو انہی کوڑے گواہے جائیں۔

ابو محمد بن السعفی کا قصہ مشہور ہے۔ اس شاعر نے ایک شعر کہا تھا جس میں اس نے شراب سے لہنا زبردست قلبی تعلق دکھایا تھا۔ یہ شعر قلاسیہ کی جنگ کے موقع پر کہا گیا تھا۔ اس شعر کو سننے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شاعر کو ایک محل میں پاہ زنجیر کر دیا تھا۔ ان شعروں کا مفہوم یہ ہے۔

”جب میں مہرجاؤں تو مجھے شاخ انگور کی جڑ میں دفن کیجیو۔ تاکہ مرنے کے بعد میری ہڈیاں بھی نشتر سے سرشار ہوتی رہیں۔ ہاں مجھے کسی چیلن مہلان میں مت گاڑ دینا کہ پھر نشتر رز سے مجھے پیکرنگی ہی نصیب نہ ہو۔“

جب اتفاق ہے کہ قلاسیہ کا معرکہ سموت سے سموت تر ہوتا چلا گیا اور ابو محمد بن نے خواہش ظاہر کی کہ اسے آزاد کر دیا جائے تاکہ وہ بھی معرکہ میں شریک ہو سکے۔ حضرت سعدؓ نے انکار کر دیا۔ کچھ دیر بعد شاعر نے حضرت سعدؓ کی بیوی سلمیٰ بنت حفصہ سے یہ درخواست کی کہ اسے معرکہ میں شریک ہونے کے لئے آزاد کر دیا جائے اور حضرت سعدؓ کا گھوڑا (جس کا نام جلقا تھا) وہ بھی اسے عاریتہ دے دیا جائے۔ شاعر نے وعدہ کیا تھا کہ معرکہ میں شریک ہونے

کے بعد خود سی آکے پابہ زنجیر ہو جائے گا۔

مسلمی نے انکار کیا اور اسے ناپسند کیا کہ وہ اپنے شوہر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے کام میں دخل ہوں۔

ابوحنیفہ خاموش ہو گیا۔ لیکن سعید بن جبیر کے بعد پھر چند شعر کہے جن کا مفہوم مندرجہ

ذیل ہے۔

”میرے لئے اس سے زیادہ رنج و الم کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ میلان کا زلزلہ میں تو مجاہدوں کی شہ زوریاں ہوتی رہیں اور میں پابہ زنجیر کسی جگہ عزت گزریں رہوں۔ میں کہ قید سلاسل میں ہوں آفر کیے اپنے جوہر نمایاں کر سکتا ہوں۔ ہائے اک درد تھا وہ بھی کہ میرے پاس دولت بھی تھی اور میرے ارد گرد فقار بھی تھے۔ لیکن آج سب نے مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے میں یہ قول دیتا ہوں کہ اگر مجھے زور و دست اور عزت کاری کے اظہار کے لئے چھوڑ دیا جائے تو بغیر ایمان رکھنی کئے اسی زنداں میں پھر کشاں کشاں واپس آجاؤں گا۔“

مسلمی نے جب یہ دل گلازا اشعار سنے تو متاثر ہوئیں اور ابوحنیفہ کو اپنے شوہر کا گھوڑا (بقادر) ماریتہ دے دیا اور موکہ میں شریک ہونے کے لئے مشروط طور پر آزاد کر دیا۔

ابوحنیفہ نے میدان کا زلزلہ میں شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ لاوی کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ اثنائے جنگ جب کہیں اپنا گھوڑا دیکھتے تھے تو انہیں تعجب ہوتا تھا۔ موکہ ختم ہونے کے بعد ابوحنیفہ نے گھوڑا بھی واپس کیا اور اپنے کو سپرد زنجیر بھی کر دیا۔ مسلمی نے سارا قصہ حضرت سعدؓ سے بیان کیا۔

حضرت سعدؓ نے ابوحنیفہ کو معاف کر دیا۔ اب شاعر نے اللہ سے ایمان باز دعا کرنے شعروں میں کہیں ذکر شراب ذکر کرے گا۔

میں نے یہاں اس قصہ کو اس لئے نہیں بیان کیا کہ میں ابوحنیفہ کی شجاعت کی داستان بیان کرنی چاہتا تھا دراصل اس جنگ میں جو قادیسیہ کے نام سے موسوم ہے بے شمار مسلمانوں نے شجاعت کا ثبوت دیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ حضرت سعدؓ نے ابوحنیفہ کو شراب کا اس انداز میں ذکر کرنے پر قید کر لیا تھا۔

مجھے یقین ہے کہ قادیسیہ کے مرکز میں ابوحنن نے شراب و خمر نہیں پی تھی۔ اسے ایام جاہلیت کا درد بادۂ خواری یاد آگیا تھا۔ اداس کے اشعار اسی کی غمازی کرتے ہیں اور یہ جو حضرت سعدؓ نے ابوحنن کو پاب زنجیر کیا تھا اس کی غایت یہ تھی کہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کے اشعار سے ایک ایسے موقع پر جہاں فوائے جنگ کی ضرورت نہ تھی بلکہ درد دست دہاؤ کی 'مسلمان متاثر ہوتے' اسی لئے آپ نے تنبیہ کے طور پر اسے گرفتار کیا تھا۔

حضرت عمرؓ مجبور ہو گئے تھے کہ شراب خوری اور نئے فرشی کے معاملے کو توہم کا مستحق قرار دیں۔ یوں بھی ایک امیر المؤمنین کے لئے فرض ماہو جاتا ہے کہ وہ صحت منداں پاکیزہ اعمال کو نافذ کرے اور بدی کی قوتوں سے امت کو نجات دلائے اور اس سلسلے میں وہ ضرورت کے وقت جواز بھی ڈھونڈ سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے محض دینی امد کی طرف توہم نہیں کی تھی۔ بلکہ آپ اس سے آگے بھی بڑھے۔ مثلاً آپ نے ایک علاقائی نظام رائج کیا جو مملکت کے تمام صوبوں اور اقلیتوں میں پھیل گیا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خود مدینہ میں آپ ہی قضا کے فرائض انجام دیتے تھے جب کبھی کسی مقدمے یا معاملے میں مدعی اور مدعا علیہ آپ کے پاس آتے تھے تو آپ اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھ جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ معاملہ کو فیصلہ کرنے میں وہ ان کی مدد فرمائے۔ اس لئے کہ ایک غلط علاقائی فیصلہ کرنا آپ کے نزدیک دین کے دائرے سے خارج ہونا تھا۔

حضرت عمرؓ نے معلموں کی ایک جماعت بھی قائم کی تھی جنہیں ایک خاص نظام کے تحت صوبوں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو قرآن اور دین مبین کے قوانین و قواعد سکھائیں۔ یہ اقدام دراصل عمری مہمت نہ تھی بلکہ آنحضرتؐ ہی کی تعلیم میں تھا۔ آنحضرتؐ نے بھی قبائل کے ائمہ اپنے رفقاء نامدار کو قرآن اور اصول دین کی تعلیم کے لئے بھیجنا شروع کیا تھا اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اس نظام کو بڑی دست بخشی اور یہ گوشش کی کہ ان معلموں کے جانے سے دور و نزدیک سب جگہ کے لوگ دین سے واقف

ہو جائیں قرآن پڑھ سکیں اصرابہنی زندگیاں سدا رکھیں۔

حضرت عرفانہ ابتدائی عمارت مسجد نبوی کو گرا دیا تھا اور اسے گروا کے اس کے قطعہ کو وصت دی تھی یہ اقدام اس وقت ضروری ہو گیا جب مدینہ میں لوگوں کی آبادی بڑھ گئی۔ اب تک یہ ہوتا تھا کہ جب لوگ نماز پڑھ چکے تھے تو اپنے گروا کو لا تھوں اور پیشانی کو صاف کرتے ہوئے کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت عرفانہ صحن مسجد میں نلکر کافر ش کر دیا تاکہ لوگ اس سے بچے رہیں اور نماز میں سہولت ہو۔

مقام کعبہ کی موجودہ پوزیشن حضرت عرفانہ ہی نے متین کی تھی۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اگرچہ اس طرف توجہ ہوئی تھی لیکن اس خیال سے کہ قریش نے نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے آپ نے ایسا نہیں کیا۔ اب حضرت عرفانہ نے آنحضرتؐ کے ارادے کی تکمیل کر دی۔

حضرت عرفانہ کے سامنے جب کبھی کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا آپ کتاب اللہ سے رجوع فرماتے تھے اگر کوئی صریح حکم قرآنی موجود ہوتا تھا تو آپ بغیر کسی پس و پیش کے اسی کی رو سے عمل کرتے تھے۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تھا۔ تو آپ سنت نبویؐ کا دامن تھامتے تھے۔ سنت اگر آپ کی مند کرتی تو اس کی روشنی میں آپ بلا تکلف قدم اٹھا دیتے تھے لیکن نص قرآنی اور طریق نبویؐ کی غیر موجودگی میں آپ اجتہاد سے کام لیتے تھے اور وہ کرتے تھے جیسے آپ امت کی بھلائی دیکھتے تھے۔ آنحضرتؐ کے صحابہؓ سے جن کا آپ غیر معمولی انصرام کرتے تھے آپ اس خیال سے برابر مشورہ لیتے رہتے تھے کہ شاید ان کے ذریعہ سے کسی نئی حدیث کی طرف راہنمائی ہو اور یہ بزرگ کوئی ایسی بات بتائیں جس سے امت صلاح و فلاح کی طرف گامزن ہو۔ آپ نے مملکت کے تمام گورنراں اور جہول کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ آپ کی دعوت اختیار کرتے ہوئے اجتہاد اور مشورہ سے صرف اس حدیث میں کام لیں۔ جب قرآن اور سنت ان کی مدد نہ کرے لیکن تابعدا مقدور یہی سہی کریں کہ انہیں قرآن و حدیث ہی کی راہنمائی حاصل ہو۔

حضرت عرفانہ روایت حدیث میں مدد رہے مٹا تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ ایک حدیث سے واقف تھے لیکن اس کی روایت سے اس لئے گریز کیا کہ کہیں لوگ اس میں کمی بیشی نہ

کر دیں۔ جب کبھی کوئی شخص آپ کے سامنے آئے انحضرتؓ کا کوئی قول پیش کرتا تھا تو آپ اس وقت تک نہ قبول کرتے تھے جب تک ایک دوسرا راوی بھی بعینہ وہی الفاظ نہ بیان کرتا جو راوی اولیٰ بجا رہتا تھا کہ اپنی روایت کی صحت کے لئے ایک دوسرے شخص کو بھی پیش کرے۔

کبھی کبھار ایسا ہوا کہ ایک شخص ایک حدیث لے کے آیا اور دوسرا راوی نہ پیش کر سکا تو آپ نے ایسے راوی کو ضرب سے نوازا۔

یعنی اٹھے اس روایت پر اس کی لے دے کی۔ آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ بکثرت انحضرتؓ سے اقوال اور احادیث منسوب کرتے رہیں۔ بکثرت روایات بیان کرنے والوں کو آپ نے دھکی بھی دی کہ اگر وہ ایسا کرتے رہیں گے تو ان پر کوڑے پڑیں گے اور آپ انہیں ان کے وطن واپس کر دیں گے۔

چنانچہ ابوہریرہؓ نے حضرت عمرؓ کے انتقال تک پھر کوئی حدیث روایت نہیں کی۔ البتہ ان کی وفات کے بعد یہ سلسلہ پھر شروع کر دیا۔

حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے ہاتھ میں ڈزہ (کوڑا) تھام لیا اور بڑے اور چھوٹے کی تمیز کے بغیر ان تمام لوگوں کو کوڑے لگانے شروع کئے جو ذرا بھی راہ اعتدال سے جو اسلام کی صحیح راہ ہے تجاوز کرتے تھے۔ ایک دن جس وقت کہ آپ مسلمانوں کو مال غنیمت تقسیم کرنے کے لئے تشریف فرمائے تھے آپ نے خود دولت کسریٰ و جم کے فاتح اعظم سعد بن ابی وقاصؓ کو برسرعام کوڑے مارے۔

ہوا یہ تھا کہ (اپنا حصہ لینے کے لئے) حضرت سعدؓ لوگوں کے ہجوم سے گزرتے ہوئے حضرت عمرؓ کے قریب آگئے تھے۔ فاروقِ عادل نے اس موقع پر انہیں لٹکا لٹکا کر مارے مارتے ہوئے یہ کہا تھا۔

» کہ تم دوئے ارض پر اقتدار خداوندی کے منظر سے خائف نہ ہوئے تو میں نے چاہا کہ تم پر یہ بات روشن کر دوں کہ اقتدار خداوندی کا منظر تمہاری بھی پرواہ نہیں کرنے کا»

آپ ہاتھ میں ڈزہ (کوڑا) لے کر میریز کے بازاروں میں نکل جاتے تھے تاکہ لین دین کا بازار

دیانت اور خوش معاملگی سے گرم پائیں۔

نہا آپ نے کسی کو بد معاملگی کرتے دیکھا آپ نے فوراً برسرا نثار ڈرتے سے اس

کی خبر لی۔

ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو لوگوں کا راستہ روکے کھڑا پایا آپ نے اسے ایک

کڑھ رسید کیا اور کہا۔

” راستے سے ہٹ جاؤ۔“

کچھ عرصہ کے بعد جب حج کا زمانہ قریب آیا تو آپ کی اسی شخص سے ملاقات ہوئی آپ نے

اس سے پوچھا کیا تمہارا ارادہ حج کا ہے۔ اس آدمی نے کہا۔

” امیر المؤمنین! ہاں میں حج کرنا چاہتا ہوں۔“

اس پر حضرت عمرؓ نے اس شخص کو حج کے مصارف عطا فرمائے اور سوال کیا۔

” جانتے ہو یہ میں نے تمہیں کیوں دیا؟“

یہ دراصل اس کڑھ سے کمانے کی پاداش میں ہے جو میں نے تمہیں ایک دن ایک

راستے میں مارا تھا۔ اس شخص نے جواب دیا۔ امیر المؤمنین یہ تو آپ کے کہنے سے مجھے یاد آیا

ورنہ میں تو بالکل بھول ہی چکا تھا۔

حضرت عمرؓ کا ارادہ ہوا تھا کہ احادیث کو کتابی شکل دے دیں لیکن ایک مسئلے تک استخوان

کرتے رہنے کے بعد آپ اس ارادے سے باز آگئے اور فرمایا:

” مجھے ایک گروہ یاد آگیا جس نے ایک کتاب تو مرتب کر لی تھی لیکن اس کے بعد وہ اللہ

کی کتاب کو بھول گیا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک خاص نقطہ نگاہ سے حضرت عمرؓ کو

روایت حدیث میں تردد تھا۔ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ دین کا معاملہ بد اعتیاد کی نذر ہو جائے

اور اس میں ایسی چیزیں آجائیں جو مشکوک قرار دی جائیں۔



باب

حضرت عمرؓ کی دیانتداری

۱۱

اپنے اعمال سے سخت گیری

اپنی زندگی کی جزئیات اور تفصیلات دونوں کی دوسے حضرت عمرؓ کی مخالفت اور سلطنت و حکومت کا مدار تمام تر دین پر تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد مسلمانوں میں پھر کوئی ایسا خلیفہ یا سلطان نہ اٹھا جو اپنی زندگی کی ہر آن میں اللہ کو یاد رکھے۔ حضرت عمرؓ ہر بات میں اللہ کی رضا ڈھونڈتے تھے اور حقیقی اوسع اس کے غضب سے ڈر رہتے تھے میرے خیال میں حضرت عمرؓ کی زندگی میں ایک ساعت بھی ایسی نہیں گزری جس میں آپ نے اپنے اعمال و اقوال کی اساس اللہ کے خوف کو نہ بنایا ہو۔ اور محض آپ کی خلافت ہی دین کی بنیاد پر نہ تھی خود آپ کی نبی زندگی بھی خوفِ الہی کے احساسِ شدید کی منظر تھی۔

ایک بار کسی نے آپ سے اس بات کی سفارش کی کہ کھانے پینے کے معاملہ میں آپ اپنے ساتھ تھوڑے سے نرم ہو جائیں، اس پر آپ نے قرآن کریم کی ایک آیت دہرائی تھی جس کا مفہوم یہ ہے :-

”تم لوگوں نے دنیاوی نعمتوں میں مبتلا ہو کے اپنی تمام کی تمام نیکیاں زائل کر دیں آج تمہیں اس تغافل کا ثمرہ مل رہا ہے اور یہ عذاب اور یہ عتاب جو آج تم پر مسلط

ہو رہے ہیں یہ بھی تمہارے فسق و گناہ اور کبر و نخوت اور خدا کو بھول جانے کا عرض ہیں۔“
انہیں وعیدوں کے خوف سے حضرت عمرؓ حد درجہ عسویت میں زندگی کا اکتے
تھے۔ اور کچھ یہ بھی نہیں کہ آپؓ غریب رہے ہوں یا امت نے آپؓ کو حکومت کے خزانے
سے بقتل ضرورت رقم لے لینے کی اجازت نہ دے دی ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنی ذات پر ایثار کرتے ہوئے آرام وہ زندگی کا تصور دماغ
سے نکال دیا تھا۔ اور اس کا اصل مقصد اپنے کو محض لذتوں سے محروم ہی کرنا نہ تھا
اصل مدعا یہ تھا کہ اس نفس کشی اور تجرید و زہر کا ثمر انہیں آخرت میں مل جائے۔
کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرتے وقت آپؓ مسلمانوں کی مصلحت سے بھی پہلے اللہ کی
رضا اور مرضی کو سامنے رکھتے تھے۔

آپؓ صوبوں کے عالی، ایسے لوگوں کو بناتے تھے، جن میں قوت اور جوش عمل اور
اعلا درجہ کی کارکردگی کے صفات پائے جائیں۔ آپؓ اس کی پروا بالکل نہ کرتے تھے کہ یہ
لوگ مشرکوں کے سلام لائے ہوئے ہیں یا بعد کے۔ عموماً آپؓ اصحاب نبیؐ میں ممتاز
لوگوں کو اس سلسلہ میں نظر انداز کرتے تھے اور جب اس بارے میں آپؓ سے کہا گیا تو فرمایا:
”میں نہیں چاہتا اصحاب نبیؐ مناصب پاکے ملوث ہو جائیں اور ظراب ہو جائیں اور یوں
اپنی رفعت و منزلت سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔“

ادب بات محض برائے بیت نہ کہیں گئی تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس بات کا
ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں آنحضرتؐ کے برگزیدہ اصحاب کسی آدمی میں نہ مبتلا ہو جائیں۔ یا خود
عوام کو آدمی میں نہ مبتلا کر دیں۔ اسی باعث آپؓ ان بزرگوں کو دلالتیں دے دیتے تھے۔
اس سلسلہ میں حضرت سعدؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کا کہ جنہیں علیؓ الترتیب ایران اور شام کی مہمات
جنگ کی قیادتیں عطا ہوئی تھیں ہستینی کیا جاسکتا ہے۔

حد یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یہ تک پسند نہ کرتے تھے کہ یہ بزرگ مدینہ سے باہر نکلیں اور یہ
مضی اس لئے کہ آپؓ کو یہ خوف تھا کہ کہیں ان کی ذات کو کسی فتنہ کا مرکز نہ بنا دیا جائے۔ خود
اہل قریش کے لئے حضرت عمرؓ کی یہی خواہش تھی کہ وہ اپنی جگہ پر جمے رہیں اور دنیاوی کشائشوں

سے ملوث نہ ہونے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے ایک بار تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا :-

”اگر اہل قریش اللہ کے مال کو اپنی دولت میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو ان کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ابن خطاب کے جیتنے ہی وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ یاد رکھو میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ مدینہ کے حبشیل میدان میں ان کی کمر کو تھلے کھڑا رہوں تاکہ یہ آگ میں نہ گرنے پائیں۔“

بعض اکابر صحابہ حضرت عمرؓ سے جہاد میں شرکت کی اجازت مانگا کرتے تھے۔ آپ ایسے حضرات کو یہ کہہ کر منع فرما دیا کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کے ساتھ شریک جہاد ہو چکنے کے بعد انہیں جبراً اہل ہی جلائے گی۔ اولاً یہ کام دوسروں کا ہے کہ جہاد میں شریک ہوں۔ ایک دفعہ آپ نے عمار ابن یاسرؓ کو کوفہ کی ولایت عطا کی۔

اہل کوفہ نے حسب عادت اپنے والی کی حضرت عمرؓ سے شکایت کی۔ دراصل ان کو فیوں نے اپنے والیوں کی شکایت کر کے حضرت عمرؓ کو پریشان سا کر رکھا تھا، لیکن بہر حال حضرت عمرؓ نے اس بار بھی ان کی شکایت سنی۔

شکایت یہ تھی کہ گورنر عمار بن یاسرؓ عواقب سے مطلقاً بے خبر رہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے عمار بن یاسرؓ سے پوچھا کہ کیا واقعی ایسا ہی ہے۔ اور جب ابن یاسر کوئی مناسب جواب نہ دے سکے تو انہیں معزول کر دیا گیا۔ بلکہ کچھ دنوں بعد حضرت عمرؓ نے عمارؓ سے پوچھا بھی :-

”تم کو یہ بات ناگوار تو نہیں ہوتی کہ میں نے تمہیں معزول کیا۔“
عمارؓ نے جواب :-

”اب جبکہ امیر الانین نے یہ بات پوچھی ہی تو مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ مجھے دنوں میں سے کوئی بات پسند نہ آئی تھی، نہ دالی بنایا جانا، اور نہ ولایت سے محروم کیا جانا۔“
حضرت عمرؓ نے ذیل کی آیت پڑھتے ہوئے کہا کہ دراصل میں چاہتا تھا کہ تم کو گورنر بنا کے اللہ کا یہ قول پائے تحقیق تک پہنچاؤں :-

رَوَيْتُكَ كَانَ نَمْنًا عَلَى الْبَنِيْنَ اسْتَضَعَفُوْا اِذَا لَمْ يَرْضَوْا وَبَخَلْتَهُمْ اَمْنًا وَبَخَلْتَهُمْ اَلْوَارِثِيْنَ

”ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ ان لوگوں کو حنفیوں اس جہاں میں بے یار و مددگار اور سکین بوجہ بیگیا تھانیا کی امامت اور اپنی وراثت بخشیں۔“

یہ اللہ کو یاد کرتے رہنے، اس کے عذاب سے خائف رہنے اور امت کی فلاح کی مستقل فکر کرتے رہنے کی بنا پر ہی تھا کہ حضرت عمرؓ اپنے والیوں کی بے حد کڑی ننگاری کرتے تھے۔ اور ہر ذرا سی بات آپ تک پہنچتی اور ادھر آپ بدظن ہو گئے۔ یا تو، ایسے مواقع پر آپ فردا تحقیقات کر لیتے تھے یا کبھی کبھی آپ (اتنی سی بات پر) والیوں کو معزول تک کر دیتے تھے۔

جس بات کا آپ کی کٹھ دیشتر مذشر لگا رہتا تھا وہ یہ تھی کہ کہیں آپ کے مقرر کردہ والی، لوگلا پر ظلم نہ کریں اور لوگوں میں اتنی استطاعت نہ رہے کہ وہ ان والیوں کی آپ سے آکے شکایت کریں۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت عمرؓ کے نقطہ نگاہ سے والی کے ظالم ہونے کا مطلب یہ تھا کہ خود مومنوں کا امیر اور خلیفہ ہی ظالم ہے۔

آپ اکثر اپنی رعیت سے جس سے آپ کا مدینہ یا ج کے مرقعہ پر تقابل ہوتا تھا کہتے بہتے تھے کہ میں ان والیوں کو محض تم پر ظلم کرنے یا تمہاری کھالیں او بیٹرنے کے لئے نہیں بھیجا۔ میں نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ یہ تم کو روح اسلام سے آشنا کریں اور تمہارے حصہ کا مال غنیمت تم میں پیدا پورا بانٹ دیں۔ آپ غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں اس درجہ سخت تھے کہ یہ معلوم ہو جانے پر کہ کسی والی نے ان سے پوری پوری رعایت نہیں کی اس کو کڑی سے کڑی سزا دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔

اپنی امت کی دولت کو کسی حال رانگال نہیں جانے دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا پہلا اقدام تو یہ تھا کہ :-

”خلیفہ اور امیر المؤمنین ہونے کے باوجود آپ سوائے قوت لامیوت کے جس سے آپ اور آپ کے اہل بیت بیعت کی حد تک جی سکیں، بیت المال سے کچھ اور نہ لیتے تھے۔ ایک جوڑا کپڑا جاڑوں کے لئے اور ایک ہی جوڑا گومی کے لئے لے لیتے تھے۔“

اسی طرح آپ اپنے عمال حکومت کی اتنی شدید اور کڑی نگرانی کرتے تھے کہ وہ بیت المال سے کم سے کم لینے پائیں۔ اور ان کے اسرات سے صلحت کا حشرانہ محفوظ و مصون رہے۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت خالدؓ سے کیا سلوک کیا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ نے ایک قاعدہ مقرر کر دیا تھا، وہ یہ تھا:-
آپ جب کبھی کسی کو کسی علاقہ کا گورنر یا حاکم بناتے تھے پہلے اس کے مالی حالات کا مکمل جائزہ لیتے تھے اور اس کے مملوکہ سامان اور جائیداد کو ایک نہرست بنا لیتے تھے پھر اس کو ولایت پر روانہ کر دیتے تھے۔

ولایت سے لوٹنے یا معزول ہونے پر ذالی سے سخت اور شدید تہمت کا محاسبہ ہوتا تھا۔ اگر اس کے مال میں کچھ غیر قابل تسبول اضافہ پایا جاتا تھا تا ضانی مال اس سے چھین لیا جاتا تھا۔

سعد بن ابی وقاصؓ جب کوفہ کی ولایت سے معزول ہوئے تھے تو آپ کے مال کے ساتھ یہی ہوا تھا۔

ایسا ہی بھروسے کی گورنری سے ابو ہریرہؓ کے معزول ہونے کے بعد ان کی دولت کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا تھا۔

ان دونوں کے علاوہ بعض دوسرے عمال کے ساتھ جن کا یہیہ دولت کے بارے میں آپ کو کھٹکا تھا۔ یہی برتاؤ ہوا۔ یعنی ان کا مال ضبط کر لیا گیا تھا۔

حضرت عثمانؓ کی عدل گستری تمام تر آپ کے جذبہ خوفِ الہی کا نتیجہ تھی۔ آپ سے ہر حال میں انصاف و عدل اس لئے سرزد ہوتے تھے کہ آپ اپنے کو اللہ کے حضور میں موجود تصور کرتے تھے اور یہ نہیں پسند فرماتے تھے کہ:-

”گوئی ایسی بات کو میں جس کے لئے آپ بھو

اللہ کے دُور ہو جو اب مندا مت

دینا پڑے۔“

حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ شخص عدل گستری ہی کا ایک نمونہ کامل نہ تھے۔ آپ تمام امور میں، چھوٹے اور بڑے، سب میں، دعائیتِ احکام دینی کا بھی ایک نمونہ اُتھرتے۔

یہی آپ کی ہیبت اور صولت کا راز تھا۔ یہ عالم تھا آپ کی ہیبت کا کہ آپ کے بعد یہ تک کہا گیا کہ ۱۔

عمرؓ کا دُسرہ تنہا ہی تلواروں سے
زیادہ ہیبت ناک تھا۔

★ ————— ★

www.jmmpak.com

باب

حضرت عمرؓ کا آخری حج

۳۳ء میں حضرت عمرؓ نے حسب معمول سحرا کیا۔ خلافت کے سال اول کو چھوڑ کر حضرت عمرؓ نے ہر سال حج ادا کیا۔ کیونکہ پہلے سال خلافت میں آپ نے حج کی امارت حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو عطا کر دی تھی۔ بہر حال اس سال حج میں انہما واج نبیؐ بھی شریک تھیں۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حج سے فارغ ہو چکنے کے بعد حضرت عمرؓ جب واپس آرہے تھے تو آپ نے مکہ کے باہر کسی مقام پر پہلے تو کچھ کسکناں جمع کیں پھر اپنے کو ان پر ڈال دیا اور ان پتھروں پر اپنا سر رکھا اور کنگریوں کو اپنے دونوں پاؤں کے درمیان کر لیا اور اس کے بعد فرمایا :-

”اے خدا میری مزارب کافی ہو چکی اور میری ہڈیاں چوڑ ہو چکی ہیں اور اب مجھے اپنی رعیت سے انتشار کا خوف لاحق ہو رہا ہے اس لئے کیا اچھا ہو کہ مجھے اپنی طرف ہلنے اور میں تیرے دربار میں آؤں تو سرخرو آؤں۔“

مدینہ پہنچنے پر ایک دن آپ کی ملاقات ایک عبسی یعنی ایرانی غلام سے ہوئی جو مغیورہ بن شعبہؓ کے حصہ میں آیا تھا۔ اس غلام کا نام فنیروز اور اس کی کنیت ابو لؤلؤۃ تھی۔ یہ شخص نہادند سے قید ہو کر آیا تھا۔ یہ غلام حضرت عمرؓ سے کہتا ہے :-

”میرے مالک مغیورہؓ نے میرے اوپر اتنی رستم ماند کر رکھی ہے جسے میں

نہیں دے سکتا۔“

حضرت عمرؓ اس سے پوچھتے ہیں؛ کتنی رستم تم پر عائد ہوئی ہے۔ غلام کہتا ہے:-

”چار روہم روزانہ۔“

حضرت عمرؓ نے سوال کیا:- ”دکرتے کیا ہو تم۔“

غلام نے بتایا:- ”میں بڑھئی کا کام کرتا ہوں، لوہاری کا کام کرتا ہوں، اور

نقاش رہینٹرا ہوں۔“

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فیصلہ کیا اور کہا:- ”تہارا محصول زیادہ نہیں ہے۔“

غلام حالت غضب میں رہاں سے چلا گیا۔ ایک بار پھر حضرت عمرؓ کی، جس وقت کہ آپ کے چند رفقاء نامدار آپ کے ساتھ تھے، اسی شخص سے ملاقات ہوئی۔ امیر المؤمنین نے غلام کو بلایا اور بلکے کہا:-

”میں نے سنا ہے تم چکیاں بھی بناتے ہو اگر ایسا ہے تو ایک ہمارے لئے بھی بنا

رو“

غلام نے کہا:- ”میں تمہارے لئے ایک ایسی چپکئی بناؤں گا جس کا ذکر درکن میں تو خیر

ہوگا ہی، صوبوں تک میں ہوگا۔ جب یہ غلام چلا گیا تو حضرت عمرؓ نے حاضرین مجلس سے فرمایا:-

اس رٹکے نے مجھے دہک دی ہے۔ ممکن ہے حاضرین مجلس نے خود ہی حضرت عمرؓ سے

اس رائے کا اظہار کیا ہو۔

ایک دن صبح کے وقت فجر کی اذان کے موقع پر حضرت عمرؓ باہر آئے۔ حضرت عمرؓ کی عادت

تھی کہ (امامت) نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ صفیں کج نہ رہنے دیں۔

اس کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ اس صف کو ملاحظہ فرما رہے تھے جب بالکل آپ کے

قریب تھی۔ جہاں آپ نے کسی شخص کو خط صف سے ذرا آگے پایا اسے (اس عدم احتیاط

والصباط پر) اپنے درہ سے چھو دیا جو اسے اشارہ ہوتا تھا اس بات کا کہ وہ شخص اپنی جگہ

پر واپس جائے۔ یہ بھی کر چکنے کے بعد آپ امامت کے لئے آگے بڑھے تو ابو لؤلؤ نے

جو مسجد کے کسی گوشہ میں چھپا بیٹھا تھا آپ پر خنجر سے وار کر دیا۔

www.jinnipak.tk

سراہوں نے بیان کیا ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے زخم کی جراحت محسوس کی تو ہاتھ چھوڑ دیئے اور پکار کر کہا :- ” پکڑ لو اس کتے کو جس نے مجھے مار دیا۔ “ یہ کہنے کے بعد حضرت عمرؓ زمین پر گر پڑے اور آپ کے بدن سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ لوگوں میں کہرام اور تلاطم بپا ہو گیا۔ غلام پے درپے ان تمام لوگوں کو زخمی کرتا جاتا تھا جو اس کے قریب جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے علاوہ اس شخص نے بارہ آدمی زخمی کر دیئے تھے۔ انہوں نے اس خبیثت پر ایک کپڑا ڈال کے اسے پکڑ لیا اور جس وقت غلام کو یقین ہو گیا کہ وہ پکڑا گیا تو اس نے خدا اپنے ہی خنجر سے اپنا کام تمام کر ڈالا!

اب بعض لوگ آگے بڑھے اور حضرت عمرؓ کو اٹھا کے ان کے مکان لائے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ یہ کہتے رہے کہ **وَكَانَ أَهْمًا لِلَّهِ بِقُدْرَتِهِ مَا مَقْدُورًا** یعنی اللہ کے احکامات میں اوقات میں نافذ ہوتے ہیں۔

بعض راویوں کے بیان یہ ہیں :- ” زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور انھیں امامت کے لئے آگے بڑھا دیا۔ ایک اور راوی لکھتا ہے کہ جس وقت لوگوں میں تلاطم اور ہرجاں پیدا ہوا تو دفعتاً ایک شخص بول اٹھا :- ” اللہ کے بند و نماز سے غافل مت ہونا، سورج طلوع ہی کہنے والا ہے۔ چنانچہ اب عبدالرحمن بن عوفؓ آگے بڑھ چکے تھے۔ آپ نے سب سے چھوٹی دُک سورتیں یعنی سورۃ العصر اور سورۃ الکوثر پڑھ کے نماز پڑھائی۔ ”

سراہوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پغششی طاری ہو گئی تھی۔ جب غششی وریک طاری ہی تو کسی نے کہا کہ نماز سے ڈراؤ، انھیں، چنانچہ لوگوں نے کہا :-

امیر المؤمنین، نماز، نماز، اس صلا پر دفعۃً آپ ہوش میں آگئے۔ اور فرمایا۔

ہاں نماز، اللہ اکبر، اسلام سے اس شخص کا کوئی تعلق نہیں جو تارکِ صلوة ہے، اس کے بعد آپ نے ہنوکا پانی منگوایا۔ وضو کیا اور نماز پڑھی اور عالم یہ تھا کہ آپ کا زخم ٹھیکہاں اور خون نشاں تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا :-

میرے لئے طیب بھراؤ۔ طیب جب کرا تو اس نے پوچھا کہ آپ کیا پینا پسند

کر لیا گئے حضرت عمرؓ نے جواب دیا: "نبیذ" یعنی کھجور کا سمت جو ہر قسم کے نشہ سے پاک ہو۔" طیب نے نبیذ پلایا لیکن یہ عرق آپ کے جسم سے بہ نہ نکلا اور اسے آپ کے جسم نے نہیں قبول کیا۔ اب لوگ آپ کے بارے میں قطعاً شک میں مبتلا ہو گئے کسی نے کہا یہ خون کی پیپ ہے، امیر المومنین کو دودھ دو استعمال کرنے کو، مگر دودھ بھی باہر آ گیا اور رنگ بالکل نہ تبدیل ہوا یہ دیکھ کے طیب نے گویا اعلان کیا کہ امیر المومنین شاید شام تک نہ نچ سکیں۔

سما دیوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ وہ ذرا تحقیق کریں کہ قاتل کون ہے۔ ابن عباسؓ نے لوگوں میں گشت لگایا اور جب لوٹ کے آئے تو فرمایا:-

آپ کا قاتل مغیرہ بن شعبہ کا غلام (الولؤلؤۃ) ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا:- اللہ کا شک ہے کہ مجھے کسی اللہ کو سجدہ کرنے والے نے جو اپنے اس سجدے سے اللہ کے سامنے اس معاملہ میں مجھ سے قیل وقال کر سکتا تھا، یعنی کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا۔ اور ایک غیر مسلم سے یہ محروہ فعل سرزد ہوا۔

اب ابن عباسؓ کو امیر المومنین نے حکم دیا کہ وہ جا کے لوگوں سے یہ پوچھ آئیں کہ آیا ان کے ایماہ اور ان کی سازش و صلاح سے یہ قتل ہوا ہے؟ لیکن ابن عباسؓ نے لوٹ کر یہ خبر سنادی:- "لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس قتل کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتے اور ہماری خواہش تو یہ ہے کہ ہماری عمروں میں سے امیر المومنین کی عمر میں اصناف کر دیا جائے۔"

اب حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس جا کے کہیں کہ عمرؓ کی خواہش ہے کہ انہیں ان کے رفقاء نامدار اللہ حضرت صدیق اکبرؓ کے جوار میں دفن ہونے کی اجازت دے دی جائے۔

عبداللہ بن عمرؓ جب حضرت عائشہؓ کے یہاں پہنچے تو انہیں بیٹھے روتے دیکھا۔ حضرت عمرؓ کا پیغام سننے کے بعد حضرت عائشہؓ نے فرمایا:-

در بخدا یہ جگہ میں نے اپنے لئے منتخب کر لی تھی لیکن آج کے دن میں اسے ترمیمان کئے
دے رہا ہوں۔“

عبداللہ بن عمرؓ نے جب لوٹ کے آئے یہ اطلاع دی کہ حضرت عائشہؓ نے آپ کی
مرضی کے مطابق آپ کو مطہرہ اجازت اور رخصت دے دی ہے تو آپ نے اللہ کا شکر ادا
کیا اور کہا کہ آپ کے لئے سب سے اہم چیز یہی تھی۔

اس جہم کے سر ہونے کے بعد لوگوں نے آپ سے اپنا جانشین مقرر کرنے کا مطالبہ
کیا۔ آپ نے فرمایا :-

”اے حضرت! میں نے کسی کو بھی اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا تھا اور حضرت ابوبکرؓ نے مجھے
اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اب ہر صورت میں جانشین مقرر کرنے یا نہ کرنے دونوں میں
میرے لئے یہ احساس تکلیف وہ ہے کہ کہیں میں راہ صواب سے ہٹ تو نہیں رہا۔“

اس تذبذب کے اظہار کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملہ کو چھ افراد
کی ایک کونسل یعنی مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ یہ چھ افراد یہ تھے۔

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمانؓ، حضرت سعد بن
وقاصؓ، زبیر بن العوامؓ اور حضرت طلحہؓ، ابن عبید اللہؓ، آپ نے ان حضرات
کو اپنے پاس بلا بھیجا اور پھر انہیں حکم دیا کہ یہ اٹھتے ہوں اور اپنے ہی میں ایک شخص کو خلیفہ
منتخب کر لیں۔ اتفاقاً ہی آپ نے اس بات کا حکم دیا کہ چھ افراد کی اس مجلس میں عبداللہ
بن عمرؓ اور سعید بن زیدؓ ابن عمروؓ آپ کے چھیرے بھائی ابھی شریک ہوں۔ لیکن یہ بات ظاہر
کردی کہ مؤرخ الذکر دونوں حضرات کو خلافت سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

اب حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے مخاطب ہوئے :-

”علیؓ سب جانتے ہیں کہ تم رسول اللہؐ کے داماد اور عزیز ہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ
نے عالم اور فقیہ بنا یا ہے اب اگر خلافت تم کو سوچ دی جائے تو اللہ سے ڈرتے رہنا۔“
حضرت عثمانؓ سے مخاطب ہوئے فرمایا :-

”امت کو تمہاری پختہ سالی، رسالت مآب کی دامادی اور تمہارے مجدد و مشرف کا احساس

ہے۔ تم اگر خلیفہ منتخب ہو جاؤ تو اللہ سے ڈرتے رہنا اور کہیں سہی ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار مت کر دینا۔“

اس کے بعد حکم ہوا ابو طلحہ، الانصاریؓ نہ بلائے جائیں۔ ابو طلحہؓ نے آئے تو انہیں یہ فرمان ملا کہ پچاس عدد انصار کے آدمیوں کو ساتھ لیں اور ان چھ افراد کو جن کے ہم اوپر رکھے جا چکے ہیں کسی ایک مقام پر اکٹھا کریں اور تین دن کی مقررہ میعاد تک یعنی جب تک یہ لوگ آپس میں کسی کو خلیفہ نہ چن لیں، حالِ رُ الشور محلے کے دروازہ پر دستک دیں اور وہاں تعینات رہیں۔ بعض راویوں نے یہ بھی کچھ دیا ہے کہ:-

” ابو طلحہ، الانصاریؓ کو حکم بھی دیا گیا تھا کہ اگر تین دن میں یہ حضرات کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں تو ان کی گردنیں مار دی جائیں!“

میرے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عمرؓ جو مسلمانوں کے خون کا اتنا احترام کرتے تھے بھلا کیسے اس بات پر آمادہ ہو سکتے تھے کہ ہاجرین سابقین میں سے چھ ممتاز افراد کو، اور وہ بھی ایسے چھ ممتاز افراد کو جن کو ہر سالت مآب نے دنیا ہی میں حجت کی بشارت دے دی تھی اور جن سے آپ آخر وقت تک خوش و رضا مندر ہے، قتل کرا دیں۔

کسی اور مقام پر میں نے شوریٰ (کنسل) سے متعلق تفصیلات بیان کی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی حکم دیا تھا کہ ان تین دنوں تک جس میں چھ نامزد افراد خلیفہ کے انتخاب کے لئے ضروری مشورہ کریں گے۔ صہیبؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اس کے بعد آپ نے عبد اللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اس قرضہ کا حساب لگائیں جو حضرت عمرؓ نے بیت المال سے لیا تھا۔ حساب لگانے پر یہ قرض چھیا سی ہزار درہم نکلا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

” جب میں مر جاؤں تو میری آل اولاد کو چاہیے کہ اس قرضہ کو چکا دے۔ اگر پھر بھی قرض باقی رہ جائے تو میرے قبیلہ بنی عدی سے رجوع کیا جائے۔ بنی عدی والے بھی پوری رسم نہ چکا سکیں تو اہل قریش سے رجوع کیا جائے اور جو مدویہ کریں اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ عبد اللہ بن عمرؓ کو یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ اس تمام رقم کی ضمانت لے لیں جو انہوں نے لے لی۔“

میرا خیال یہ ہے کہ اس فرض میں وہ تمام کی تمام رقم شامل تھیں جو حضرت عمرؓ نے اپنی اور اپنے اہل و عیال کی گزراوقات کے لئے یا تجارتی کاموں کے لئے بیت المال سے لیں تھیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ وہ اس معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ کی، جنہوں نے بیت المال سے لی ہوئی تمام رقم واپس کر دی تھیں۔ تقلید کرنی چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ، یوں بھی فرمایا کرتے تھے :-

”میری خواہش ہے کہ جب میں خلافت کا بار اپنے کاندھوں سے اتاروں تو خلافت کا بھج پر اور میرا خلافت پر کچھ نہ ہو۔ آپ کا یہ مقولہ زخمی ہونے کے بعد آپ کی زبان سے اور بھی بار بار سنا گیا۔“

ابن عمرؓ نے یہ ساری رقمیں امیر المؤمنین کو اپنے متدین اور متقی اور علم الہیٰ اللہ والہ کے مرنے کے ایک ہفتہ کے اندر ادا کر دی۔

امور امت سے فراغت کے بعد اب حضرت عمرؓ پر صرف اس حساب کتاب کا خیال مسلط تھا جو آپ کو خدا تعالیٰ کو دینا تھا۔ آپ فرماتے تھے :-

”اگر میرے پاس دنیا جہان کی تمام دولتیں اور ٹرڈیں ہوتیں تو میں ان کے معاوضہ میں اس دہشت اور سراسیمگی سے جو قبر میں برزخی زندگی کے آغاز میں طاری ہوگی اٹنے نہیں دیتا۔“

اس کے بعد ازبٹے روایت حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی — یعنی اس وقت جب آپ نے موت کو بالکل ہی نزدیک پایا اور فرمایا وہ انہیں یوں اٹھائیں کہ گھٹنے ان کے پیٹ اور کمر کے نیچے رہیں اور پھر دائیں ہاتھ سے ان کی پیشانی اور سر کو سہارا دیں اور بائیں ہاتھ سے ٹھوڑی کر، اور پھر جب وہ دم توڑ دیں تو ان کی آنکھوں کو کھلا نہ رہنے دیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادے کو یہ بھی ہدایت کی کہ ان کے کھنکھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ کریں کیفین میں اہتمام سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا۔ اگر کسی کے لئے آخرت میں اجر موجود ہے تو تجہیز و تکفین کا یہ اہتمام اس کے لئے زائد سی شے ہے اور اگر آخرت میں اس کے لئے کچھ درپیش ہے تو اس اہتمام سے سزا اور عتاب کی کارروائی رک نہ جائے گی

حضرت عمرؓ کا مطلب یہ تھا کہ انسان کے ساتھ صرف اس کے اعمال جاتے ہیں۔ آپ نے منگ دھنبر کے استعمال سے بھی روک دیا اور اس بات سے بھی کہ جنازہ میں کوئی سعوت منزیک ہو۔ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جب آپ جنازہ بردوش ہو جائیں تو تیز رفتاری کا ثبوت دیتے ہوئے آپ کو آپ کی قبر تک پہنچایا جائے۔ اس لئے کہ اگر قبر میں حضرت عمرؓ کے انتظار میں "خیل" ہے تو بہتر ہے جلد از جلد انھیں اس "خیل" تک پہنچا دیا جائے اور اگر "شتر" ان کا منتظر ہے تو اچھا ہے لوگ اپنی گردنوں سے دستخیز شتر کو جلد از جلد اتار مھینکیں بغرض ہر صورت میں مردے کو قبر تک جلد از جلد لے جانا چاہیے۔

عبداللہ بن عمرؓ کو ایک مزید ہدایت یہ ملی کہ چونکہ حضرت عائشہؓ کا مکان پہلے ہی تنگ اور چھوٹا تھا اور اس میں پہلے ہی سے دو قبریں موجود تھیں، اس لئے ان کی قبر اور حضرت عمرؓ کی قبر کے لئے زیادہ زمین کو نہ کھودا جائے۔ اس لئے کہ یہاں بھی وہی معاملہ بتائیں اگر آپ اللہ کے یہاں مقرب اور ماجور ہونے والے ہوں گے تو یہ قبر وسیع ہو جائیگی وگرنہ ایسی اور اتنی تنگ کہ پسلیاں دب کے رہ جائیں گی۔

عالی قدر باپ نے بیٹے کو یہ بھی ہدایت کدی کہ مرنے کے بعد انھیں ان صفات سے متصف نہ بنائیں جو ان میں نہیں ہیں اور نہ کہ ہر چیز کا علم اللہ کو بہتر ہے۔

سراویف کا بیان ہے :- "اب لوگ دھواں زہرہ گداز حادثہ سے واقف ہو چکے تھے ابرق و برق آنے لگ گئے اور حضرت عمرؓ کی شناخت سب سے زیادہ سرائی کرنے لگے۔ لوگوں کا یہ ہجوم دیکھ کے حضرت عمرؓ بول اٹھے :-

مد بھائیو! کیا بات ہے؟ میری امارت اور خلافت پر رشک کرتے ہو؟ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے مسالمت مآب اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں کا ساتھ دیا ہے اور دونوں میرے مدد سے خوش رہے اور آخر وقت تک خوش رہے ان امدار میں میرا کام مکمل طور پر اطاعت کرنا تھا جو میں نے کی۔ (تو یہ بات البتہ قابل رشک ہو سکتی ہے نہ یہ خلافت و امارت) اور میں سوائے اس ذمہ داری کے منصب کے کبھی کسی چیز سے خائف نہیں ہوا کبھی کسی چیز سے بھین ڈرا۔"

اس سال اپنے صوبوں اور شہروں میں لوٹنے سے پہلے پہلے حج کے موقع پر جو و فدا آئے تھے وہ حضرت عمرؓ سے ملے تھے۔ عراق سے جو و فدا کیا تھا اس نے حضرت عمرؓ سے گزارش کی کہ اسے وصیت فرمائیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

”میں تم لوگوں کو وصیت کرتا ہوں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور خوف کرو اور اس کے بعد جو مہاجرین رہ گئے ہیں جنہوں نے رسول اعظمؐ کے ساتھ ہجرت کی تھی اور جن کی تعداد روز بروز اسی طرح کم ہوتی جائے گی جیسے تم لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی جا رہی ہے ان کا بھی خوف آمیز احترام کرو۔“

یعنی اپنے اعمال و کردار میں کئی ایسی بات نہ آنے دو جسے ناپسند کریں۔ اس کے بعد یہی روش آنحضرتؐ کے گرامی قدر انصاریؓ سے اختیار کرو۔ یہ انصاریؓ ہیں جنہوں نے اسلام کو ایک مسکن اور ایک پناہ گاہ دی تھی۔ عربوں کا جو سلام کا اصل جوہر ہیں اور خصیوں کا بھی پورا پورا لحاظ رکھنا۔“ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عراقیوں کو رخصت کر دیا۔

سوا یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ آخری ساعت آن پہنچی تو آپ نے اپنے بیٹے سے جو مبارک اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھے، فرمایا کہ ان کو کنپٹی کے بل زمین پر لٹا دیں۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے تند لہجہ اختیار کرتے ہوئے اصرار کیا کہ انہیں زمین پر لٹا دیا جائے۔ عبد اللہ بن عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔ اب فاروق اعظمؓ نے کہنا شروع کیا :- اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ اے کاش میں وجود پذیر ہی نہ ہوتا۔ کاش میں ایسی شے ہوتا جسے لیل بھلا دیتے ہیں جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ نے یہ کلمات کہنے شروع کر دیئے :- اللہ نے اگر مجھے دُخشا تو میری اور میری ماں کے لئے وبال ہی دباں ہے۔ یہ کہتے کہتے آپ کی طیب روح پرواز کر گئی۔

باب ۲

بے مثال زعمیم کی موت پر امت کے تاثرات

حضرت عمرؓ کی وفات سے، ایک ایسا دور تابناک ختم ہو گیا، ایک ایسا عہد زریں گزر گیا، جس سے زیادہ تابناک اور زریں عہد، آنحضرتؐ کی وفات سے قیامت تک، جب تک دنیا باقی ہے، پھر نہ آسکے گا۔ مسلمانوں کی تاریخ میں کسی ایک ایسے خلیفہ یا بادشاہ کی مثال نہیں ملتی، اور نہ میرے خیال میں آئندہ اس کا امکان ہے، جو دور دور بھی عشرت سے مشابہت رکھتا ہو۔ زہد اور نیک اور تقویٰ کی زندگی سے حضرت عمرؓ کو ان تمام خلفاء اور سلاطین اسلام پر فوقیت مطلق حاصل ہے جنہوں نے اسلام کی تاریخ بنائی ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ سے بڑھ کر اللہ کے احکامات اور فرامین کے نفاذ اور اجرا میں کسی ایک شخص نے بھی اتنی جرأت کا ثبوت نہ دیا تھا۔ یہ انتظامی کمال نہ دکھایا تھا۔

اور یہ تو واقعہ ہے کہ اپنی گذراؤں کے لئے حضرت عمرؓ دورانِ خلافت بھی تجارت فرماتے تھے۔ لیکن ہاں اس کا دوبارہ کا مقصد کچھ یہ نہ تھا کہ آپ دولت و ثروت سے اپنی تجوریاں بھر لیں۔ آپ تو بس اتنا چاہتے تھے کہ اپنے اہل بیت یعنی بیویوں اور بیٹوں کا تکفل فرما سکیں۔ اس کا دوبارہ سے انہیں کوئی خاص فائدہ بھی حاصل نہ ہوتا تھا۔ اس

کے باوجود آخر میں حضرت عمرؓ نے وہ تمام رتسم جو آپ نے مدد معاش کے لئے لی تھی۔ سب کی سب بیت المال یعنی حکومت کے خزانہ کو لوٹا دی تھی۔

چنانچہ حضرت عمرؓ جب اس دنیا سے اٹھے ہیں تو حال یہ تھا کہ اللہ کی زمین پر رہنے والا ایک متفنن بھی آپ کے قرض خواہ یا آپ کا جسم خوردہ نہ تھا۔ آپ نے وصیت، اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے حق میں کی۔ اسی وصیت کی ایک دفعہ کی رو سے، حفصہؓ کے بعد یہ ترکہ آپ کے دونوں حفصہ کے موقع پر سب سے بڑے لڑکے کو ملنا تھا۔

اس کے علاوہ اسلامی تاریخ کے کسی خلیفہ یا سلطان کے عہد میں ایسی غیر اعتدالی فتوحات بھی نہیں ہوئیں۔ جیسی جناب عمرؓ کے دور میں ہوئی تھیں۔ آپ نے پچھلے ابواب میں دیکھ ہی لیا کہ حضرت عمرؓ نے ایرانی حکومت کی قلمرو کو مطلق طور پر اسلام کے سرنگول کر دیا۔ اس کے بعد شاہرہ، جزیرہ، مصر اور بصرہ کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد سوائے اس کے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں افریقہ فتح ہوا اور اسی کے سلسلہ میں مسلمان بحسب ظلمات تک پہنچے، یا پھر بنو امیہ نے موجودہ اسپین (اس دور کا اندلس) فتح کیا۔ کسی دوسرے اسلامی فرمانروا میں یہ قوت اور تدبیر نہ آسکے کہ اسلامی قلمرو میں اضافہ کریں۔

حضرت عمرؓ کے بعد کوئی اسلامی حاکم ایسا نہ آیا جس نے بیت المال کو مطلقاً امت کے افراد پر وقف کر دیا ہو جس سے ایک طرف لڑنے والی اسلامی فوج کے مصارف ادا ہوں۔ دوسری طرف ناداروں کی مدد ہو اور وہ قوم کے ان غریب مردوں، عورتوں اور بچوں پر تقسیم ہو جائے۔ جن کے لئے یہ بھی ممکن ہو گیا تھا کہ بغیر کسی دقت کے اور بغیر (حکومت کے عمال کے جو رستم کا نشانہ بنے) انہیں ان کے سہارا مل جایا کرتے تھے اس میں دور و نزدیک کے لوگوں کی تخصیص نہ تھی۔ حضرت عمرؓ بنفس نفیس صدقینہا کے قریب میں رہنے والے باورینشینوں کے لئے اشیاء خوردنی وغیرہ بھی اٹھا کے لے جاتے تھے۔ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کا عجب حال ہوتا تھا۔ آپ کھانے کا سامان اپنی پشت پر لادے ہوئے تھے اور مدینہ کے فوارح میں آکے بس جلنے والے لوگوں کے

لئے یہ سامان لے کے دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ کبھی کبھار تو آپ کو یہ کھانا خود ہی پکانا بھی پڑتا تھا۔ اسلامی تاریخ ایک بھی ایسی مثال پیش کرنے سے مطلقاً قاصر ہے کہ حاکم وقت نے غیر مسلموں سے اس درجہ محبت اور مہربانی کا برتاؤ کیا ہو۔ بالکل اسی طرح اسلامی تاریخ میں ایک آپ ہی کی ایسی مثال ہے جس نے دین اسلام کے لائے ہوئے نظام کو اپنے پاس کی تفصیلات کے ساتھ نافذ کرنے میں اڑیسی چوٹی کا زور رکھا دیا۔ مسلمانوں کو عارفنا اور مستقیماً، مذاق بخشا اور ان کی فلاح و صلاح کے خیال سے اور ان کو آخرت میں ہر قسم کے مواخذہ سے بچانے کے لئے کبھی معلم کی قبا اور محی، کبھی مودب اور مرتبی کی حضرت عمرؓ نے یہ سب کچھ کیا۔ اور سب کچھ اور کتنا کچھ اور! نتیجہ کیا تھا آپ نے وہ کچھ حاصل کر لیا جو اسلامی اور غیر اسلامی تاریخ اسلامی تاریخ عالم میں کسی کے عہد میں بھی حاصل نہ ہوا تھا۔

توفیق بہ اندازہ ہمت ہے ازل سے

انکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

آج بھی ہر قسم کسی ایسے ملک سے واقف نہیں جہاں حکومت لوگوں کو غیر مشروط طور پر یعنی ان پر کسی قسم کی شرائط عائد کئے بغیر اور ان کے کسی قسم کے مطالبات کے بغیر عیناً تقسیم کرے لیکن حضرت عمرؓ کے دہر میں جن لوگوں کو حکومت سے امداد ملتی تھی ان پر کوئی پابندی عائد نہ ہوتی تھی۔ یعنی وہ دوسرے کام بھی کر سکتے تھے۔

اور مومے کی بات یہ تھی کہ بجز قرآن مجید یا طریق نبویؐ کے حضرت عمرؓ کے پیش نظر کوئی دوسری چیز نہ تھی۔ آپ کے پاس کوئی پولیس کی طاقت بھی نہ تھی جو ان دامان کو برقرار رکھنے میں آپ کی اعانت کرے۔ پھر بھی آپ نے اسلامی سیاست کو اس طریقہ پر چلایا تھا کہ مسلمان سب کے سب، مرکز میں بھی اور صوبوں میں بھی، آپ کے لئے پولیس کے فرائض ادا کرنے لگے تھے۔

یہ بات اب بالکل سمجھ میں آجائے گی کہ مسلمانوں کو موتِ عامہ کا طال آتنا شدید اور عظیم کیوں ہوا تھا اور ابو طلحہؓ، انصاریؓ جیسے شخص کو کیوں یہ کہنا پڑا تھا کہ عرب میں

ایسا گھر کوئی نہ تھا جس کا نظام موت و حیات سے دہم برہم نہ ہو گیا تھا۔
 ایسے ہی یہ بات باعث حیرت نہیں کہ کسی اور شخص نے اسی موت پر کہا تھا کہ جس گھر میں عمرہ
 کی مرگ سے رنج و ملال نہیں داخل ہوا وہ برائی کا گھر رہا ہوگا۔
 سراوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چھیرے بھائی سعید بن زید بن عمرو
 سے جب پوچھا گیا کہ آفرودہ موت عمرؓ پر کیوں اتارا رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ
 وہ عمرؓ پر نہیں خود اسلام پر اور ہے میں جس میں اس موت سے شکاف
 پڑ گیا تھا۔

حدیث یحییٰ بن ایمان سے بھی یہ قول منسوب ہے کہ سلام ایک ایسا قلعہ تھا جس
 میں لوگ اب تک صرف داخل تو ہوتے تھے لیکن اس سے باہر نہ آتے تھے لیکن اب کہ عمرؓ
 وفات پا گئے تھے اس قلعہ میں رخنہ اور شکاف پڑ گیا تھا۔ چنانچہ اس سے
 لوگ باہر تو آجاتے تھے لیکن باہر آکر کے پھر واپس نہیں جاتے تھے۔

اور اس باب میں تو تمام راوی متفق ہیں کہ جس وقت حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کی
 موت پر نالہ و شہیون سنا تو آپ حضرت کے مکان پر تشریف لائے۔ یہاں کیا دیکھتے
 ہیں کہ عالی منشی عمرؓ کا جسم ایک کپڑے میں لپیٹا ہوا ہے۔ حضرت علیؑ نے پتہ پتہ
 ہٹا کے منہ کھولا اور کہا: "صلی اللہ علیک یعنی تم پر اللہ کا درود ہو۔ واللہ
 کہ اس دنیا میں سوائے اس کفن پوشش کے آج کوئی شخص ایسا نہیں جس کے اہل التامہ
 پر مجھے ہر شک آجائے۔"

مہاجرین اور انصار میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جسے عمرؓ کی موت پر گہرا رنج و
 ملال لاحق نہ ہوا ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے تو یہ تک کہہ دیا تھا کہ موت عمرؓ
 سے تمام بنیادیں ہل گئیں۔ یعنی زندگی کے تمام شعبے اور ستون متاثر ہو گئے۔ مناسب
 ہو گا کہ اس موقع پر حضرت عثمانؓ کا نہایت بلیغ مقولہ بھی نقل کر دیا جائے۔ حضرت
 عثمانؓ نے فرمایا تھا کہ میں اللہ سے تقرب کی خاطر حسن سدک کرتا ہوں اور عمرؓ کی
 اسی تقرب کی خاطر اپنے اقربا، اعزہ اور عیال وغیرہ کو ہر قسم کی کس کش سے محروم کرتے

تھے۔ روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان نے تین بار اس جملہ کا اعادہ کیا کہ ہم میں کون ہے جو عسکر کی برابری کرے؟

مرثیہ کے ان چند شعروں سے زیادہ حضرت عمرؓ کے بارے میں کسی بیان یا مقولے نے راست بیانی نہیں کی۔ تصنیف کا سہرا رادی جنوں کے سر باندھتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ ہمشہر شاعر شامخ کے بجائے مزرد بن ضرار کے کہے ہوتے ہیں۔ ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی قیادت اور امامت کے طفیل اسلامی معاشرہ میں زبردست نظم اور ضبط ہو گیا۔ اور بظاہر غیر ممکن سا نظر آتا ہے کہ آپ کے بعد قیادت کا یہ بار کوئی اس توانائی سے اٹھا سکے گا۔



★

www.jmmpak.com

باب ۲

حضرت عمرؓ کی شہادت

شاعر نے مشکب ہی کہا تھا حضرت عمرؓ کے قتل کا واقعہ عجیب و غریب تھا۔ مغیرہ بن شعبہؓ کا ایک غلام تھا جو نہاؤسند کے قیدیوں کے ساتھ آیا۔ شیخ شخص مدینہ میں مختلف قسم کے کاروبار کئے ہوئے تھا۔ یعنی بینکنگ و نقاشی و ہاری اور بڑھی گیری کے کاموں کے علاوہ چکیاں بھی بنا تھا۔ شیخ شخص حضرت عمرؓ کے پاس آتا ہے اور اس بات کی شکایت کرتا ہے کہ اس سے بہت زیادہ حق المالکی دہتی جو ایک مالک اپنے غلام سے وصول کرتا ہے (وصول کیا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس کے برخلاف یہ پاتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہؓ نے جو رقم اس پر عائد کر رکھی ہے وہ بالکل جائز ہے۔

بہر حال حضرت عمرؓ ایک طرف اسے تو یہ حکم دیتے ہیں کہ وہ یہ رستم اپنے مالک کو ادا کرے لیکن دوسری جانب مغیرہ بن شعبہؓ کو کہتے ہیں کہ اس گجی غلام کے حق میں مزید رعایت کریں۔ بعد میں ہی غلام مسجد کے کسی گوشہ میں چھپ جاتا ہے اور جب حضرت عمرؓ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھتے ہیں تو ان کا قصد کر کے ان پر قاتلانہ حملہ کر دیتا ہے۔

یہ شخص مسجد کا احترام اس لئے نہیں کرتا کہ سر سے سے مسلمان ہی نہ تھا۔ اسی طرح اس نے اس بات کی کسی قطعاً پروا نہ کی کہ مسجد میں بہت سے مسلمان جمع تھے اس نے تو حضرت عمرؓ کو جان پھیل

کے مارنا چاہتا تھا۔

یہ واقعہ اپنے اندر کوئی غراہت اور ندرت نہیں رکھتا اگرچہ حضرت عمرؓ غیر مسلمانوں سے حد درجہ انصاف برتتے تھے اور اصولاً ایک غیر مسلم کو ان سے یہ روشیں اختیار نہ کرنی چاہیے تھی لیکن حضرت عمرؓ کے واقعہ قتل کی پشت پر بعض دوسری غمزہ طلب اور فکر انگیز چیزیں بھی ہیں بعض روایات ہمیں بتاتی ہیں کہ یہ ایرانی غلام جب کبھی فارسی غلاموں کے بچوں کو دیکھتا تو ان کے سر وں پر ہاتھ پھیرتا اور کہتا کہ مد عرب میرا جگہ کھا گئے۔ تو گو یا معاملہ محض حق الماکی یا کسی قسم کی ادائیگی کا نہ تھا۔ اس سے بہت زیادہ تھا۔ معاملہ ان ایرانیوں کا تھا جن کا ولس ان سے چین گیا تھا۔ جن کی قوم قتل ہو گئی تھی اور جو اپنے انتقام کی آتش نہ بجھا سکے تھے۔ چنانچہ یہ شخص وطنی جوش انتقام سے پڑھا۔ اور اس کے دل میں اپنے تمام ہموطن قیدیوں کے لئے جراب تمام عرب میں تھے غزید و غضب کی بھٹی سلگ ہی تھی۔ پھر اس کے خیال میں گویا عرب اس کا (یعنی اس کی قوم کا) جگہ کھا گیا تھا۔ اکیلا ہی شخص نہیں تھا جو مدینہ میں رہتا تھا وہاں ایرانی اور بھی بس رہے تھے۔ جن کے اعزہ جنگوں میں ہلاک کئے گئے تھے مثلاً خود ہی حوزان مدینہ میں موجود تھا۔ یہ شخص ایلان کے بڑے درجہ کے امر او میں سے تھا یا شاید وہاں کے ملوک میں سے تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے مسلمانوں سے مقابلہ میں پلڑی پوری گشاش کی۔ جہاں تک اس سے بن پڑا۔

لیکن آخر کار اسے گرفتار ہو کے حضرت عمرؓ کے پاس آنا پڑا۔ حضرت عمرؓ اس شخص کو خاص ملہ پر قتل کر دینا چاہتے تھے مگر اس قریب کار نے دھوکا دے کر حضرت عمرؓ سے جان کی امان حاصل کر لی۔ اس شخص کو حضرت عمرؓ نے ایک گھڑی دن کے لئے پناہ دی تھی مگر واقعات کچھ ایسے ہوئے کہ امان مستقل ہو گئی۔

ایک دن کیا ہوتا ہے ہر صوزان پیا سا بن کر پانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے لئے پانی لایا جاتا ہے لیکن وہ پیالہ واپس کر دیتا ہے اور پانی نہیں پیتا۔ اب وہ حضرت عمرؓ سے کہتا ہے کہ ممکن ہے تم مجھے پانی پینے کے دوران ہی قتل کر دو۔ امیر المومنین فرماتے ہیں نہیں کوئی اندیشہ مت کرو، تم سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ اب تو یہ شخص کہتا ہے۔

”تم نے مجھے امان بخش دی“ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ نہیں۔ میں نے تجھے امان نہیں دی۔
لیکن حاضرین مجلس نے کہا:-

”امیر المؤمنین، ہومزان کے لئے امان تو ہو گئی، اس لئے کہ آپ نے اس سے یہ تو کہہ ہی دیا کہ تجھ سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ اس طرح مسلمان اور خود حضرت عمرؓ اس ایرانی کا فریب کھا گئے۔ اور اس میں اچھنبے کی کوئی بات بھی نہیں۔ آزاد مرد کبھی اپنی سیاست میں کامیاب ہوتے ہیں تو کبھی دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں۔ سلام میں سب سے پہلی چیز ایک غیر مسلم کی امان ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم کو ایک ادنیٰ مسلمان سپاہی تک امان بخش دے تو سلامی لشکر کے سردار پر بھی وہ امان بخشی واجب ہو جاتی ہے اور اسے اس بات کو نبھانا پڑتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی مسلمان غلام بھی کسی ایک لڑنے والے غیر مسلم یا پورے گروہ غیر مسلم کو امان بخش دے تو اس کی پابندی اسلامی لشکر، اس کے قائد، خلیفہ، اور پوری امت پر عائد ہو جاتی ہے۔

یہ اس لئے ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد موجود تھا کہ مومن، ذمیوں اور غیر مسلموں کے جان و مال کے محافظ ہو جاتے ہیں۔ اب چونکہ ہومزان نے اپنے کو سپرو کر دیا تھا لہذا وہ سلام کی طرف سے محفوظ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حدیث ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اس کی اسے گزند پہنچانے کا یارا نہ رہا۔ مدینہ میں ایک اور شخص بھی رہا کرتا تھا۔ وہ ایرانی نہ تھا۔ حیرہ کا ایک عیسائی عرب تھا۔ اس میں اور سعد بن ابی وقاصؓ میں رشتہ داری بھی تھی۔ ابن سعدؓ کا قول ہے کہ یہ قرابت محض از روئے مراضعت تھی یعنی جفینہ ما کی بیوی نے سعدؓ کے کسی لڑکے کو دودھ پلایا تھا اور جس وقت سعدؓ کو حضرت عمرؓ نے کوفہ کی گدیزی سے معزول کیا وہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے کے آئے تھے۔

ایک چوتھا شخص بھی تھا جو مدینہ میں رہتا تھا۔ مگر عجیبے غریب طور پریتے تھے اس شخص کے۔ اس شخص کو مسلمانوں کو فریب دینے کا گڑ آتا تھا۔ اس نے حضرت عمرؓ تک کو دھوکہ دے دیا تھا۔ اس شخص کا نام کعب الاحبار تھا۔ یہ ایک یمنی یہودی تھا۔ روایت ہے کہ جس وقت حضرت علیؓ یمن تشریف لے گئے تو کعب نے

آپ سے آنحضرت کا حلیہ پوچھا اور علیہ مبارک سن کر اس نے کہا کہ بعینہہ اسی طرح تو راقہ میں بھی کھا ہوا ہے۔ یقیناً آنحضرت کے زمانہ میں صلیب میں نہیں آیا میں ہی میں رہا لیکن بعض حضرات راوی ہیں کہ کعب نے سلام قبول کر لیا تھا اور یمن میں اسلام کی دعوت سنی دیتا تھا۔ یہ مدینہ میں حضرت عمر کے زمانہ میں آیا تھا۔ یہاں اس کی حیثیت عباس بن عبدالمطلب کے غلام کی تھی۔ جس چیز میں اسے ہمارے تھے وہ سکالوں سے کذاب بیانی تھی، یہ اکثر لوگوں سے کہہ دیا کرتا تھا کہ اس نے ان کا ذکر تو راقہ میں پڑھا ہے۔ مسلمان اس بات پر حیرت کرتے تھے اور اپنے متعلق یہ سب سن کر غرض بھی ہوتے تھے۔ اس عجیب و غریب آدمی نے حضرت عمر پر بھی جھوٹ باندھ دیا تھا۔

سراویات حاکی ہیں کہ کعب نے حضرت عمر سے کہا تھا کہ ان کا ذکر تو راقہ میں موجود ہے۔ جب حضرت عمر نے حیرت کا اظہار کیا، خصوصاً اس بات پر کہ تو راقہ میں ان کے نام کا ذکر ہو تو کعب نے کہا: "توراہ میں تمہارا نام تو نہیں البتہ تمہارے صفات اور تمہاری خوبیوں کا ذکر موجود ہے۔ شام کے سفر میں کعب حضرت عمر کے ساتھ گیا تھا حضرت عمر کا یہ سفر بیت المقدس کی فتح کی تکمیل اور اسے آخری مراحل سے گزارنے کے سلسلہ میں تھا۔ اسی نے حضرت عمر کی صحیحہ نامی جگہ تک راہنمائی کی تھی۔ اس جگہ کثرت سے گرجے بنے ہوئے تھے۔ حضرت عمر کے حکم سے یہاں مسجد بنوا دی گئی۔ بعد میں جب تینوں قبلہ کا سوال اٹھا۔ تو کعب نے حضرت صحیحہ کی جانب رخ کرنے کی سفارشات کی لیکن حضرت عمر نے مسجد حواہ کی طرف قبیلہ بنایا۔

کعب بعد میں حضرت عمر کی معیت میں مدینہ پلٹ آیا۔ ایک دن اس یہودی نے حضرت عمر کو اطلاع دی کہ وہ مشہید مریں گے۔ اس پر امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں جزیرہ عرب کے باطل وسط میں ہوں، جہاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو مجھے شہادت کیسے نصیب ہوگی۔ کعب نے اصرار کیا ایسا ہی ہوگا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا:۔

منہم اذت ہر اس مقام پر مل سکتی ہے جہاں اللہ کی مرضی ہو۔ ایک روز حضرت عمر اپنی بیوی اور کلثوم بنت علیؓ کے یہاں تشریف لے گئے۔ وہ رو رہی تھیں حضرت

عمرؓ نے رونے کا سبب پوچھا انہوں نے کہا کہ یہ جو یہودی ہے ناکعب الاجارادہ کہتا ہے تم آگ میں جاؤ گے! بعد میں جب حضرت عمرؓ نے کعب کو دیکھا تو آپ نے اس سے اس باب میں سوال کیا تو کعب نے کہا نہیں آپ تو جنت میں جائیں گے۔ امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کیا خوب! ایک دفعہ جنت میں اور ایک دفعہ جہنم میں! کعب بولا: امیر المؤمنینؓ ذرا ٹھہریئے، بخدا قوراۃ میں آپ جہنم ہی میں دکھائے گئے ہیں، ان معنی میں کہ آپ جہنم کے دروازہ پر کھڑے مسلمانوں کو اس میں گرنے سے روک رہے ہیں۔

آخر میں ایک بار کعب پھر حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ تین دن بعد آپ قتل ہو کر دیئے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اس بات کی کوئی پروا نہ کی۔ ایک دن اور گزر جانے پر کعب نے کہا: ایک دن تو کٹ ہی گیا اب صرف دو دن رہ جاتے ہیں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف بھی توجہ نہ کی اور زیادہ حیرت اس بات پر ہے کہ اس سے پوچھا بھی نہیں کہ اسے یہ سب علم کہاں سے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے مرنے کے بعد بھی کسی مسلمان نے اس سے اس کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا۔ لیکن اس سے زیادہ اچنبھے کی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ زخمی ہو چکنے کے بعد بھی گویا کعب الاجار سے آپ کو یہ سننا پڑا کہ:-

ط الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكْفُرْنَ مِنَ الْمُسْتَرِينَ۔ یعنی حق (مراومت) تیرے پروردگار کی جانب سے پہنچے گا تو ان لوگوں میں مت ہو جو شک میں مبتلا ہیں۔ اودیہ کہ، کیا میں آپ سے نہ کہتا تھا کہ آپ کی موت شہادت سے واقع ہوگی اور آپ کہا کرتے تھے:- ”مجھے شہادت کہاں مل سکے گی میں تو جزیرہ عرب کے عین وسط میں بیٹھا ہوا ہوں۔“ روایات کی رو سے حضرت عمرؓ یہ سن کر خاموش رہے۔

اگر کعب کے بارے میں بیان کردہ روایات صحیح بھی مان لی جائیں تو پھر مجھے اس بات میں ذرا شک نہیں رہتا کہ کعب کو قاتل فاروق اعظمؓ یعنی ابولؤلؤؓ کے ارادوں سے واقفیت تھی۔ یا ان لوگوں کے منصوبوں سے جنہوں نے اس بھیانک جرم میں شرکت سے آگاہی حاصل تھی۔

عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے ابولؤلؤؓ، ہوزمان اور

جھینڈنا کو صلاح مشورہ کرتے دیکھا تھا۔ اور ان کا بیان یہ ہے کہ موصوف کو دیکھ کر یہ لوگ ہٹ گئے تھے۔ یہ لوگ جب اٹھ کر جانے لگے تو ان کے پاس سے ایک دو پھلوں والا خنجر برآمد ہو جس کا قبضہ بیچ میں تھا۔ جب عبد الرحمن بن ابی بکرؓ نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو تو تو انہیں یہ جواب دیا گیا کہ ہم اس خنجر سے گوشت کا ٹاکرتے ہیں۔

عبید اللہ بن عمر نے جنھوں نے عبد الرحمن کی بہت سن لی تھی فوراً پوچھا تم نے انہیں دیکھا ہے؟ عبد الرحمن نے کہا: ہاں، اب جب سب لوگوں نے خنجر کو دیکھا تو حضرت عبد الرحمن کے بیان کے مطابق تھا۔ اس موقع پر عبید اللہ بن عمر جو شوق انتقام سے لبریز ہو گئے اور اپنی ننگی تلوار لے آگے بڑھے۔ اور ہرمزان کے سر پر آگے سوار ہو گئے۔ عبید اللہ بن عمر نے کہا: ذرا آگے میرے ایک گھوڑے کو دیکھو۔ اب جب ہرمزان کھڑا ہوا تو وہ پیچھے ہٹے اور اس کے سر پر تلوار تان لی۔

ہرمزان نے جب موت سامنے آتے دیکھا تو اس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ۔ معلوم نہیں کون سے راوی اس وقت موجود تھے جنہوں نے اسے یہ کہتے سنا! بہر حال عبید اللہ جھینڈنا کے پاس پہنچے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عبید اللہ ابو لؤلؤؓ کے مکان پر آئے اور اس کی ایک کسن لڑکی کو بھی ہلاک کر دیا۔

اصحاب نبی نے عبید اللہ کے بارے میں سن لیا تھا۔ چنانچہ انھیں فوراً بلوایا۔ شاید اگر ایسا نہ ہوتا تو عبید اللہ مدینہ میں مقیم تمام عجم نژاد لوگوں کو قتل کر دیتے۔ عمرو بن العاصؓ نے خاص طور پر عبید اللہ کا پھپکا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے عبید اللہ کو سخت سخت کہا۔ ایسا ہی عثمان بن عفانؓ نے کیا۔ حضرت عثمانؓ فرمایا کرتے تھے: تم نے ایک طرف تو ایک ایسے شخص کو مارا جو نماز ادا کرتا تھا اور دوسری طرف ایک ذمی کو بھی مار دیا۔ جسے رسول اللہ کی امان ملی ہوئی تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رسالت مآبؐ کے اصحاب نے عبید اللہ کو گرفتار کر لیا۔ او

جب حضرت عثمان نے خلافت کا بار سنبھالا تو آپ نے عبید اللہ کے بارے میں مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ آپ نے کہا :- ”تم لوگ اس شخص (مراد عبید اللہ) کے بارے میں جس نے اسلام میں رخنہ ڈال دیا ہے۔ مجھے مشورہ دو۔“ بعض لوگوں نے ان کے قتل کا مشورہ دیا اور بعض نے کہا۔ شاید تم لوگ اس بات کو طے کر چکے ہو کہ عبید اللہ کو بھی وہیں پہنچا دو جہاں حضرت عمرؓ ان کے والد پہنچے ہوئے ہیں۔ ابھی یہ بحث ہوئی ہی تھی کہ حضرت عمرو بن العاصؓ پہنچ گئے اور انہوں نے کہا :- ”یہ جو کچھ ہوا اس وقت ہوا جب تم خلیفہ نہ تھے۔ اس لئے بہتر ہوگا کہ عبید اللہ کو چھوڑ دو چنانچہ حضرت عثمان نے دو مردوں اور ایک لڑکی کا خون بہانے کے عبید اللہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہوجانے کے بعد عبید اللہ کے ساتھ جو معاملہ ہوا اس کی تفصیل کہیں اور آچکی ہے۔ لہذا ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں حضرت عثمان نے عبید اللہ کو اس وقت معاف کیا تھا جب بعض اشخاص نے عبید اللہ کی کارستانی سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

حضرت علیؓ کی لڑائی تھی کہ انہیں (عبید اللہ) کو قتل کر دیا جائے حضرت علیؓ کے خلیفہ ہوتے ہی عبید اللہ نے فرار اختیار کیا۔ اور حضرت معاویہؓ سے جا ملے اور صفین کے معرکہ میں قتل ہو گئے یہ واقعہ ہے کہ عبید اللہ نے قانون کو ہاتھ میں لے کے اسلام کے حدود سے تجاوز کیا تھا۔ قانون کا تقاضا تھا کہ عبید اللہ کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے تھا جب تک نیا خلیفہ برسرِ اقتدار نہ آجاتا اس وقت البتہ وہ اس کے سامنے قضیہ کی پیش کرے اور اس بات کی شہادت لگائے کہ ہرمزان، جضینہ اور ابولؤلؤہ کی بیٹی نے حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔ اب اگر خلیفہ کے نزدیک یہ شہادت قابل قبول قرار پاتی تو بے شک خلیفہ کو قتل یا دوسری کسی سزا کو جائز قرار دے دینا تھا۔

عبید اللہ پر جاہلی دور کی عصبیت غالب آگئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بغیر امام کے حکم کے قتل کا ارتکاب کیا تھا۔ اب اس قتل کا انجام یہ ہوا کہ ایک طرف عبید اللہ مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اور دوسری طرف سلمانؓ آپس میں بٹ گئے۔

باب ۲۲

حضرت عمرؓ کا سانحہ مرگ

دولت ہے کہ ایک بار آنحضرتؐ نے جنہیں حضرت عمرؓ سے زبردست الش تھا۔ ان سے ایک ذاتی ماسوال کیا، اس قسم کا سوال جو خالص بزرگانہ اور مشفقانہ نوعیت کا تھا، اور وہ یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے جو پیرن زیب تن کر رکھا تھا وہ نیا تھا یا پرانا اور — پہنا ہوا جب حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یہ پیرن پہنا ہوا ہے تو مسودار کا دل بھرا یا اور اس گلامی قدر نے کہا۔

”عہ شاتم نیا لباس بھی پہنو، فراغت اور نوشی سے دن بھی گزارو اور تم کو شہید کی موت مرنا نصیب ہوگا۔ اور اس دنیا، اور آخرت دونوں میں تم کو سرت فرلو ان حاصل ہوگی۔“

اس دعاے رحمتہ للعالمین کے پیش نظر حضرت عمرؓ اللہ تعالیٰ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ وہ اس کی راہ میں شہید ہوں اور اس کے نبی اعظم کے دیار میں انہیں موت آئے۔ جب اس پر کسی نے کہا تھا کہ تمہیں شہادت کیسے مل جائے گی اور پھر شہر پیغمبر یعنی (مدینہ) میں لازمی طور پر تمہاری موت بھی کیسے واقع ہوگی تو اس کا جواب حضرت عمرؓ نے یہ دیا تھا کہ اللہ جب چاہے گا اور جہاں چاہے گا اپنے بندہ کو شہادت کا جام عنایت کر دے گا۔ آخر اللہ نے حضرت عمرؓ کی دعا قبول کر لی اور انہیں دونوں ہی باتیں حاصل ہوئیں۔ مدینہ بھی ہاتھ سے دگیا اور شہادت بھی ملی۔ انہیں ایک ایسی آتش پرست

نے قتل کر دیا۔ اور قتل بھی فجر کی نماز کے وقت کیا۔ یعنی ایک ایسے وقت جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

سورة الاسراء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

رَأَيْتَ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ الْأَيْلِ وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (اے محمدؐ) سورج کے ڈھلنے سے رات کے

اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی) نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔

آتش پرست مجوسی نے حضرت عمرؓ کو جنہوں نے فجر کی نماز کی تکبیر کہہ لی تھی، قتل کر دیا۔ اس واقعہ شہادت سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ نے (حضرت عمرؓ کے باب میں) رسالت مآبؐ کی سن لی تھی۔ اگر واقعی رسالت مآبؐ نے اس قسم کی دعاری تھی۔ اور حضرت عمرؓ کی دعا بھی قبول ہوئی جو مشاہدات، مدینہ کی شرط کے ساتھ چاہتے تھے۔ قاتلانہ حملہ کے بعد حضرت عمرؓ یہ کہتے ہوئے گر پڑے کہ :-

(وَكَانَ أَهْمًا لِلَّهِ قَدْرًا مَقْدُوسًا -)

یعنی

”اللہ تعالیٰ کا ہر حکم پہلے ہی سے متعین ہوتا ہے۔“ حضرت عمرؓ کو وہ بات بھی میسر ہو گئی جس کے لئے آپ کو حد درجہ تشویش رہا کرتی تھی۔ یعنی یہ کہ آپ کی اہلی اہل گاہ دہی ہو جہاں آپ کے عظیم رہنما اور رفقا، آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ موجود تھے۔ اس کے لئے حضرت عمرؓ نے زخمی ہونے سے پہلے ہی حضرت عائشہؓ سے اجازت مانگ لی تھی۔ اب پہلے تو آپ وصیت وغیرہ سے فارغ ہوئے پھر آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ سے فرمایا: ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کہنا کہ، ”عمرؓ کی، امیر المومنین مت کہنا کیونکہ اب میں مومنوں کا امیر نہیں رہا، خواہش ہے کہ وہ اپنے رفقا کے ساتھ یعنی آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ کے ساتھ دفن ہوں۔ چنانچہ اس کی اجازت مرحمت کر دی جائے۔“ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ اگرچہ حضرت عائشہؓ نے اس جگہ کی

اجازت پہلے ہی دے رکھی تھی لیکن اس کا پلہا پلہا امکان ہے کہ ایسا مرض اس نے کیا گیا ہو کہ یہ اجازت حاکم دقت مانگ رہا تھا۔ بہر حال حضرت عمرؓ کو حد درجہ خوشی ہوئی جب ان کے بیٹے از سر نو یہ اجازت لے کے آگے۔ اب مرنے والے کا نشاط دیدنی تھا۔

حضرت عمرؓ کو یہ بات بے حد ناگوار تھی کہ کوئی ان پر بیٹھ کے روئے آپ نے اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کو جب سخت مضطرب اور آمادہ گریہ پایا تو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا مجھے بٹھا دو، میں یہ سب کچھ یعنی (گریہ زاری) نہیں سن سکتا۔ اس کے بعد فرمایا: "بیٹی اگر مجھے تمہاری آنکھوں پر تعریف نہیں حاصل یعنی میں تم کو رونے سے نہیں منع کر سکتا، تاہم میرے سبب یہ جو تمہاری حالت ہے اس وقت اس پر قابو پاؤ اور گریہ زاری مت کرو۔ حضرت عمرؓ نے صہیب کو بھی روٹے سنا تو ان سے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ سے یہ بات سن رکھی ہے جن کو لوگ دوتے ہیں ان پر اس رونے سے عذاب نازل ہوتا ہے۔

اتفاق سے حضرت عائشہؓ اس حدیث کو تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ ان کے خیال میں مسکے کی اصل وضعیت کو سمجھنے میں حضرت عمرؓ سے غلطی ہوئی تھی۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے کچھ لوگوں کو اپنے کسی مردہ کو دوتے ہوئے پایا تو آپ نے فرمایا: "یہ لوگ ادھر رو رہے ہیں ادھر ان کے آدمی پر عذاب نازل ہو رہا ہے۔ عذاب کی وجہ (مردے کے اعزاز کا بُکا نہ تھی) بلکہ خود اس کا اپنا جرم تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا کہ جو جوان پر رو رہا تھا اسے ان کے سامنے سے ہٹا دیا جائے۔

راوی لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمرؓ کو اس کا احساس ہو گیا کہ وہ اس عالم سے سدبار رہے ہیں تو آپ نے وصیت کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے فرمایا: "فرزند عزیز! تم میں ایمان کی تمام خصلتیں ہونی چاہئیں۔ تم پوچھتے ہو وہ کیا ہیں تو لو سنو وہ یہ ہیں: سخت گرمیوں کے باوجود رمضان کے روزے رکھنا، (جہاد میں) اسلام کے دشمنوں سے مسلح مقابلہ، انہماک اور آزمائش کے موقع پر صبر و تحمل کا اظہار، جاڑوں میں وضو میں انہماک، روزا بز جب گھٹائیں چھائی رہیں۔ نماز میں جملت کہ مبادا ابر کے سبب دقت نکل جائے اور ترکے نوشی، حضرت عمرؓ جنہیں بدھ کے دن زخم آئے تھے، جمعرات کے دن انتقال فرمائے۔ لیکن بعض راویوں

کا خیال ہے کہ آپ زخم لگنے کے بعد صرف ایک دن اور جئے۔

اہل شہر ہی نہ حضرت عمرؓ کی نامزدگی ہوئی کونسل، جس میں عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ

عبدالرحمن بن عوفؓ، عہدہ بن العاصؓ وغیرہ شامل تھے، نے باہمی مشورہ میں جو نئے لیڈر کے انتخاب کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ تین دن صرف کئے۔ حضرت عمرؓ کی وفات اور شہادت کے وقت ان کے سن کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن یہ سب ہے کہ وہ ساٹھ کے ہو چکے تھے۔

کچھ بھی ہو، حضرت عمرؓ نے مرتے وقت سب کو اپنے سے خوش چھوڑا، اللہ، رسول اور امت مسلمہ کی نیلیں سب ہی آپ سے راضی تھے۔ سوائے ان چند لوگوں کے جو تیشیح میں غلو کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی ثنا گسٹری اور قدر دانی میں تمام فرقتے اور گردہ اور مودخ اور راوی متفق ہیں۔ دراصل اللہ نے امت پر زہد دست کرم فرمایا کہ اسے حضرت عمرؓ کی سس مثالی اور میاری شخصیت عطا کی جس نے عدل گسٹری، انصاف، استقامت اور اپنے بعد آنے والے تمام خلفاء اور سلاطین پر ہر اعتبار سے برتری مطلق کے نقطہ نگاہ سے ایک آئیڈیل پیش کر دیا تھا۔



باب ۲۳

حضرت عسمرؓ کی موت

اور

ایک شرعی مسئلہ کا حل

جس نے تمام عمر مسلمانوں کے لئے بھلائی کی، اس کی موت تک نے مسلمانوں کو نفع پہنچایا۔ ان معنی میں کہ اس سے ایک اہم دینی اور شرعی مسئلہ حل ہو گیا۔ اس مسئلہ سے متعلق روایات بیان کرتے وقت 'ایسا معلوم ہوتا ہے' کہ راویوں پر حیرت سی طاری ہوئی۔ سچی۔ دراصل بات یہ تھی کہ اس امر کے باوجود کہ شہیدوں کو نہ غسل دیا جاتا ہے نہ کفن پہنایا جاتا ہے، حضرت عمرؓ کو جن کو شہید کیا گیا تھا، غسل بھی دیا گیا اور کفن بھی پہنایا گیا۔

آنحضرتؐ نے اُحد کے شہداء کو غسل نہیں دلوایا تھا اور اس کے برعکس یہ تک فرمایا تھا کہ اگر حضرت صفیہؓ (رسالت مآبؐ کی پھوپھی) کی خواہراں زکریہ زاری نہ مائل ہو جاتی تو آپ اس بات تک کی اجازت دیدیتے کہ سینا حضرت حمزہؓ کی لاش بے کفن کو صحرائی گوشت خوردہ بندوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

غرض یہ طے ہے کہ اُحد کے شہداء بغیر کفن کے دفن ہوئے تھے۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کو انہیں کی ایک چادر میں پٹیٹ دیا گیا تھا اور حال یہ تھا کہ اگر چادر سے ان کا سر ڈھانپا جاتا ہے تو دھر ٹھکل جاتا ہے اور پاؤں اڑھانے جاتے ہیں تو سر ٹھکل جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے تمام جسم کو اسی صورت میں ڈھانپا جاسکا جب پیڑ کے تنوں کا سہارا لیا گیا۔

یہی عثمان بن مطعونؓ کے ساتھ ہوا۔

ملاوڑیوں نے صفین کے معرکہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا قول نقل کیا ہے: مجھے اس وقت دینا اس لئے کہ میں ٹر رہا ہوں (اگر ٹرنا ہوا مانا گیا تو ہوں کا قول دفن کرنا ضروری قرار پائے گا) چنانچہ مسلمانوں نے جنہوں نے عمار بن یاسرؓ کی یہ بات سنی تھی انہیں یوں ہی دفن کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی میت کا غسل اور ان کی تجہیز و تکفین سب ان کے احکامات کے بموجب عمل میں لائے گئے۔ آپ نے کفن کے سلسلہ میں معتدل رہنے کا حکم دیا تھا۔ اسی طرح ان کی تجہیز میں مشک کے استعمال سے بھی پرہیز کیا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ شہداء بغیر کفن اور غسل کے صرف اس صورت میں دفن ہوتے ہیں جب وہ میدان جنگ میں شہید ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص یوں شہادت کا درمہ پا جائے کہ مثلاً کسی کینہ در عیساں شہادت سے ناسخ طور پر قتل کر دیا ہو تو اس کی تجہیز عام مسلمانوں کے طریق پر ہوگی۔ اب اسے غسل بھی دیا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی ادا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی حیات و ممات ہر دو میں مسلمانوں کے لئے نفع ہی نفع رہا۔ دونوں طوے سے 'یعنی جی کے بھی' مر کے بھی 'حضرت عمرؓ نے امت کو فائدہ پہنچایا۔

برتر از اندیشہ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جان اور کبھی تسلیم حال ہے زندگی



تاریخ اسلام

جلد اول، جلد دوم، جلد سوم۔

مؤلف: مولانا اکبر شاہ خلیفہ سنیہ آبادی

• کیا آپ اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ آپ اپنی زندگی کے کئی لاکھ عمل بنا سکتے ہیں یا اپنی قوم کے مستقبل سنوارنے کی کوئی کامیاب تدبیر کر سکتے ہیں، جب تک کہ آپ اپنے درخشاں ماضی اور اپنی تابناک تاریخ سے پوری طرح واقف نہ ہوں۔

تاریخ اسلام تیرہ سو سال قبل فاران کی پوٹوں سے ایک نور چمکا۔ اس کی ایک ہی کرن نے عظمت کہہ گیتی کو مطلع انوار بنا دیا۔ اس عالمگیر انقلابی آواز نے انسانیت اور حق و انصاف کی ایسی بنیادیں تعمیر کیں جسیں سیاسی، اقتصادی، معاشی اور اخلاقی آزادی تھی۔ اس شمع امن و سلامتی کے مسٹی بھری ستار عرب کے پتے ہونے محلوں سے صرف حق و صداقت اور توحید و رسالت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر کبھی افریقہ کے میدانوں میں کبھی چین کے پھیلے پہاڑوں میں کبھی اسپین میں اور کبھی بت کہہ ہند میں پہنچے اور دیکھتے ہی دیکھتے افریقہ عالم پر چھا گئے۔

یہ کتاب ان ہی مسلمان حکمرانوں، جہاں بانڈوں اور بہادریوں کے زندہ جاوید کارناموں کی مفصل تاریخ ہے جس کے مطالعے سے آپ کی رگ حمیت پھر ٹک اٹھے گی۔ اور آپ حق و صداقت کی راہوں پر دوبارہ گامزن ہو کر اپنا حال اور مستقبل بھی اتنا ہی شاندار بنالیں گے۔ جتنا آپ کا ماضی درخشاں رہے۔

مغربی مورخین نے تاریخ اسلام کے واقعات کو تعصب کے ذہن میں سمجھے ہوئے قلم سے لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کیا اور ایک عرصہ تک تاریخ کا غالب علم حقیقت سے ناواقف رہا۔

مؤرخ اسلام مولانا اکبر شاہ خلیفہ سنیہ آبادی نے برسہا برس کی محنت سے یہ مفصل اور مستند تاریخ مرتب کی جس کی ہر سطر اسلامی سلطنت و عظمت کی آئینہ دار ہے۔ اس بنیاد پر کتاب کا اہل ذمہ تحریر ہے اتنا دلکش ہے آج جب کہ ہم آہم ترین تاریخ دور سے گزر رہے ہیں، ہمیں اس سے تاریخ اسلام کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اور حضرت علیؓ

تاریخ اور سنی کے روشنی میں

مترجمہ: مولوی عبدالحمید نعمانی

مصنف: ڈاکٹر طلحہ حسین

• تاریخ کا سب سے زیادہ المناقہ مختلف فیہ اور نزاعی موضوع

اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں اس موضوع سے اہم کوئی اور موضوع نہیں مل سکتا یہ موضوع ہے اشک داہ کا، گمراہی پریم اور گمراہی پر اختیار کا، نوصہ دامت کا، ایک ہولناک انقلاب کا۔ "ایسا انقلاب جس نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا اس موضوع پر اب تک صد ہا مرتبہ نثر لکھی جا چکی ہے۔ یہ کتابیں یا تو سراسر عقیدت کا قبوہ ہیں یا اندھا دھند آزاد خیالی سے براہ روی اور کج رائی کا۔

عالی مرتبہ مصر کے لیگانہ ادبے ہنما منتخ ' ادیب اور محقق ڈاکٹر طلحہ حسین نے کافی غیر جانبداری کے ساتھ ' بلکہ تھوڑی دیر کے لئے یہ فراموش کر کے خود ان کا مسلک کیا ہے خالص تاریخی واقعات و حقائق کی روشنی میں یہ کتاب لکھی ہے اس کتاب میں جذبات سے اپیل نہیں کی گئی ہے ' اچھ نہ کر کے کوئی بات تسلیم نہیں کی گئی ہے ' نہ محض ازراہ حقیقت کسی بات کو تسلیم کرانے کی کوشش کی گئی ہے ' مستند ترین ماخذوں کو سامنے رکھ کر مستند ترین واقعات تاریخی ترتیب سے کر سامنے رکھ دیئے گئے ہیں اور فیصلہ خود مصنف نے نہیں کیا ' تاریخین پر چھوڑ دیا ہے وہ خود ان دانشگاف و حقائق اور واقعات کی روشنی میں جو فیصلہ چاہیں کریں ' جو رائے چاہیں قائم کریں ' جس نتیجہ تک خود پہنچنا چاہیں پہنچیں - حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر طلحہ حسین کی یہ کتاب سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے - اسے پڑھنے کے بعد ہر وہ آنکھوں سے اٹھ جاتا ہے اور سنگین ' برہنہ اور ٹھوس حقائق نظر کے سامنے آجاتے ہیں ' جنہیں نہ چھٹایا جاسکتا ہے ' نہ جکی تردید کی جاسکتی ہے نہ جن کے بارے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں - ڈاکٹر طلحہ حسین نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ پر بہت بڑا احسان کیا ہے تاریخ نگاروں کیلئے ایک نیا راستہ پیدا کر دیا ہے اور ایک ایسی مثال قائم کر دی ہے جس کی تقلید اور ہمیش روی ہر دوسرے لوگ مجبور ہیں اس نادر دوزگار کتاب کے حقوق طبع و اشاعت پاکستان کے لئے خاص طور پر ہم نے حاصل کئے ہیں طبعات کتابت اور گٹ اپ کے لحاظ سے یہ اپنی مثال آپ ہے